

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_I 188093

UNIVERSAL
LIBRARY

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

(انٹرمیڈیٹ کے لئے)

تاریخ یورپ

(حصہ اول)

مضف

آلیور تھچر صاحب پی ایچ۔ ڈی۔ اور فرڈیننڈ شیول صاحب پی ایچ۔ ڈی

جس کو

مولوی عبد الماجد صاحب بی۔ اے۔ نواحیہ پانچنگ بہادر اور قاضی تلمذ حسین صاحب ایم۔ اے۔
نے اردو میں ترجمہ کیا۔

۱۳۴۱ھ ۱۳۳۱ھ ۱۹۲۲ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تنقید مذہبی متعلقہ



ترجمہ تاریخ یورپ حصہ اول مصنفہ الیور تھیچر

اس کتاب میں اول سے آخر تک ”قططنیہ“ اس شکل پر لکھا ہوا ہے یہ وہ شہر ہے جس کے متعلق حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی ہے اور احادیث میں الفاظ ”مدینۃ قیصر“ اور قسطنطنیہ وارد ہیں۔ تمام عربی اور ترکی کتابوں میں اخبارات میں۔ سکوت میں اس کا ہی اطلاق ہے۔ پس موجودہ ترجمہ میں جو اطلاق ہے اسکو غلطی کتابت سمجھنا چاہیئے۔

صفحہ ۲۴۸ میں فریڈرک قیصر کی طرف اس قول کی نسبت کی گئی ہے کہ دفعہ باندہ مذہب کے بارے میں تین مکار گزرے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کو فریب دیا ہے۔ موسیٰ۔ عیسیٰ۔ محمد۔ (علیہم السلام) اور اس کو لمحہ قرار دیا گیا ہے۔

صفحہ ۲۷۳ میں مرقوم ہے ”باب ہذا کی ابتداء میں مصنف نے چند صفحات میں اسلام و پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تعارف اپنے ناظرین سے کرایا تھا۔ اتنا ٹکڑا ترجمہ میں حذف کر دیا گیا ہے۔ غالباً یہ مضمون اس وجہ سے حذف کر دیا گیا کہ مسلمان اسکو پڑھ نہیں سکتے تھے۔

قرآن مجید میں مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے کہ انکو گندہ باتوں کو سننا پڑے گا۔ لَقَبَلُّوْنَ فِيْ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَلَا تَنْتَفِلُوْنَ اِذَا تَقَالُفُوْا وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَلَا تَنْتَفِلُوْنَ اِذَا تَقَالُفُوْا وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ اَلَا تَنْتَفِلُوْنَ اِذَا تَقَالُفُوْا وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ

سورۃ آل عمران۔ رکوع ۱۴۔ ترجمہ مسلمانو! تمہارے مانوں اور تمہاری جانوں کے نقصان میں ضرور تمہاری آزمائش کی جائیگی۔ اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب

دیکھا چکی ہے اُن سے اور مشرکین سے تم بہت سی ایذا کی باتیں بھی سنو گے۔
 اور اگر صبر کرو اور پریہیزگاری پر قائم رہو تو بے شک یہ بڑی بہت کے کام ہیں۔
 ملحد فلسفی یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا قدیم سے اسی طرح چلتی آئی اور چلتی رہے گی مذہب
 سے آزاد ہو کر انسانوں کی قوتِ قاہرہ تمام دنیا کے تمدن کی اصلاح کر سکتی ہے۔
 لیکن کتبِ الہیہ کے پڑھنے والوں کے دلوں میں یقین کامل ہے کہ انتظامِ عالم
 قوتِ قاہرہ خدایِ الجلال والاکرام کے ارادہ کے تابع ہے۔ انسان وہی کر سکتا
 ہے جو مشیتِ ایزدی میں ہے اُس کا ارشاد ہے۔ کُلُّ یَوْمٍ یُّهَوٰی فِی شَیْءٍ۔ ہر روز
 وہ ایک شان میں ہے۔ کَتَبَ اللّٰهُ لَا اَعْلٰیَ اَنَا وَرُسُلِیْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِّیُّ عَزِیْزٌ۔
 سورۃ المجادلہ۔ ترجمہ۔ خدا تو لکھ چکا ہے کہ ہم اور ہمارے پیغمبر ضرور غالب اگر رہیں گے۔
 بیشک اللہ زور آور اور زبردست ہے۔ مرقوم ۱۷۰۔ فیجہ المجلد ۱۷۰

صفی الدین

فہرست مضامین

تاریخ یورپ حصہ اول۔

دور متوسط

صفحہ	باب
۱	مقدمہ
۲۲	۱۔ شہنشاہی، کلیسا، اور جرمنوں کی پوش
۴۷	۲۔ جرمنوں کے مقابلے میں شہنشاہی کا رد عمل
۶۱	۳۔ قوم فرینک ۴۸۱ء تا ۸۱۴ء
۸۵	۴۔ شہنشاہی کا انحطاط
۹۷	۵۔ انگلستان اور اہل شمال ۸۰۳ء تا ۱۰۷۰ء
۱۲۰	۶۔ فرانس کی سیاسی تاریخ ۸۸۷ء تا ۱۱۰۸ء
۱۳۱	۷۔ جرمنی کا تعلق اٹلی سے ۸۸۷ء تا ۱۰۵۶ء
۱۵۵	۸۔ زمینداری
۱۷۹	۹۔ ریاست نمبرہی کا نشوونما
۱۹۳	۱۰۔ پاپائی اور شہنشاہی کے درمیان کشمکش
۲۵۸	۱۱۔ خانقاہیت
۲۷۳	۱۲۔ اسلام و محاربات صلیبی
۳۰۳	۱۳۔ شہروں کا نشوونما
۳۱۵	۱۴۔ اٹلی، چارلس ششم کے حملے کے وقت تک ۱۲۹۳ء

۳۲۳

۳۴۷

۳۸۵

۱۵- فرانس دس لاکھ تا ۴۴ لاکھ ۱۰۸- انگلستان دس لاکھ تا ۸۵ لاکھ ۱۱۰

۱۶- جرمنی دس لاکھ تا ۲۵ لاکھ ۱۱۵- اوریوپ کی چھوٹی چھوٹی مسطنتیں

۱۷- نشاۃ جدیدہ کے مذہبی و علمی خصائص ✓



دور متوسط

مقدمہ

زمانہ تاریخی کی تقسیم، سہولت بیان کی غرض سے عموماً دور قدیم، دور متوسط، دور جدید، کے تین دوروں میں کی جاتی ہے، اور اکثر ان میں سے ہر دور کا آغاز و اختتام بھی بقید سنہ و سال متعین کر دیا جاتا ہے۔ پھر ان ادوار کی تقسیم در تقسیم کی جاتی ہے اور ان میں سے ہر زمانہ کو ایک خاص لقب سے موسوم کر دیتے ہیں۔ اگرچہ یہ طریقہ بالکل درست ہے اور اس میں سہولت مد نظر ہے، تاہم اس قسم کی قطعی تقسیم و تجزی سے اکثر ذہن میں تاریخ کا ایک بالکل غلط مفہوم پیدا ہو جاتا ہے، خصوصاً بتدیوں کے ذہن میں۔ اس لئے کہ مؤرخین کا یہ مستحکم ترین عقیدہ ہے کہ تاریخ میں خاص تسلسل پایا جاتا ہے اور اس کی رفتار میں کبھی انقطاع ہوتا ہی نہیں۔ ہر قرن اپنے قرن مابعد

پہلے نقشہ میں صرف بڑی تقسیمیں نظر آئیں گی، سلطنت روم اور قبائل وحشی۔ دوسرے نقشہ میں وحشی قبائل معدوم ہیں۔ سلطنت روم بھی گویا قائم ہے لیکن بالکل برائے نام، اور اپنے تمام پچھلے تغیرات سے موعری۔ البتہ ان دونوں کے بجائے متعدد جداگانہ و مستقل قویم آباد ہیں، اور مختلف سلطنتیں قائم ہیں۔ ایسے مواقع پر از خود یہ سوالات ذہن میں آتے ہیں، کہ سلطنت روم کا کیا خسر ہوا؟ وحشی قبائل کہاں چلے گئے؟ یہ نئی حکومتیں کیونکر پیدا ہو گئیں؟ ان جدید اقوام کا کیونکر آغاز ہوا؟

انسانی حیثیت سے بھی دونوں کے نقشوں کے تغیرات کچھ کم اہم نہیں۔ ابتداء یورپ میں صرف یونانی و لاطینی زبانیں رائج تھیں۔ وحشی قبائل کی غیر شستہ بولیاں نہ کبھی زبان کے مرتبہ پر رکھی گئیں، اور نہ ان سے کوئی علمی کام نکل سکتا تھا۔ لیکن سولہویں صدی میں وہی وحشیوں کی بولیاں اسماء علمی کے مرتبہ پر ممتاز ہو گئیں، یونانی زبان صرف ایک مخصوص خطہ کے اندر، اور لاطینی صرف تعلیم یافتہ جماعت تک، محدود رہ گئی۔

مذہبی معیار سے عظیم الشان انقلابات واقع ہو گئے۔ چوتھی صدی کی ابتدا میں یورپ کا عام مذہب شرک و بت پرستی تھا۔ مسیحیت بھی شائع ضرور تھی، مگر وہی ایک مختصر گروہ کے اندر سولہویں صدی میں کم از کم ظاہری طور پر تو شرک کا

خاتمہ تھا۔ بجائے اس کے نصرانیت کی دو شاخیں (کلیسائے رومی و کلیسائے یونانی) عام طور پر شائع تھیں اور ایک تیسری صنف (پروٹسٹنٹ ازم) بھی صبح و شام پیدا ہونے والی تھی۔ مسیحیت کے علاوہ کچھ حصہ یورپ کا اسلام کے بھی زیر نگین تھا۔ سوال یہ ہے کہ یورپ کے وحشیوں نے دین مسیحی کیونکر قبول کر لیا؟ مسیحیت کی یہ مختلف شاخیں کیونکر پھوٹیں؟ کلیسائے یونانی کو کلیسائے رومی سے کس شے نے علحدہ کر دیا؟ اسلام کی صہلیت کیا ہے؟ اس کی تعلیمات و خصوصیات کیا کیا ہیں؟ اس کا آغاز و نشو و نما کیونکر ہوا؟ یورپ پر اس کے شیوع کا کیا اثر ہوا؟ اسلام و مسیحیت میں کس قسم کے تعلقات رہے ہیں؟ تمدنی اعتبار سے دیکھئے تو بھی ایسے ہی اہم تغیرات نظر آئینگے۔ تمدن کی رفتار دریائے راین و ڈینیوب کو عبور کر چکی تھی، اور یہ ظاہر ہو رہا تھا، کہ اس کا مرکز عقرب جنوب سے شمال کو منتقل ہوا چاہتا ہے۔ اٹلی، اسپین، و جنوبی فرانس سو پھویں صدی میں بھی رفتار ترقی میں سب سے آگے تھے، تاہم یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ انگلستان، جرمنی، و شمالی فرانس کے ہاتھ میں عقرب صنعت و حرفت، علم و فن، طاقت و ادب، غرض جملہ عناصر تمدن کی باگ آیا جاتی ہے۔ اس موقع پر پھر یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ یورپ نے یونان و روم سے کیا کیا اکتساب کیا؟ یہ اکتساب نسلاً بعد نسل کیونکر منتقل ہوتا رہا؟ اور اس پر کیا کیا اضافے ہوتے رہے؟ وحشیوں پر

یونانیوں و رومیوں کے علم و ادب ، صنائع ، تعمیرات ، قوانین ، رسم و رواج ، و طرز معاشرت کا کیا کیا اثر پڑا ؟ مختلف وحشی قبائل سے وقتاً فوقتاً کیا کیا جدید تحریکات حاصل ہوتی رہیں ، جو ارتقاء تمدن یورپ میں بہ طور عناصر ترکیبی کے داخل ہیں ؟

یورپ کی موجودہ سلطنتوں کا زمانہ ولادت یہی دور متوسط ہے۔

آئندہ صفحات میں ان مضامین پر گفتگو ہوگی ۔ کہ سلطنت روم نے زوال و حیات ثانیہ کے کیا کیا مراتب طے کئے ؟ اختلاف قومیت کے مٹانے اور سارے یورپ کو ایک کر دینے کے مطلق اسکی کوششیں کیسے ناکام رہیں ؟ اس کے جدید رقیب پاپائیت سے اس سے کسی کیسی شدید معرکہ آرائیاں رہیں ، اور پھر آخر کار دونوں کیونکر معدوم ہو گئے ؟ وحشی قبائل کہاں کہاں گشت لگاتے اور قتل و غارت کرتے پھرے ؟ اور پھر کیونکر روم سے آہستہ آہستہ تمدن کا سبق لے کر انہوں نے جدید حکومتیں قائم کیں ؟ ان میں رفتہ رفتہ کیونکر قومیت کا احساس پیدا ہوا ؟ کیونکر ان کی قومی خود داری ترقی کرتی رہی ، کس استقامت کیساتھ انہوں نے سلطنت و پاپا دونوں کی مداخلت و دست اندازی کا مقابلہ کیا ؟ اور کس کس طرح بالآخر تمام بیرونی دست اندازیوں سے آزاد ہو کر انہوں نے اپنی خود مختار حکومتیں قائم کی ہیں ۔

اور مختلف قوموں و سلطنتوں کے قیام کے ساتھ ان کی مختلف بولیاں جو مستقل زبانیں بنتی گئی ہیں ، ان کا بھی ضماً ذکر آجائیگا ۔

اسی طرح مسیحیت کی ترویج و شیوع ، اور اس کے دو مخصوص

یعنی خاقانیت و پاپائیت کا بیان ہوگا۔ مغرب کے راہبوں کا باشندگانِ یورپ کے مسیحی و متمدن بنانے میں نہایت ہی اہم حصہ رہا ہے، اور روم کے پادری جو اپنے تئیں صرف پطرس ہی کا نہیں بلکہ قیصرہ روم کے نائب بھی سمجھتے تھے، دینی و دنیوی اقتدار کے یکساں مدعی تھے۔ اسی بناء پر قرون وسطی کی تاریخ میں کلیسا کا نمایاں حصہ ہے۔

اسلام کچھ عرصے تک یورپ میں بھی مسیحیت کا زبردست حریف رہا ہے۔ اس کا مطمح نظر تمام دنیا کو مسخر کرنا تھا۔ اس نے یورپ میں اپنے قدم مستحکم طور پر جانے کی بار بار پُر زور سعی کی۔ مسئلہ مشرق کچھ نو پیدا نہیں ہے۔ اس کا وجود قرون وسطی میں بھی تھا، چنانچہ یورپ پر مسلمانوں کے حملے اور مسیحیوں کے جوابی حملے (یعنی محاربات صلیبی) یہ سب اسی تاریخ کے ابواب ہیں۔

دشمن قبائل جب روم پر حملہ آور ہو کر یہیں بس گئے، ان پر روم کا بہت اثر پڑا۔ انہوں نے گو برباد و غارت بھی بہت کچھ کیا، تاہم انہوں نے تحصیل و اکتساب بھی بہت کیا۔ یونانی و رومی تمدن کے عناصر حقیقی بعینہ باقی رہے، ان کے قوانین، ان کے نتائج فکر، یہ سب فاتحین نے جذب کر لئے۔ صفحات آئینہ سے معلوم ہوگا، کہ رفتہ رفتہ سارا یورپ اس ترکہ پر کیونکر متصف ہو گیا، اور تمدن کیونکر ترقی کرتا رہا۔

دور متوسط کی تاریخ انہی مسائل پر مشتمل ہے۔ اوراق آئینہ

میں ان سب پر گفتگو ہوگی، مگر اس کے قبل دو عنوانوں پر تمہیداً روشنی ڈالنا ضروری ہے، اور یہ دو عنوان خود یورپ کا جغرافیہ اور یہاں کے باشندے ہیں۔

(۱) یورپ کی شکل کا اس کی تیاخ پر بڑا اثر پڑا ہے، اس لئے اس کے پہاڑوں، میدانوں، ساحلوں، اور دریاؤں، اور اس کی آب و ہوا سے واقفیت ضروری ہے۔

پہاڑ مشرق میں ایشیا و یورپ کے ٹھیک حد فاصل پر کوہ **یورال** ہے۔ ادھر سلسلہ کوہ قفقاز، بحر اسود و **بحر قزوین** کے مابین واقع ہے، ان دونوں سلسلوں کے وجود کا یہ نتیجہ ہے، کہ یہ مشرق و مغرب کے درمیان آسانی سے آمد و رفت کے حق میں حائل ہو گئے ہیں اور اس لئے، سیاحوں، تاجروں، اور حملہ آور فوجوں کے لئے صرف چند مخصوص راستے کھلے رہ گئے ہیں۔ یہی کیفیت جنوب میں کوہ آلپس و پیرینیجز کے سبب سے پیدا ہو گئی ہے انہوں نے شمال و جنوب کے باشندوں کے میل جول کو روک رکھا ہے اور ان کے سبب سے ایک حکومت کے ماتحت ان دونوں کو رکھنے کی اب تک تمام کوششیں ناکام رہی ہیں۔ ان کے گرد و نواح جو قومیں آباد ہیں، ان کی تفریق و تنوع، فیوض، اور نشو و نما میں بھی ان کا خاص حصہ ہے۔ ان کے درے بہت کم اور دشوار گزار ہیں، جس کے باعث سفر اور ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت آسانی سے ممکن نہیں، اور اس لئے ہر قوم اپنی اپنی حالت اور اپنی اپنی خصوصیات پر قائم ہے۔ ان پہاڑی

سلسلوں کے بڑے ممالک سے قطع نظر کرنے (چھوٹے چھوٹے خطوں میں بھی اُن قوموں میں برابر تفریق و اختلاف قائم رکھا ہے ، جن کے مابین اور ہر حیثیت سے اتحاد و امتزاج کے عناصر موجود ہیں ۔ اس کا نمایاں اثر اسکندینیویا ، جرمنی ، آسٹریا ، اور اس سے بھی بڑھ کر جزیرہ ٹا بلقان ، اٹلی ، اسپین ، و پرتگال میں نظر آتا ہے ۔ اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں ، کہ ان ممالک کے پہاڑوں نے ان کی حکومتوں کو اب تک نہایت پیچیدہ بنا رکھا ہے ۔ اور مغربی یورپ میں وسیع سلطنتوں اور حکومتوں کے قیام میں سخت سدراہ جو رہے ہیں ۔

میدان | مغرب کے برضلات ، وسطی حصوں میں بڑے بڑے میدانوں کے وجود سے قوموں کے اتحاد و یک جہتی اور وسیع سلطنتوں کے قیام میں بڑی آسانی پیدا ہو گئی ہے ۔ یہاں کے مقامی حالات کے لحاظ سے یہاں کے باشندوں کے عام پیشے شروع سے گلہ بانی ، وزراعت وغیرہ رہے ہیں ۔ جب تک آبادی کم تھی ، ان کے خانہ بدوش قبائل متفرق طور پر ادھر ادھر پھرتے رہے ، لیکن جب آبادی گنجان ہوئی ، تو یہ آسانی یہ سب اکٹھے ہوئے ، اور سیاسی ، معاشرتی ، و مذہبی موثرات سب پر یکساں عمل کرنے لگے ۔

سواحل | ساحلی حیثیت سے یورپ خود ایک جزیرہ ٹاہے جس کے اندر بھی دور دور تک سمندر درایا ہوا ہے ۔ اس کے دو بڑے اندرونی سمندر (یعنی بحر روم ، و بحر بالٹک)

اپنے سکون اور طوفان خیز نہولنے کے لحاظ سے تجارت کے بہترین مواقع رکھتے ہیں۔ یہیں سے یہ بات نکلتی ہے کہ یورپ کے ابتدائی تجارتی مرکز انہیں دونوں سمندروں کے سوا حل رہے ہیں۔

دریا | گویا آمد و رفت میں سہولت ہی کی غرض سے یورپ میں شمال سے جنوب کی جانب بہنے ہوئے کثرت

سے دریا ہیں، جو قرون وسطیٰ میں سفر و تجارت دونوں کے وسائل کا کام دیتے تھے۔ راین، اور فرانس کے دیگر دریا باہم دگر اور رون اور اس کے معاون دریاؤں سے ملے ہوئے ہیں، اسی طرح راین، مین، ایب، اوڈر، ڈینیوب سے مل گئے ہیں، اور پھر سچولا، نیمن، اور ڈون، نیسٹر، نیپر، ڈون، اور ولگا ہے۔ گویا یوں فطرت نے یورپ میں آمد و رفت کی راہ میں بہت سہولت پیدا کر دی ہے۔ اگر دریاؤں کا نظام اس کے برعکس ہوتا، تو اسی کے مطابق یورپ کی تلیخ پر بھی کچھ اور ہی اثر پڑتا۔ خصوصاً جو مقامات دریاؤں کے دہانے پر واقع ہیں، انہیں ترقی و تجارتی نشوونما کے تو خاص مواقع حاصل ہیں۔ چنانچہ برنگال، ہالینڈ، دبلجیم کا مستقل قومی وجود ایک حد تک اسی امر کا نتیجہ ہے کہ یہ ممالک بڑے دریاؤں کے دہانے پر واقع ہوئے ہیں۔

آب و ہوا | ملک کے باشندوں پر اس کی آب و ہوا کا اثر متعدد حیثیات سے ہوتا ہے۔ شمال کے طویل

و شدید موسم سرما نے وہاں کی زندگی کو بہ مقابلہ جنوب کے بہت دشوار بنادیا ہے، جہاں فطرت بغیر کسی خارجی اعانت

کے ہر شے کا سامان کر دیتی ہے۔ اسی طریقہ پر لوگوں کے عادات و خصال، لباس، تعمیرات، و معاشرتی زندگی سب یورپ کے مختلف مقامات کی مختلف آب و ہوا سے متاثر ہوئے ہیں۔

باشندے | تیسری صدی میں رومی شہنشاہی کے حدود مغرب میں بحر اوقیانوس، مشرق میں دریائے فرات، جنوب میں صحرائے اعظم، اور شمال میں دریائے ڈینیوب مین و راین تک پھیلے ہوئے تھے۔ برطانیہ کا بھی اس میں شمول ہو گیا تھا۔ لیکن چونکہ مسیحی کے آغاز سے شہنشاہی کے حدود میں توسیع نہیں کی گئی، اس لئے کہ سرحدوں کی حفاظت روز بروز دشوار ہوتی جاتی تھی، آئندہ سلاطین نے ملک گیری و بیرونی فتوحات کا خیال ترک کر دیا۔

رومہ اقوام کو تمدن کر دیتا تھا | اس عظیم الشان شہنشاہی کے اندر مختلف اقسام کے لوگ

آباد تھے، جو نسل، زبان، رسم و رواج، مذہب، ہر شے میں باہم مختلف تھے۔ رومہ کا اصول سلطنت یہ تھا کہ اس کی رعایا جوں جوں صلاحیت حاصل کرتی جاتی تھی، وہ اپنے تمدن کا جامہ اسے پہناتا جاتا تھا۔ کوئی نیا صوبہ جو نہی مسخر کیا جاتا، اس کے باشندوں میں رویت پیدا کرنے کی کوشش شروع کر دی جاتی۔ رویت و تمدن آفرینی کا یہ عمل سلسلہ میں تقریباً ختم ہو گیا، جب شہنشاہ کریکلانے یہ فرمان جاری کر دیا کہ ملک کے تمام آزلو باشندوں کو رومہ کے شہری حقوق حاصل ہیں۔ مختلف

صوبوں کے باشندوں میں بے قسب سخت اختلاف مراتب تھا، تاہم یہ سب کے سب رومی تمدن کے عناصر سے آشنا تھے، اور چونکہ رومیت پیدا کرنے کے موثرات و عوامل کثرت سے تھے، یہ سب اسی جانب بڑھ رہے تھے، جہاں تک خود رومہ پہنچ چکا تھا۔

باشندوں کے طبقات | ملک کے باشندے چار طبقتوں میں تقسیم تھے، غلام، عوام،

خرفا، و عائد۔ لیکن ان میں خود اندرونی طور پر بہت فرق ملج قائم تھا۔

غلام | غلاموں کی حالت تدریجاً بہتر ہو رہی تھی۔ ملک میں یہ عام دستور ہو گیا، کہ ان کو بھرتی کر کے کسی زمین سے منسلک کر دیتے، جس سے یہ غلام نہ ہو سکتے، اور جس کے ساتھ یہ بھی خرید و فروخت ہوتے رہتے۔ اس کے علاوہ آقاؤں کو ان کی جان لینا، یا انہیں ان کے بیوی بچوں سے جدا کرنا ممنوع ہو گیا تھا۔

عوام | عوام کے طبقے میں عام آزاد افراد شامل تھے، خواہ چھوٹے معافی دار ہوں، خواہ دکاندار، یا مزدور یا اہل حرفہ معافی داروں کی تعداد کم ہوتی جاتی تھی، ان کی معافیاں اضافہ ٹیکس کے سبب سے بیکار ہو رہی تھیں، اور وہ یا تو پٹہ دار بنتے جاتے تھے، یا شہروں کو بھاگ رہے تھے۔ شہروں اور قصبوں کے اکثر باشندے جن پر عوام کا اطلاق ہوتا، آزاد تھے لیکن ان کے کوئی سیاسی حقوق نہ تھے۔

شرفا جن لوگوں کے پاس ۲۵ ایکڑ زمین ہوتی تھی، وہ شرفا کہلاتے تھے۔ ٹیکس کی تحصیل ان کے ذمہ تھی، اور عہدہ دار یہی ہوتے تھے۔

عمائد عمائد کی تعداد میں برابر اضافہ ہوتا جاتا تھا، اسلئے کہ لوگ اس طبقے میں برابر شہنشاہ کی عنایت سے شریک کئے جاتے تھے۔ یہ اعزاز موردنی ہوتا تھا۔ ان کے پاس سب سے زیادہ قطععات اراضی تھے، اور اس لئے یہ ملک میں سب سے زیادہ متمول تھے۔ ان کے ساتھ مخصوص رعایتیں جوں جوں بڑھتی جاتی تھیں، شرفا کی حالت زبوں ہوتی جاتی تھی۔

ٹیکس فوج، دربار، اور کثیر التعداد صیغہ دار ملازموں کیلئے جو دفتری طرز حکومت کے لئے لازمی ہوتے ہیں، بادشاہ کو بہت روپیہ کی ضرورت رہا کرتی تھی، اس کے لئے طبع طرح کے ٹیکس نکالے گئے۔ یہ ٹیکس انخاص، زمین، تجارتی مضافات، نئی جائداد کے وارثوں، نو آزاد غلاموں، اور تاجروں کی مقدار فروخت سب پر عائد ہوتے تھے۔ پکوں، سڑکوں، گھاٹوں، شہر پناہ کے پھاٹکوں، سب پر چنگی لی جاتی تھی۔ پھر ان سب کے علاوہ کچھ مخصوص ٹیکس بھی تھے مثلاً فوج کے لئے رسد، لباس، مکانات کی بھر سائی، شاہی ضروریات کے لئے گھوڑوں کی بھر سائی اور سڑکوں، پکوں، اور عبادت گاہوں کی مرمت، وغیرہ۔ سب سے بڑھکر خود عمال کی بددیانتی تھی، جو اکثر گراں قدر سکاری، رقوم سے

بھی کہیں زیادہ وصول کر لیتے تھے۔

ان حالات کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ ملک دیوالیہ ہو جائے۔
 اوّل اوّل یہ مصیبت شہروں پر آئی۔ اور چونکہ عمائد اہل فوج،
 اہل کلیسا، و اساتذہ خطابت، اکثر ان ٹیکسوں سے مستثنیٰ تھے،
 اس لئے سارا بار شرفا کے سر آ پڑا اور چونکہ وصول کی ذمہ داری
 انہیں پر تھی، اس لئے انہیں جبر و تعدی سے کام لینا پڑا۔ بالآخر
 جب یہ لوگ بھی دیوالیہ ہو گئے اور مزید ٹیکس نہ دے سکے۔ تو
 انہوں نے اس طبقہ سے نکلنا چاہا۔ بعض ان میں سے عمائد
 کے درجہ تک پہنچ گئے۔ مگر اکثر یا تو غلام بن گئے یا فوج یا کلیسا
 میں داخل ہو گئے۔ شہنشاہوں نے یہ حالت دیکھ کر اسے روکنا
 چاہا، اور جس شریف کو گرفتار کر لیا، اسے پھر اپنی اصلی حالت
 پر رہنے کو مجبور کر دیا۔ اب شرفا کے لئے اپنے مرتبہ کا تغیر قانوناً
 ممنوع قرار پا گیا، لیکن با اینہم بہتوں نے اپنی اراضی کسی
 امیر ہمسائے کے حوالہ کر دی، اور پھر اس سے اسی اراضی کیلئے
 پشہ حاصل کیا، اور بعض خدمات کا وعدہ کیا۔ یہ سب
 زمانہ مابعد کی جاگیر داری سے بالکل مشابہ تھی۔

چوتھی صدی عیسوی میں گال (یعنی فرانس) اور برطانیہ
 پر کلٹ قابض تھے۔ مسیح سے چار پانچ صدی قبل یہ مشرق میں
 وہاں تک پھیلے ہوئے تھے جس کی شمالی سرحد دریائے دوسر
 ہے۔ اور وسطی یورپ کا بہت سا علاقہ انہیں کے قبضے میں
 تھا۔ اس کا ثبوت اس امر سے ملتا ہے، کہ لفظ بوہمیا

ماخوذ ہے ہوئی ہے، جو کلٹی باشندوں کا نام تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ جرمنوں کے مقابلے میں کلٹوں نے پسپا ہونا شروع کیا، تا آنکہ دریائے راین و دو کے درمیان حد فاصل رہ گئی۔ کلٹوں کی کوئی ایک متحد قوم نہ تھی، بلکہ یہ لوگ مختلف قبائل میں تقسیم تھے ہر قبیلے کی علیحدہ حکومت تھی، جو خواص پر مشتمل رہتی تھی۔ رعایا کے ساتھ مثل غلاموں کے برتاؤ ہوتا تھا، اور حکومت میں اس کا کوئی حصہ نہ تھا۔ امرا کے دو حصے ہوتے تھے دینی و دنیوی۔ امرائے مذہبی کے لئے ڈرویڈ کا لقب تھا، جن کے ہاتھوں تمام قربانیاں انجام پاتی تھیں، اور جن کے ہاتھ میں تمام معاملات کا آخری قطعی فیصلہ رہتا تھا۔ ان کی زبان قانون تھی، جس کی خلاف ورزی سے اس شخص سے تقریباً بالکل مقاطعہ کر لیا جاتا یہ بہت سے دیوتاؤں کو مانتے تھے اور ان کی آگے انسانی قربانیاں کرتے تھے۔

کلٹوں کے جسم نہایت بلند بالا و مضبوط و خوبصورت ہوتے تھے، جیسا کہ رومہ کے مشہور مجسمہ ”لب مرگال“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ لوگ بڑے بہادر و جری لڑنے والے تھے، اور موسیقی کے شائق، خصوصاً اس جنگی موسیقی کے جس کے ساتھ یہ میدان جنگ میں جاتے تھے، خطیبانہ تقریروں سے یہ بہت متاثر ہوتے تھے، اور شعر و سخن کے رسیا تھے۔ ان کی زبان بہت ترقی یافتہ اور ہر قسم کے اظہار خیالات و جذبات کی متحمل تھی۔ شوخ و خوشنما رنگ انہیں بہت پسند تھے، لیکن

بجائے جذبات و احساسات میں پائیداری کے ان کی اصل شہرت ان کی زندہ دلی کے باب میں تھی۔ ان کی طبیعتیں، شوخ، چلبلی، اور بیچین تھیں اور اپنے سرداروں کے ساتھ یہ انتہائی خلوص و عقیدت رکھتے تھے۔ ساتھ ہی ان میں تلون بھی تھا، اور مصیبت کے بعد بہت جلد بد دل ہو جاتے تھے۔ قرون وسطیٰ کی ابتدا میں گال و برطانیہ جن کھٹوں کے زیر نگین تھے، وہ گویا بالکل رومی ہو گئے تھے، اپنی زبان بھلا کر انہوں نے لاطینی اختیار کر لی تھی، اور ان کے اکثر شہر ایسے تھے جن میں رومی مذاق کے موافق مندر حمام، ٹھٹھیر وغیرہ ہر شے موجود تھی، البتہ آئرلینڈ، ویلز، و اسکاٹ لینڈ کے کھٹ اب تک بدستور وحشی تھے، اور رومہ کے دشمن۔

قرون وسطیٰ کی ابتدا میں جرمن، اسکیٹینیویا اور تقریباً تمام علاقہ مابین راین و وچولا و ڈینیوب پر قابض تھے۔ سنر وٹیکٹس کے زمانہ سے، جو جرمن مصنفین ہیں سب سے پہلے شخص ہوئے ہیں، جنہوں نے جرمنوں پر توجہ کی، اب ان لوگوں کی حالت بہت کچھ تبدیل ہو گئی تھی۔ بعض قبائل نے اپنی سکونت بدل دی تھی، نئے نئے قبائل پیدا ہو گئے، جو نئے نئے ناموں سے موسوم ہو گئے تھے۔ گوٹھوں نے وچولا کو چھوڑ کر علاقہ مابین بحر اسود و جنوبی ڈینیوب میں توطن اختیار کر لیا تھا اور دوسرے قبائل بھی اسی جانب نقل و حرکت کر رہے تھے۔ جرمن دیگر قبائل شہنشاہی کی ساری شمالی سرحد پر فراہم ہو رہے تھے،

اور بربری یورش کا خطرہ روز بروز بڑھتا جاتا تھا۔

ٹیکٹس کہتا ہے۔ کہ جرمنوں کی تین بڑی تقسیمیں تھیں، ایک انگیوونس، جو سمندر کے متصل رہتے تھے، دوسرے ہرمیونس، جو وسط میں رہتے تھے، اور تیسرے اسٹیوونس، جو باقی علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اب تینوں قبیلوں کے نام علی الترتیب فرینگ، ایلامنی، ویکسن، ہو گئے تھے۔ لیکن ٹیکٹس کے بتائے ہوئے قبائل تمام جرمنوں پر مشتمل نہ تھے، بلکہ یہ صرف وہ لوگ تھے، جو مغربی جرمن کہلاتے ہیں۔ ان کے علاوہ شمال میں ڈین، مانارویجی و سویڈی تھے، اور مشرق میں گوٹھ، ونڈال، وغیرہ۔

جرمنوں کا نظام حکومت جمہوری تھا۔ ملک کے عناصر ترکیبی یہ تین تھے۔۔۔ کل قبیلہ، ضلع، موضع موضع کے متعلق تمام امور کا تقفید موضع کی پنچایتوں میں ہوتا تھا، جس میں تمام آزاد اشخاص شریک ہوتے تھے، اور اسی طرح ضلع و قبیلہ کے معاملات کا فیصلہ ضلع و قبیلہ کے مجالس شورلی کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ معاشرتی حیثیت سے باشندوں کے تین درجہ تھے، امرا، شرفا، و غلام۔ امرا کو کچھ زیادہ حقوق حاصل تھے، لیکن مجالس شورلی میں امیر و شریف کی رائے مساوی وزن رکھتی تھی۔

جرمنوں میں ایک دستور یہ بھی تھا کہ بڑے بڑے آزمودہ کار سورماؤں کے گرد، جو استاد کی مرتبہ پر پہنچے ہوتے تھے، نوجوانوں کی ایک جماعت بہ طور شاگردوں کے لگی رہتی تھی، جو ہر فہم و ہر محرکہ میں ساتھ رہتی۔ جس استاد کے جتنے زیادہ شاگرد ہوتے،

اسی قدر اس کے لئے باعث فخر و امتیاز ہوتا، اور اس کی شان و اقتدار میں اضافہ ہوتا۔ استادى و شاگردى کا یہ تعلق تراضى طرفین کی بناء پر قائم رہتا تھا۔ اور فریقین میں سے کسی ایک کی خواہش پر منقطع ہو سکتا تھا۔

جرمنوں کا مذہب ایک طرح کی فطرت پرستی تھی۔ درخت! غار، وغیرہ عظیم الشان مظاہر فطرت ان کے معبود تھے، ان میں کوئی خاص مذہبی ذات نہ تھی۔ ان کا ذریعہ معاش گلہ بانی، کاشتکاری، و صید اگنی تھا۔ محنت مزدوری کے کام غلاموں اور عورتوں کے سر تھے۔ شہر کی گنجان آبادیوں سے ان کو سخت گریز تھا۔ گاؤں میں ان کے مکانات ایک دوسرے سے فاصلہ پر رہتے تھے، اور ان کی آبادی بکھری ہوئی ہوتی تھی۔ رومن ان کے قد و قامت، جسمانی طاقت، ان کے چہروں کی سرخی، اور ان کے بالوں کے ہلکے رنگ سے خاص طور پر متاثر ہوتے تھے۔

ان میں چند شدید عیوب بھی تھے، مثلاً جنگجوئی، بادہ نوشی، قمار بازی۔ قمار بازی کی لت ان میں اس درجہ بڑھی ہوئی تھی، کہ جب ساری جائیداد ہاتھ سے نکل جاتی، تو یہ اپنی بیوی بچوں تک کو داؤں پر لگا دیتے، اور جب یہ بھی ہار بیٹھتے، تو خود اپنے تئیں بازی پر لگا دیتے۔ ساتھ ہی ان میں محاسن بھی تھے، جن میں سب سے زیادہ نمایاں ان کی خصوصیت ایفاء عہد تھی، انہیں اپنی بات کا اس قدر خیال رہتا، کہ جب یہ قمار بازی میں

اپنے تئیں ہار بیٹھتے ، تو بے تامل اپنے جدید آقا کی غلامی کرنے لگتے ۔

جرمنوں کے مشرقی علاقہ سے لے کر روس تک توہم سلان آباد تھی ۔ جرمن جب مغرب و جنوب کی جانب ہٹنے لگے ، تو سلافلوں نے بھی نقل و حرکت شروع کی ، اور ان کی جگہ آباد ہونے لگے ۔ یہاں تک کہ مغرب میں اِلب کے ساحل تک پہنچ گئے ، اور گویا اِلب و نیپیر کے مابین سارے علاقہ پر متصرف ہو گئے ۔ موجودہ پروشیا ، سیکسی ، و بومہیا کا اکثر حصہ سلائی ہو گیا ۔

جرمنوں و کلٹوں کی طرح سلائی بھی متعدد قبائل میں منتشر تھے ، جن میں کوئی باہمی سیاسی ربط نہ تھا ۔ ان کے ہاں ایک طرز کی شیونخی حکومت قائم تھی ، اور اتنا تو بہر حال یقینی ہے ، کہ بزرگان قبیلہ کا بے انتہا احترام ہوتا تھا ، جن کی رائے تمام معاملات انتظامی میں اہم و مقدم سمجھی جاتی تھی ۔ شروع شروع سلافلوں میں امرا کی کوئی جماعت نہ تھی ، بلکہ جنگ ہونے پر یہ ہر وقت اپنا سردار منتخب کر لیتے تھے ، اور جہیز کا ان کے ہاں اتنا زور تھا کہ کوئی شاہی خاندان نہ پیدا ہو سکا ۔

ان کا مذہب بت پرستی تھا ۔ ان کے جو پر وہت ہوتے تھے ان سے ہر سیاسی و مذہبی معاملے میں رائے لی جاتی تھی ۔ ان کے قد و قامت نہایت بلند تھے ، بلکہ رومی ان کی جسامت سے

خائف ہی رہتے تھے۔ لیکن با اینہم ان میں جنگجوئی بالکل نہ تھی، اور ان کی کبھی فاتحانہ حیثیت نہیں رہی۔ چنانچہ اپنے جزائی خصوصیات کی بناء پر یہ ہمیشہ صلح و امن کے ساتھ کانٹاکا و گلہ بانی میں مشغول رہے۔ ان میں قومیت کا احساس نہ تھا، اس لئے یہ آسانی سے دوسری قوموں میں جذب ہو جاتے تھے، چنانچہ نویں صدی کے بعد سے ان کی بڑی تعداد جرمن بننے لگی۔

نویں صدی میں سلاوؤں کی ایک اور شاخ مسمی بہ لٹ تاریخی وجود میں آئی۔ اول اول انکا پتہ بالٹک کے ساحل پر چلتا ہے، و سچلا سے لیکر نین کے کچھ آگے تک۔ یہ دو ٹکڑوں میں تقسیم تھے، اہل لتھونیا و اہل پروشیا۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ امتداد زمانہ سے آج سب سے زیادہ مشہور جرمن قوم اس غیر جرمن قوم (اہل پروشیا) کے نام سے مشہور ہے۔

مذکورہ بالا انڈو یورپین اقوام کے علاوہ کچھ اور قبائل بھی آباد تھے، جنہیں تورانی، یا قبیلہ ترکی، کہا جاتا ہے۔ ان کا مستقر شمالی اسکیٹینیویا، اور روس کے شمالی، شمال و مغربی اور مشرقی علاقے تھے۔ یہ قوم مشتمل تھی، فن، لیب، استھونی، یونی، اگری، شود، برمی، میکیر و ہن وغیرہ قبائل پر۔ ان کا تعلق منگول ترکوں سے تھا اور قرون وسطیٰ میں بجائے اس کے کہ ان سے تمدن کو کچھ ترقی ہو، یہ ہمیشہ تخریب ہی کے درپے رہے

اقوام و قبائل کی جو تقسیم باب ہذا میں کی گئی ہے یہ محض لسانی حیثیت سے ہے۔ علمائے لسانیات نے اول اول یونانیوں، رومیوں، کلتوں، جرمنوں، سلاووں، لٹوں، ایرانیوں، اور ہند قدیم کے باشندوں کی زبانوں میں تشابہ دریافت کیا، اور اس تشابہ السنہ کی بناء پر ان سب کو ایک قوم قرار دیا۔ اور یہ قیاس قائم کیا کہ جب زبان مشترک ہے، تو لامحالہ قوم بھی مشترک ہوگی۔ لیکن موجودہ علمائے علم الانسان و علم الاقوام اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے، اور کہتے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے، گو زبانیں متحد الال ہوتی ہیں، لیکن قومیں متحد الاصل نہیں ہوتیں۔ بلکہ ان علمائے اشتراک و اتحاد قومیت کی کچھ اور ہی معیار قائم کی ہے۔

باب (۱)

شہنشاہی، کلیسا، اور جرمنوں کی پوش

رومی سلطنت میں آگسٹس نے جو تغیرات کئے، اُن سے کوئی دو سو سال تک نہایت مفید نتائج پیدا ہوتے رہے، یہاں تک کہ پہلی صدی کے بدترین فرماں رواؤں کا زمانہ بھی جمہوریت کے آخری ایام سے غالباً بہتر ہی ہوا ہے۔ سلاطین کے ہند میں بحری و بری ڈاکوؤں اور قزاقوں کا استیصال ہو گیا، پولیس کے اعلیٰ انتظام سے امن قائم ہو گیا، اور سفر میں خطرہ نہیں رہا؛ شہر کیوں ملک میں اس سرے سے اُس سرے تک جاری ہو گئیں جن سے تجارت کی راہ میں بہت سہولتیں پیدا ہوئیں؛ فصل خصوصیات میں عدل و انصاف ملحوظ رکھا جانے لگا؛ اور حکومت اپنے فرائض نہایت قابلیت سے انجام دینے لگی۔

یہ حال پہلی صدی کے فرمانرواؤں کا تھا۔ دوسری صدی کے تاجداروں نے یہی نہیں، کہ ہر شعبہ میں فرید ترقی و اصلاح کو جاری رکھا، بلکہ ہر حیثیت سے سلطنت کی فلاح و بہبود میں سعی رہے۔ لیکن سلسلہ میں مارکس آیلین کی وفات سے ان دانشمند سلاطین کا خاتمہ ہو گیا، سلطنت کی مرفہ الحالی کا زمانہ ختم ہو گیا، اور اب تقریباً سو برس تک سخت ابتری و شورش کا دور دورہ رہا۔ ولی عہدی کا جو اصول مقرر کر دیا گیا تھا، اس پر بھی اکثر عمل نہیں ہوا۔ ایک مرتبہ یہ ہوا، کہ فوج نے تاج کو گویا فروخت کرنا شروع کیا، اور یہ قرار دیا، کہ جو سب سے زیادہ قیمت دیگا، یہ اس کے چھٹے میں آئیگا۔ ایک اور موقع پر یہ ہوا، کہ ایک ہی وقت میں ۱۹ مختلف اشخاص نے ملک کے مختلف مقامات میں لقب شاہی اختیار کر کے فرماں روائی شروع کر دی۔ تیسری صدی میں اکثر سلاطین کی موتیں کسی حریف کی شمشیر سے ہوئیں، اور تخت سلطنت کے لئے جنگ و جدل گویا ایک جائز دستور قرار پا گیا۔

ڈاؤ کلیٹین نے اس بد نظمی کو دور کرنے کے لئے یہ چاہا، کہ ولیعہدی کے لئے ایک خاص قانون مقرر کر دے، جس سے سلاطین کی جانیں بھی محفوظ ہو جائیں۔ اس نے یہ قرار دیا، کہ بجائے ایک کے دو بادشاہ ہوا کریں، اور ہر ایک کا ایک مددگار ہو، جس کا لقب قیصر ہو۔ دونوں سلاطین ۲۰ سال تک

فرمان روائی کے بعد دستکش ہو جایا کریں، اور ان کے جانشین ان کے ماتحت قیصر ہوا کریں، جو اپنی مددگاری کے لئے دو اور قیصروں کا انتخاب کریں۔ ان چاروں فرمان رواؤں، یعنی دونوں بادشاہوں اور دونوں قیصروں کی حفاظت جان کے لئے اس نے یہ قرار دیا، کہ یہ رعایا کی نظروں سے بالکل اوجھل اور غلط رہا کریں۔ اور ان کے گرو مشرقی سلاطین کا سادربار رہا کرے۔ حکومت میں مرکزیت زیادہ پیدا ہو، سنیت کا رہا سہا اقتدار بھی اس سے چھین لیا جائے، اور سلطنت کے بڑھے ہوئے اخراجات کے لئے خرید ٹیکسوں کا اضافہ ہو۔ ڈایوکلیٹین کے اس انتظام کو کامیابی ہوئی، مگر بہت قلیل۔ ۳۰۰ء میں ڈایوکلیٹین و میگزیمن کے استعفا کے بعد خانہ جنگی شروع ہوئی، جس سے قسطنطین کو فرمان روائے واحد ہوجانے کا پورا موقع مل گیا۔ لیکن قسطنطین نے گو ڈایوکلیٹین کے نظام عمل کے جزو اہم کو قبول نہیں کیا، تاہم اس نے سلاطین سابق کی سادگی کو خیرباد کہہ کر دربار میں خوب شان و شوکت پیدا کی، اور حکومت کے مصارف میں اضافہ کیا۔

اس صدی کے سلاطین میں متعدد ایسے تھے، جو وحشی قبائل سے تعلق رکھتے تھے، جنہیں رومہ کا مطلق لحاظ نہ تھا۔ اس لئے وہ ضرورتاً اور بلا ضرورت بھی، اپنے وقت کا بیشتر حصہ سرحد پر یا بیرونی علاقوں میں صرف کرتے تھے۔ جب ڈایوکلیٹین و میگزیمن نے سلطنت تقسیم کی، تو مشرقی فرمانروانے

نکومیدیا کو، اور مغربی تاجدار نے میلان کو اپنا مستقر قرار دیا۔ قسطنطین نے متعدد مصالح کی بناء پر، بازِ نظم کا انتخاب کیا، اور اُسے وسعت دے کر اور قلعہ بند کر کے اس کا نام قسطنطنیہ رکھا۔ رومہ کو اب تک جو رونق و شان، بہ حیثیت دارالسلطنت کے حاصل تھی، اس میں اس سے بہت فرق آگیا، اور اب یہ اعزاز رومہ جدید یعنی قسطنطنیہ کے حصہ میں آگیا۔

مسیحیت کو ایک جائز و غیر ممنوع مذہب تسلیم کر لینے سے قسطنطین نے مسیحیوں کو اپنے احسان کا گرویدہ کر لیا۔ اس کے پیشو قدامت پرست سلاطین ہر جدید مذہب سے خائف رہتے تھے، اور مسیحیوں کی مجلسوں کو سلطنت کے لئے خطرناک سازش گاہیں تصور کرتے تھے۔ اسی خیال سے انہوں نے مسیحیت کی اشاعت شروع سے نا جائز قرار دے رکھی تھی، یہاں تک کہ لفظ ”مسیحی“ کا زبان سے نکالنا بغاوت کا مراد قرار پا گیا تھا۔ اور کسی کا مسیحی ہونا سزائے موت کا مستوجب ہوتا تھا۔ عموماً حکومت کا برتاؤ تو مسیحیوں کے ساتھ نرمی کا رہا تھا، لیکن جمہور رعایا کے ہاتھوں انہیں سخت شائد براشت کرنا پڑتے تھے، اس لئے کہ ساری آفات و مصائب کا اصلی باعث انہیں کو قرار دیا جاتا تھا پہلی تین صدیوں میں ان پر متعدد بار تعدیوں کا سلسلہ شروع ہوا، لیکن ان کا اثر عموماً خاص خاص مقام تک محدود رہا کیا۔ لیکن سلسلہ میں ڈیوکلینین نے اپنے نائب قیصر کیلیئرئیس کے اغوا میں آکر مسیحیوں پر باضابطہ ایک شدید تعدی کا آغاز کیا،

جس کا مقصد یہ تھا کہ اس جدید مذہب کا بالکل استیصال کر دیا جائے۔ ”تمام کلیسا سہار کر دئے جائیں، انجیل کے تمام نسخہ جلا دئے جائیں، تمام مسیحی سرکاری مناصب و ملکی حقوق سے یکسر محروم کر دئے جائیں، اور سب دیوتاؤں کے آگے نذر چڑھانے پر مجبور کئے جائیں، ورنہ قتل ہوں“ یہ قتل عام ۸ سال تک جاری رہا، لیکن آخر میں کیلیبریں کو بھی تسلیم کرنا پڑا، کہ مسیحیوں کا استیصال اس کے بس کی چیز نہیں، اور بالآخر ان کے لئے ایک عام معافی نامہ شائع کرنا پڑا۔

دو سال بعد قسطنطین نے رواداری کا ایک قدم اور آگے بڑھایا، اور یہ فرمان جاری کر دیا، کہ مسیحیوں کی جتنی جائیدادیں ضبط کرنی گئی تھیں، وہ انہیں واپس کر دی جائیں۔ قسطنطین نے اپنا طرز عمل یہ رکھا، کہ مسیحیت کو فروغ دیا جائے۔ ۳۱۳ء میں اُس نے کتھولک پادریوں سے اکثر سخت سیاسی فرائض ساقط کر دیے۔ ۳۱۳ء میں اس نے کلیسا کے بعض ٹیکس معاف کر دئے۔ ۳۱۶ء میں غلاموں کی آزادی کا جو دستور کلیسا میں جاری تھا۔ اسے جائز قرار دے دیا۔ ۳۲۱ء میں کلیساؤں کو حصول ترکہ کی اجازت مل گئی۔ ۳۲۳ء میں اس نے وہ قاعدہ منسوخ کر دیا، جس سے مسیحیوں کو مشرکانہ عبادت و مراسم میں جبراً شرکت کرنا پڑتی تھی، ۳۲۳ء تک سیکوں پر دیوتاؤں کی تصویریں ہوتی تھیں، اس سنہ کے بعد صرف کچھ علامات رہ گئیں۔ لیکن گو قسطنطین نے مسیحیت کے ساتھ ہمدردی کی، تاہم اس کا یہ مطلب نہیں، کہ اس نے شرک و بت پرستی کی کبھی

مخالفت کی ہو۔ بلکہ اپنے مذہب کے سب سے بڑے پرہیزگار
عہدہ پر وہ اب تک قائم رہا، اور اس کے فرائض برابر انجام دیتا
رہا۔ اور صرف یہی نہیں، بلکہ ^{۳۲۱}سلسلہ میں اس نے یہ فرمان جاری
کیا، کہ تمام عہدہ دار خال دیکھ کر کام کیا کریں۔ اس سے بھی بڑھ کر
^{۳۲۲}سلسلہ میں اس نے اجازت دے دی کہ اس کے نام پر مندر
تعمیر ہو، اور اس میں خود اس کی پرستش کی جائے۔ چنانچہ اسکی
وفات کے بعد اُسے ڈیوس کا لقب عطا ہوا، اور اس کا شمار
دیوتاؤں میں ہونے لگا۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ
قسطنطین کے قبول مسیحیت کی جو اس قدر شہرت دی جاتی ہے،
اس کا مقصد محض سیاسی تھا، نہ کہ مذہبی۔ اس کی اصل غایت
یہ تھی، کہ کلیسا متحد رہے، اور اسے وہ اپنے فرماں روا یا نہ اغراض
و مقاصد کے حصول کا آلہ بنائے۔ اس نے مسیحیت کو سرکاری مذہب
نہیں بنایا، البتہ اسے جائز ضرور قرار دیا۔ باقی صرف مسیحیت ہی کو
تنہا جائز مذہب قرار دینا، اور شرک و بت پرستی کو ممنوع قرار دیدینا،
اور اعتزال و بیدینی پر تشدد کرنا، یہ کام گریگورین (۳۵۰ء تا ۳۵۹ء)
اور تھیوڈوسیوس (۳۷۹ء تا ۳۹۱ء) کا تھا۔ ان ماجداروں نے یہ
حکم جاری کر دیا، کہ حقوق شہریت کے اہل صرف راسخ الاعتقاد
مسیحی ہی ہیں۔

^{۳۳۱}سلسلہ میں اپنی وفات سے چند روز قبل قسطنطین نے
اپنی سلطنت اپنے چاروں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی۔ جنہوں
نے بہ کمال بغیر قی آپس میں خانہ جنگی اور اپنے اعزہ کو قتل کرنا

شروع کر دیا۔ تاآنکہ کوئی دعویدار سلطنت باقی نہ رہا، بنی عمام میں سے ایک جولین البتہ زندہ بچ رہا، جو ۳۶۱ء میں شہنشاہ ہوا۔ اس کی تربیت مشرک اتالیقوں کے زیر نگرانی ہوئی تھی اس لئے اُسے شرک و بت پرستی سے شیفٹنگی تھی۔ اسی کے ساتھ اُسے جن لوگوں نے ہدفِ مظالم بنا رکھا تھا، وہ صرف اس کے مسیحی اعزہ تھے، اس خیال نے اُسے مسیحیوں کا اور دشمن بنادیا۔ اس لئے جب وہ تخت نشین ہوا، تو اس نے مسیحیت کے استیصال اور اس کے بجائے بت پرستی کی ترویج کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش سراسر ناکام رہی اور اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہوا، کہ مسیحیوں کو اس سے نفرت ہو گئی، اور ان کے ہاں سے اُسے ”مرتد“ کا لقب ملا۔

ڈیوکلٹین کی تجویز بے شبہ ناکام رہی تھی، تاہم یہ اب بالکل قطعی طور پر ثابت ہو گیا تھا، کہ تنہا ایک شخص شہنشاہی کا کام نہیں انجام دے سکتا۔ تقسیم سلطنت کی متعدد ناکام کوششوں کے بعد تھیوڈوسیوس اعظم نے یہ وصیت کی، کہ اس کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا مشرقی علاقہ کا فرماں روا ہو، اور قسطنطینیہ کو اپنا مستقر حکومت قرار دے، اور دوسرا لڑکا ہنورس مغربی علاقہ کا تاجدار ہو، اور میلان کو اپنا دارالحکومت رکھے۔ اس کا صاف نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، لیکن اُس وقت کسی کا اس نتیجہ کی طرف ذہن ہی منتقل نہ ہوا۔ اُس وقت لوگ یہ سمجھے کہ صرف فرائض سلطانی کی تقسیم ہو گئی

یہ کہ سلطنت تقسیم ہوگئی، بلکہ سلطنت تو ان کے خیال میں تقسیم ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس تقسیم عمل کے باوجود پانچویں صدی میں مصیبتوں اور شکستوں کا ایک تسلسل رہا۔ سلاطین اس عرصے میں عموماً نا اہل ہوتے رہے، جو ہمیشہ کسی نہ کسی چلتے ہوئے نیم وحشی جرمن مہاجر کے ہاتھ میں کھٹ پتلی بنے رہتے تھے۔ اس کے بعد متعدد اسباب ایسے پیش آئے، جن سے مغربی تاجدار معزول ہوا، اور مشرقی و مغربی سلطنتیں بڑے نام ایک فرماں روا کے زیر نگین متحد ہو گئیں۔ پانچویں صدی میں رومی فوج جن افراد سے مرکب تھی، وہ عموماً جرمن خانہ بدوش کرایہ کے سپاہی تھے؛ کچھ روز کے بعد انہوں نے مطالبہ شرح کیا، کہ ہمیں آباد ہونے کے لئے زمینیں دی جائیں۔ سلاطین میں جب رومنس آگسٹس کم سنی میں تخت نشین ہوا، اور اصلی قوت اس کے والد آرسٹس کے ہاتھ میں رہی، تو جرمن سپاہیوں نے شدید مطالبہ کیا، کہ اٹلی کا ایک ثلث ہمیں دیدیا جائے۔ آرسٹس نے اس مطالبہ کے تسلیم کرنے سے انکار کیا۔ سپاہیوں نے اب علم بغاوت بلند کیا، اور ایک منچلے سورما اڈو دیکر کے زیر سرکردگی اپنے حق کو بہ زور فتنہ پھیلانے لگے۔ جنگ برپا ہوئی، آرسٹس معرکہ میں کام آیا، کم سن بادشاہ گرفتار کر لیا گیا اور سینٹ کے سامنے اُسے تخت سے دست بردار ہونا پڑا۔ سینٹ نے اڈو دیکر کے حسب ایما زینو سلطان قسطنطنیہ کو اس مضمون کا خط لکھا، کہ یہاں یہ واقعات پیش آئے، اور ہماری

رائے میں صرف ایک فرماں روا تمام سلطنت پر حکمرانی کے لئے کافی ہے، اس لئے التماس ہے کہ آڈو ویکر کو اٹلی کا صوبہ دار مقرر کیا جائے۔ کچھ روز کے بعد زینو نے اس درخواست کو منظور کیا اور اس طرح سلسلہ میں پھر ساری سلطنت متحد ہو کر برائے نام ایک فرماں روا کے زیر نگیں آگئی، جس کا مستقر قسطنطنیہ رہا۔ لیکن عملاً مغرب کے اکثر علاقوں میں شہنشاہ کی مطلق فرماں روائی نہ تھی۔ بعض بہترین صوبوں میں جرمن قابض تھے، جنہوں نے حملہ آور ہو کر وہ علاقے مسخر کر لئے تھے، اور وہاں اپنی آبادی اور اپنی نیم وحشیانہ حکومت قائم کر لی تھی۔

جرمن جو پہلے مضافات ہانگ میں دریائے راین کے مشرق میں آباد ہوئے تھے، رفتہ رفتہ مغرب و جنوب کو منتقل ہوئے تھے، جس سے راین و ڈینیوب کی طرف کی سرحدوں کو ان کی طرف سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ دوسری اور تیسری صدی میں یہ لوگ شہنشاہی کے اکثر علاقوں کو تاخت و تاراج کرتے رہے۔

ایشیائے کوچک، جزیرہ نمائے بلقان، و مشرقی علاقہ گال خصوصیت کے ساتھ ان کی زد میں رہے۔ سلسلہ میں ہنوں نے مغربی گوتھوں پر حملہ کیا، یہ لوگ ایک لاکھ کی تعداد میں اپنی جان لے کر بھاگے، ڈینیوب کو عبور کیا، اور شہنشاہ سے التجا کی کہ انہیں آباد ہونے کے لئے زمین عطا ہو۔ شہنشاہ نے ان کی التجا قبول کی، ڈینیوب کے جنوب میں انہیں جگہ دی، انہیں اپنے سایہ عاطفت میں لیا، اور ان میں سالانہ تقسیم غلہ کا

وعدہ کیا۔ ان کے اسلحہ انہیں کے پاس رہے ، اور اس کے معاوضہ میں انہوں نے قیام امن کے لئے ضمانتیں داخل کیں ، اور یہ عہد کیا ، کہ ضرورت کے وقت رومی فوج کے لئے سپاہی دینگے۔ لیکن باوجود اس تمام عہد و پیمان کے رومی حکام نے کچھ عرصے کے بعد انہیں ستانا شروع کیا ، یہاں تک کہ سن ۳۹۵ء میں انہوں نے بغاوت کردی ، اور ملک میں لوٹ مار شروع کردی ۔ شہنشاہ والنس فوج لیکر مقابلہ کو بڑھا لیکن اسی سال ایڈریانوپل کے قریب میدان جنگ میں کام آیا ۔ تھیوڈوسیوس " اعظم " نے بہ کمال دانشمندی ان کے ساتھ صلح و آشتی کا برتاؤ شروع کیا ، جس سے چند سال کے بعد یہ اس پر آمادہ ہو گئے کہ جن زمینوں پر یہ پہلے آباد تھے ، وہاں از سر نو واپس آجائیں ۔ لیکن ۳۹۵ء میں ان میں پھر بے چینی پھیلی ، اور اپنے جدید بادشاہ الارک کی زیر سرکردگی انہوں نے علاقہ بلقان کو خوب تہ و بالا کیا ۔ ایلیریا و ٹوریکم میں چند سال قیام کے بعد سن ۴۰۱ء میں انہوں نے آگلی بدورش کی ، اور سن ۴۰۶ء میں رومہ کو سخر کر کے اسے تاخت و تاراج کیا ، اور اسی طرح لوٹ مار کرتے ہوئے سارے ملک پر چھا گئے ۔ اس کے بعد آئندہ موسم بہار میں افریقہ تک پہنچنے کی توقع میں الارک کو سنزرا کے قریب خیمہ زن ہوا ، لیکن یہاں بخار نے اس کی زندگی ختم کردی ، اس کا جانشین اس کا برادر نسبتی اٹھالاف ہوا ، جس نے شہنشاہ سے صلح کر لی ، اور اس کے صلہ میں اس کے ہم قوموں کو

گال و اسپین میں زمینیں عطا ہوئیں۔ چند سال کے جنگ و جدال کے بعد اطمینان نے اپنے ہم قوموں کو ان زمینوں پر آباد کیا۔ آگے چلکر گو یہ لوگ گال سے نکال دئے گئے لیکن اسپین پر ان کا تسلط سلسلہ تک رہا، تا آنکہ مسلمانوں نے انہیں پوری طرح مسخر و مفتوح کیا۔

مغربی گوتھوں کے بعد شہنشاہی پر حملوں کا گویا راستہ کھل گیا۔ سرحد کے استحکامات دفعۃً کمزور پڑ گئے، اور اس طرح شہنشاہی نیم وحشیوں کے حملوں کی بدلت بن گئی۔ سنہ ۴۰۰ء میں ریکٹر، جو مشرقی گوتھوں کے ایک حصہ کا سرغنہ ہو گیا تھا، ۲ لاکھ آدمیوں کو لیکر پینونیا سے اٹلی میں داخل ہوا۔ شمالی علاقوں کی تاخت و تاراج کے بعد افواج شاہی کے ہاتھوں وہ ہلاک ہوا، اور اس کی سپاہ کا قلع قمع ہو گیا۔

سنہ ۴۵۰ء کے موسم سرما میں قبائل ونڈال و سوئی کی ایک سپاہ عظیم نے راین کو عبور کر کے علاقہ گال میں تاخت و تاراج کرتے ہوئے آہستہ آہستہ آگے بڑھنا شروع کیا۔ مگر جنوبی علاقہ گال میں ان کی مٹ بھٹیر مغربی گوتھوں سے ہو گئی، جنہوں نے انہیں پرینینسز تک پھٹنے پر مجبور کر دیا۔ سوئی رفتہ رفتہ شمال و مغرب اسپین میں آباد ہونے پر مجبور ہوئے۔ جہاں انہوں نے ایک ٹوٹی بھوٹی حکومت قائم کی، لیکن بالآخر مغربی گوتھوں کے ہاتھ سے سنہ ۵۵۰ء میں اس کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

وہ حال جب مغربی گوتھوں سے شکست کھا کر جنوبی اسپین میں آنے پر مجبور ہوئے، تو اس کے بعد ۸۰۰۰۰ کی سپاہ جہاز لے کر انہوں نے افریقہ کو طے کیا، اور اس کے زرخیز علاقے اپنے قبضے میں کئے۔ ان کے تاجدار اول گیسرک میں بربریانہ ہوشیاری وزیر کی تھی، اور ساتھ ہی وہ بے رحم و پُر فریب بھی تھا جس کے نام سے لوگ خوف کھاتے تھے، اس نے اپنی قلمرو کے حدود مغربی بحر روم کے جزائر کو مسخر کر کے وسیع کیا، اور ۵۵۰ء میں خود روم پر تاخت کی۔ لیکن اب اس کی قوم آبِ ہوا کے اثر نیز اپنی بے اعتدالیوں کے باعث کمزور پڑ چکی تھی، چنانچہ ۳۳۳ء میں افواج سلطانی اس پر بہ آسانی غالب آگئیں۔

برگندیوں نے تیسری صدی کے وسط میں اپنے وطن سے جو دریائے اوڈر و وسچلا کے درمیان واقع تھا، حرکت کی، اور چند ہی سال میں راین و مین تک پہنچ گئے۔ ۳۱۳ء میں انہیں ورس کا علاقہ عطا ہوا۔ چنانچہ ان کی ابتدائی داستانوں کا میدان یہی ورس کی سرزمین رہی ہے۔ متعدد تغیرات و انقلابات کے بعد شاہی عہدہ دار ایٹیس نے بالآخر ۴۴۳ء میں انہیں جمعیل جینیوا کے جنوب کے علاقے میں منتقل کر دیا، اور وہاں سے یہ اپنے حدود قلمرو کو وسیع کرتے رہے، تا آنکہ ۴۵۳ء میں یہ بحر روم تک پہنچ گئے۔ لیکن ان میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے شمالی ہمسایوں، یعنی فرانکیوں کا مقابلہ کر سکتے، جنہوں نے ۵۳۳ء میں انہیں مفتوح و مسخر کر لیا۔

ایک اور مجموعہ قبائل نے، جسے الامنی سے موسوم کرتے ہیں، بلیک فارسٹ، جنوبی جرمنی، و شمالی سویٹزرلینڈ پر قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن فرنگیوں نے برگنڈیوں کی طرح انہیں بھی جھنے نہ دیا (۱۹۶)۔

ان تمام جرمن یورشوں سے بھی زیادہ خوفناک و وحشیانہ حملے اب ہنوں کے شروع ہوئے۔ چوتھی صدی کے ربع آخر میں انہوں نے جنوب شرقی یورپ پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد عارضی طور پر ان کی رفتار اقدام رک گئی۔ ان میں اتحاد و یک جہتی نہیں رہی، بلکہ مختلف ٹکڑیاں ہو گئیں، اور بعض نے شاہی ملازمت قبول کر لی۔ کچھ عرصے کے بعد انکا ایک نیا سردار روگیلس پیدا ہوا، جس نے ان میں پھر اتحاد پیدا کیا ۳۳۵ء میں اس کی وفات پر اس کے دو بھتیجے، بلیڈا و اٹیلہ جانشین ہوئے، جو مشترک طور پر ۳۸۲ء تک فرماں روائی کرتے رہے۔ اس کے بعد اٹیلہ نے بلیڈا کو قتل کرا ڈالا، اور خود تنہا فرماں روائی کرنے لگا۔ اپنی قوت اور حیلہ سازی سے اس نے وولگا و راین کے تمام بسنے والوں کو متحد کر لیا۔ جرمنوں اور ہنوں کی تعداد کثیر کو لے کر اس نے کتنی بار مشرقی سلطنت کو تاخت و تاراج کیا، بلکہ ایشیائی سرحدوں کو پھانڈ کر آرمینیا، شام، اور وادی دجلہ و فرات میں جنگ جاری کر دی، بلکہ ایران تک اس کی زد میں آگیا۔ ایک مرتبہ خود قسطنطنیہ اس کی زد میں آگیا تھا، اور ایک گرانبہا فدیہ دے کر نجات

حاصل کی۔ ۱۲۵۷ء میں اس نے اپنی توجہ مغرب کی جانب منعطف کی، ایک لشکر جہاز لے کر راین کو عبور کیا، شمالی گال کو تاخت و تاراج کیا، اور جنوب کی طرف بڑھتا چلا جاتا تھا، کہ آرنہیم کے استحکامات کے باعث اسے ذرا رکنا پڑا، مغرب میں عساکر سلطانی کا سپہ سالار ایٹیس تھا، یہ تمام افواج مجتمع کر کے شہر مذکور کے باشندوں کی کمک کے لئے پہنچا۔ ایٹیلانے کیٹلانین میدان کی طرف (جس کا علم موجودہ جغرافیہ کو نہیں) مراجعت کی، اور یہاں ۱۲۵۸ء کے ایک معرکہ عظیم میں اسے شکست ہوئی۔ جس کے بعد وہ اپنے دارالسلطنت کو واپس آیا، جو پونیا میں دریائے ٹھیس کے کنارے ٹوٹے کے متصل ایک موضع تھا۔ آئندہ موسم گرما میں اس نے شمالی اٹلی پر حملہ کر کے اسے تاخت و تاراج کیا، لیکن وہاں سے ہٹنے پر مجبور ہوا، اس لئے کہ فوج میں وبائے بخار پھیل گئی تھی اور ایٹیس کی فوج کوچ کرتی چلی آرہی تھی۔ یورپ کی خوش قسمتی سے ۱۲۵۹ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

ایٹیلانے کو ایک غیر متہدن و نیم وحشی قوم کا فرد تھا، تاہم شخصی حیثیت سے اس کا شمار کسی طرح وحشیوں میں نہیں ہو سکتا۔ وہ طرز حکومت کے اسرار سے واقف تھا، دوسرے سلاطین سے سفارتی تعلقات قائم رکھتا تھا، اور بین الاقوامی قوانین کو ملحوظ رکھنا فرض سمجھتا تھا، خود اس کا مکان تو خوش و تمدن کے میل جول کا مرقع تھا، اس کے چھوٹے چھوٹے

چوبی مکانات اس مال غنیمت سے بھرے ہوئے رہتے تھے، جو وہ رومی علاقوں کی تاخت و تاراج سے حاصل کر کے لاتا تھا، رومہ اور رومی کی اس کی نظروں میں ذرا بھی وقعت نہ تھی، بلکہ اسے مشاکر اس کے آثار پر وہ ایک جدید نظام شہنشاہی قائم کرنا چاہتا تھا۔ اس کے دربار میں متعدد یونانی بھی تھے جو اس کے فتوحات اور کارناموں کے تذکرے بڑے آب و تاب سے لکھتے تھے، اور جن کی بناء پر اُسے توقع تھی، کہ اس کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ مگر اس کی وفات کے بعد ہی اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی۔ اس کے فرزند ایلا نے بنیادوں کو فرو کرنا چاہا، لیکن خود میدان جنگ میں کام آیا (۱۱۵۵ء) تمام جرمن و سیلانی قبائل جو ایلا کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے، اب پھر آزاد و خود مختار ہو گئے، اور شہنشاہی سے چھڑ چھاڑ کرنے لگے۔

ہم پیشتر کہ آئے ہیں، کہ سلطنت میں ملک اٹلی اڈو ویکر کے قبضہ میں آگیا، جس کے زیر علم جرمنوں کا ایک لشکر جبار تھا۔ اصولاً وہ شہنشاہ کا ماتحت تھا، لیکن عملاً بالکل خود مختار تھا۔ اٹلی میں اس کے عہد میں بہت امن و نظم قائم رہا، رعایا مرفہ الحال رہی، اور مدت کے بعد اٹلی کو طوائف الملوکی و بد نظمی سے نکلنا نصیب ہوا، سلطنت میں اڈو ویکر نے پینونیا کے روجیوں پر حملہ آور ہو کر انہیں شکست دی، لیکن ان کے فرماں روا نے بھاگ کر مشرقی گوتھوں سے

پناہ طلب کی۔ یہ لوگ اپنے رئیس تھیوڈورک کے زیر حکومت وسطی ڈینیوب کے ساحل پر آباد تھے، اور چونکہ شہنشاہ کا الہ بد کوئی دباؤ نہ تھا، اس لئے یہ ملک میں برابر مار دھاڑ کرتے رہتے تھے۔ تھیوڈورک کو اب اٹلی پر حملہ کرنے کا ایک اچھا عذر ہاتھ آگیا۔ اور شہنشاہ نے بھی یہ خیال کر کے کروڑوں کی لشوڑوں سے نجات ملیگی، اجازت دے دی۔ وہ خود تو اٹلی کو اپنے زیرنگیں رکھ نہیں سکتا تھا، اس لئے اس کے نزدیک یہ دونو صورتیں برابر تھیں، کہ خواہ یہ وحشی اس پر حکمران رہے یا وہ۔ ۸۹ء میں تھیوڈورک نے اٹلی کی سرزمین پر قدم رکھا، چار سال تک سلسلہ جنگ جاری رہا، جس کا خاتمہ صلحنامہ کی اس قرارداد پر ہوا، کہ آئندہ سے تھیوڈورک و اڈووکیرو دونو مشترک طور پر حکمرانی کریں۔ لیکن عین اس زمانہ میں جبکہ مصالحت کے شادیانے بچ رہے تھے، تھیوڈورک نے انتہائی دغا بازی سے کام لے کر اڈووکیرو کو قتل کر ڈالا (۹۳ء)۔ اور اب چونکہ کوئی قریب باقی نہیں رہا، اس لئے تھیوڈورک تنہا، اٹلی کا فرمانروا بن گیا، اور اپنے ہم قوموں کو لاکر اس ملک میں آباد کیا۔ وہ اٹلی پر بہ حیثیت مشرقی گوتھوں کے رئیس کے حکمران ہوا، جو نظام حکومت اُس نے یہاں پایا اسے برقرار رکھا، اور اعلیٰ مناصب پر رومیوں کو فائز کیا۔ اس کے وقت میں فرائض حکمرانی نہایت مستعدی سے انجام پاتے رہے۔ اس نے مختلف مقامات کی شہر پناہیں ازسرنو تعمیر کرائیں، باغ لگائے،

طرکیوں تیار کرائیں، نالیاں بنوائیں، کانیں کھدوائیں، بازار لگوائیں، زراعت کو ترقی دی، اور قانون کی پوری پابندی کر کے بلارو تھکا ہر شخص کی وادہ دہی کی۔ دیگر ہمسایہ جرمن حکمران خاندانوں کے درمیان اس نے کہیں شادی کے ذریعہ اور کہیں معاہدوں کے ذریعہ سے رشتہ اتحاد و سواغات قائم کرایا۔ تاکہ ایک دوسرے کو فنا کرنے کے درپے نہ ہوں۔ اس لئے کہ وہ یہ جانتا تھا، کہ اگر جرمن سلاطین میں باہم خانہ جنگی ہوئی، تو شہنشاہ یقیناً ان کے نفاق سے فائدہ اٹھا کر ان پر فوج کشی کر دے گا۔ ۵۲۶ء میں اس کی وفات پر اس کی جانشینی میں جو جھگڑے پڑے، ان کی بنا پر شہنشاہ جینین کو اٹلی پر حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔ ۲۰ سال تک معرکہ آرائی جاری رہی، جس کے خاتمہ پر عساکر شہنشاہی کو فتح حاصل ہوئی، مشرقی گوتھوں کی حکومت کا استیصال ہو گیا، اور اٹلی شہنشاہی کا ایک صوبہ بن گیا۔

سرحد کے باہر اب بھی متعدد جرمن قبائل تھے، جن کا شہنشاہی سے اب واسطہ شروع ہوا، مثلاً بوییری، لومبارڈ، و تھیورنچی، لیکن بعض قبائل ایسے بھی تھے جنہیں شہنشاہی کے وجود کی بھی خبر نہ تھی، مثلاً سیکسن، اینگل، و جوت، فرینک، جو متعدد قبائل پر مشتمل تھے، اور رین کے علاقہ زیریں میں بسے ہوئے تھے، وہ رفتہ رفتہ شمالی گال میں پھیل گئے۔ ان کی تایخ پر ایک مستقل باب آئندہ آتا ہے۔

مغرب کے سب سے دور دست علاقہ، برطینیا (برطانیہ) پر بھی جرمنوں نے حملہ کیا، اور آہستہ آہستہ اس پر اپنا قبضہ جمالیا۔ یہ حملہ ۱۹۱۴ء میں شروع ہوا، اور جو لوں نے اول اول کنٹ پر قبضہ کیا۔ اس کے بعد کے مقبوضات بجائے خود چھوٹی چھوٹی سلطنتوں کی حیثیت حاصل کرتے گئے، مثلاً سیکن، وکس، ایٹ انگلیا، ناٹھمبریا، و مرسیا۔ یہ سلطنتیں پہلے کلتی باشندوں سے لڑتی رہیں، پھر آپس ہی میں مصروف کارزار ہو گئیں، آخری معرکہ ناٹھمبریا، ویکس، و مرسیا کے درمیان ہوا، اور فتح ویکس کے حصے میں آئی۔ اگر برٹ (۳۹ - ۸۰۲)، شاہ ویکس گویا اب سارے انگلستان کا شہنشاہ ہو گیا۔

ان اینگلو سیکنوں نے برطانیہ میں پوری جرمن حکومت قائم کی۔ رومی تمدن فنا ہو چکا تھا، اور ان جدید فاتحین کے لئے مخصوص نشائستگی و تمدن کو فروغ دینے کے موقع کھلے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کی اینگلو سیکن زبان، اب تک محض ایک ”بولی“ کی حیثیت رکھتی تھی، لاطینی سے استعانت کے بغیر، ایک علی زبان کے مرتبہ پر پہنچ گئی، اور ہر جگہ استعمال ہونے لگی۔ اس کی ابتداء سنہ ۱۱۰۰ء سے ہو گئی تھی، جب کہ کیڈمن نے ”نغمہ آفریش“ اسی زبان میں نظم کیا تھا، اور قدیم نظم ”ہیوولف“ کے کچھ از کچھ بعض اجزا بھی اسی وقت معرض وجود میں آچکے تھے۔ قوانین سلطنت

انگلستان و دیگر جرمن مقبوضات میں بجائے لاطینی کے اینگلو پکسن زبان میں تھے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ رعایا کے رسم و رواج، آئین و قوانین، و نظام حکومت، کسی نئے پر رومی تمدن کا اثر نہ تھا۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے، کہ آج تک جس قدر انگلستان کی سرزمین پر خالص جرمن قوانین کا وجود ہے، اتنا دنیا میں کہیں نہیں ہے، یہاں تک کہ خود جرمنی، میں بھی شہنشاہی کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے کچھ نہ کچھ رومی تمدن کا اثر پڑ ہی گیا، لیکن اگر جرمن قانون کہیں بالکل خالص و بے آمیزش رہا، تو انگلستان ہی میں۔

اینگلو پکسنوں نے سو سو آدمیوں کی ٹولیاں قائم کر کے زمین کو آپس میں تقسیم کر لیا، جس میں سے ہر شخص کو بہ قدر اپنے حصہ رسدی کے مل جاتا تھا، اور یہ لوگ گاؤں میں آباد ہو جاتے تھے۔ اپنے مستقر کو یہ خاندان کے نام سے موسوم کرتے تھے، اور آخر میں ”ہام“ و ”ٹن“ کا اضافہ کر دیتے تھے (جو مخفف ہیں انگریزی الفاظ ”ہوم“ ”ہیئر“، ”ٹاؤن“ ”ہگڈھ“) کے۔ اور جرمن الفاظ ”ہایم“ و ”ڈاون“ کے) ”ہام“ سے مراد ”مسکن“ ہوتی تھی، اور ”ٹن“ سے وہ حصار مقصود ہوتا ہے، جو موضع کی حفاظت کے لئے اس کے گرد کھینچا رہتا تھا۔ سو شخصوں کی ہر ایک جماعت کے تمام آزاد اشخاص یکجا ہو کر معاملات کا فیصلہ کرتے تھے، اس سے اپنی عدالت وہ تھی، جس میں تمام قبیلے کے آزاد اشخاص جمع ہو کر ان معاملات کا فیصلہ کرتے، جن کا تعلق سارے قبیلے سے ہوتا، یا جو مختلف

جماعتوں کے مابین مابہ النزاع ہوتے۔ لیکن معلوم ایسا ہوتا ہے کہ تمام آزاد اشخاص کے یکجا ہونے کی دشواریاں اسی وقت ظاہر ہونے لگی تھیں، اور اس لئے اس کا علاج یہ نکالا گیا، کہ نیابت سے کام لیا جائے۔ اب ہر موضع سے کچھ لوگ چنے ہوئے موضع کی ”پھوٹی پنچایت“ میں اور اسی قدر لوگ قبیلے کی ”بڑی پنچایت“ میں شریک ہونے لگے۔ اور معاشرتی حیثیت سے باشندگان ملک کی وہی تین قسمیں ہو گئیں، جو دیگر ممالک یورپ میں شائع تھیں، یعنی امر، احرار، و غلام۔

آئرلینڈ میں شیوع مسیحیت کا مسئلہ نہایت مختلف فیہ ہے۔ لیکن ظن غالب یہ ہے کہ سینٹ پیٹرک (جس کی وفات بہ اختلاف روایت ۴۶۵ء یا ۴۹۳ء میں ہوئی) پہلا مشنری (مبلغ مسیحیت) تھا، جسے یہاں کچھ کامیابی ہوئی۔ اس کے مساعی سے سارا جزیرہ مسیحی ہو گیا، گو ابھی اس کی سطح تمدن بہت پست تھی، اور آئندہ صدیوں میں زہد و تقویٰ میں اس نے وہ شہرت حاصل کی، کہ اس کا نام ”جزیرہ اولیا“ پڑ گیا۔ آئرلینڈ کا کلیسا روم کے کلیسائے آزاد تھا، اور بعض امور میں کلیسائے انگلستان سے بھی مختلف تھا، یہاں مسیحیت نے جو شکل اختیار کی، وہ تمام تر راہبانہ تھی۔ اور اسی راہبانہ جوش نے آئرلینڈ والوں کو اس کوشش پر آمادہ کیا، کہ تمام دنیا کو اپنے فرقہ مسیحیت میں لے آئیں۔ ان کی یہ کوشش ہمت مبلغ کا نتیجہ نہ تھی، بلکہ نتیجہ تھی ان کی ریاضت پسندی اور شدائد برداشت کرنے کی خواہش کا۔ اس زمانہ میں چونکہ سفر میں قدم قدم پر

خطرات اور دشواریاں پیش آتی تھیں، اس لئے بہ حیثیت مبلغ کے دوسرے ممالک کا سفر ایک کار ثواب قرار پایا۔ یہ لوگ راہبانہ نظام اخلاق کے مطابق، بجائے شہروں کے جنگلوں میں آباد ہوتے تھے۔ اول اول یہ اسکاٹ لینڈ میں آباد ہوئے۔ ۶۳ء میں سینٹ کولمبا اپنے ۲۵۔ راہب رفیقوں کے ہمراہ اسکاٹ لینڈ آیا، جہاں جزیرہ آئونا میں اسے جگہ ملی، اور یہیں سے وہ آئر لینڈ کے راہبوں کی تائید کے ساتھ اپنے فرائض تبلیغ اصل ملک میں بھی اکر انجام دیتا تھا۔ ان لوگوں نے نہ صرف اسکاٹ لینڈ ہی میں، بلکہ برطانیہ کے اینگلو سیکسنوں کے درمیان اور یورپ کے دیگر ممالک میں بھی کام کیا، انگلستان کے مشرقی ساحل پر لینڈ سفیروں کو انہوں نے اپنا مستقر بنایا، اور یہ مقام عرصہ دراز تک اینگلوں کے درمیان مرکز تبلیغی کا کام دیتا رہا۔

اسولڈ (۶۳۴ تا ۶۴۲) شاہ نارٹمبریا نے تخت نشینی کیساتھ ہی خانقاہ آئونا کے (جہاں وہ ایک مرتبہ پناہ گزین رہ چکا تھا) اسقف کو خط لکھا، کہ کچھ مبلغین بھیجے۔ سینٹ آسٹن، اور ان کے بعد سینٹ لتھبرٹ کو بہت کامیابی ہوئی، اور یہ ظاہر آثار یہ معلوم ہونے لگا، کہ کلیسائے آئر لینڈ سارے برطانیہ پر محیط ہو جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی ایک دوسری تبلیغی تحریک بھی مغرب کی جانب بڑھ رہی تھی، جس کا منبع روم تھا۔ ۶۹۵ء میں گرگوری اعظم، اسقف روم نے ایک راہب آگسٹائن کو اسکے ۳۰ رفیقوں کے ہمراہ کینٹ کو بھیجا، حُن اتفاق سے ایتھلبرٹ

شاہ کینٹ نے اسی زمانہ میں ایک راسخ الاعتقاد فریگی شہزادی سے شادی کی تھی، جس نے اب اپنا سارا اثر مسیحی مشنریوں کی تائید و حمایت میں صرف کیا، چنانچہ ایک سال کے اندر ہی اندر بادشاہ اور اکثر آمرانے مسیحیت کو قبول کر کے اصطباغ لے لیا۔

کینٹ سے مسیحیت کی یہ شاخ شمال کی جانب پھیلی، یہاں تک کہ نارٹمبریا میں اس کے ڈانڈے آئرش مذہب سے مل گئے۔ اب دونوں میں سخت مقابلہ شروع ہوا۔ بادشاہ شش و پنج میں پڑ گیا آخر اس نے یہ تدبیر سوچی، کہ بہ مقام وٹسی سلسلہ میں علمائے فریقین کی ایک مجلس مناظرہ منعقد کرائے۔ ولفرڈ، کلیسائے روم کا وکیل ہوا، اور کولمین کلیسائے آئرلینڈ کا۔ کولمین برابر سینٹ کولمبا سے استناد کرتا رہا، مگر ولفرڈ کا دعویٰ یہ تھا، کہ سینٹ پطرس کا مرتبہ اس سے کہیں بالاتر ہے، اس لئے کہ وہ عاریوں کا سر تاج ہے، اور مسح کا ارشاد اس کے متعلق یہ

ہے کہ ”تو پطرس ہے۔ میں اس پہاڑی پر اپنا کلیسا تعمیر کرتا ہوں، جس پر جہنم کے دروازے نہ کھل سکیں گے، اور درجنت کی کلید میں تجھے عطا کرتا ہوں۔“ جب ولفرڈ نے یہ تقریر کی، تو بادشاہ، جس نے پیشتر یہ روایت نہیں سنی تھی، سخت متحیر ہوا، اور کولمین سے اس کی تصدیق چاہی۔ اس نے تصدیق کی۔ اس پر اس نے دریافت کیا، کہ کیا یہ مرتبہ سینٹ کولمبا کو بھی حاصل ہے؟ کولمین کو اعتراف کرنا پڑا کہ نہیں۔ اس پر بادشاہ بول اٹھا، کہ ”میں اس دربان جنت کے خلاف ہرگز

نہیں جاسکتا۔ مبادا جس وقت میں درجستہ پر پہنچوں، میرے لئے کوئی دروازہ کھولنے والا نہ ہو۔“۔ غرض۔ اس طرح کلیسائے رومہ کو فتح حاصل ہوگئی، اور آئرش مبلغین ناکام واپس گئے۔ اس فیصلے سے انگلستان کے تعلقات رومہ سے بہت بڑھ گئے، اُسقفِ رومہ کا اقتدار قائم ہوگیا، ان چیزوں کا اثر تاریخ انگلستان کے مستقبل پر پڑا۔ اور کلیسا کی وساطت سے رومی قانون، رسم و رواج، طرز معاشرت طرز خیال، غرض رومی تمدن کے جملہ محصولات انگلستان میں داخل ہو گئے۔

ایک یونانی عالم تھیوڈور آف ٹارسس، انگلستان میں بہ حیثیت کنٹرہری کے لاٹ پادری کے آیا (۶۶۹ء تا ۶۹۰ء) اور کنٹرہری کو اپنا مستقر و مرکز بنا کر کلیسائے انگلستان کا پورا نظام قائم کیا۔ اس نے ملک کو مختلف اُسقفیوں میں تقسیم کر دیا، اور کلیسائے انگلستان کو اُسقفِ رومہ کے ماتحت قرار دیا۔ یہ اُسقفی تقسیم ملکی تقسیم کے مطابق و ماتحت نہ تھی، بلکہ اس اصول پر مبنی تھی کہ کل کلیسا ایک ہے، اور سیاسی و ملکی تقسیمات کی پابندی اُن پر عائد نہیں ہوتی۔ کلیسا کی وحدت کا اثر سیاسی خیالات پر بھی پڑا، اور مذہبی اتحاد کا مقدمہ ثابت ہوا۔

راہبان انگلستان اس وقت علم و فضل سے کافی بہرہ اندوز تھے۔ اور بحرِ تھیوڈور کے ان تلامذہ کے یورپ میں یونانی زبان سے کوئی واقف نہ تھا۔ خانقاہوں میں بہ کثرت بڑے بڑے صاحبِ علم

درویش موجود رہتے تھے۔ ان میں سب سے افضل بیڈ
 ۱۳۳۷ تا ۱۳۳۸ء) ہوا ہے، جسے ”محترم و مقدس بیڈ“ کے
 لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اور جو جیرو کا راہب تھا۔ اس کے
 تلامذہ علاوہ ان چھ سو راہبوں کے جو اس خانقاہ میں مقیم تھے،
 باہر کے لوگ بھی تھے۔ وہ اپنے زمانہ کا ایک ہمہ داں عالم
 گزرا ہے، اس کی وفات پر اس کی تصانیف سے ۴۵ رسالے طبع
 جن میں سب سے زیادہ مشہور اس کی ”انگریزوں کی مذہبی تاریخ“
 اور انجیل یوحنا کا ترجمہ انگریزی ہیں۔ اس کی تصانیف یورپ
 میں بھی خوب شائع و مقبول ہوئیں۔ واقعات کی تاریخ بتانے
 میں سند عیسوی درج کرنے کا رواج گویا اسی نے پیدا کیا۔
 نارٹمبریا کا علاقہ انہیں راہبوں اور خانقاہوں کی بنا پر جنوبی
 انگلستان سے کہیں زیادہ متمدن تھا۔

ان تمام سلطنتوں کا، جن کا ذکر اوپر گزرا، صرف دو ایسی
 تھیں، جو حادثات عالم کا مقابلہ کر کے زندہ رہ سکیں، ایک
 فرینکوں کی، دوسرے اینگلو سیکسنوں کی۔ باقی تمام قومیں یا تو
 سرے سے فنا ہو گئیں، یا دوسری قوموں میں جذب ہو گئیں۔
 بیانات بالا سے معلوم ہوا ہوگا، کہ تقریباً ۱۰۰۰ء میں
 شہنشاہی کے مغربی حصہ پر بربریوں کا تسلط تھا، جو شہنشاہ
 کی اطاعت سے گویا آزاد تھے۔ جرمن جس علاقہ پر تاخت و تاراج
 کرتے تھے، اس کا ایک قطعہ اپنی سکونت کے لئے ضرور
 طلب کرتے، اور اکثر اپنے مفتوحہ علاقہ کی ایک تہلث زمیں

اپنے لئے منتخب کر کے اُسے آپس میں تقسیم کر لیتے۔ وہ اپنے قوانین و رسم و رواج کو بھی اپنے ہمراہ لاتے تھے، جنہیں وہ ضبط تحریر میں بھی لے آئے، اور اپنی یادگار چھوڑ گئے۔ وہ دوسرے ممالک میں بھی اپنے مقدمات اپنے ہی قوانین کے مطابق اور اپنے ہم قوموں کی عدالت میں پیش کرنا چاہتے تھے۔ گویا اُن کا قانون بھی اُن کی کوئی ذاتی جائداد تھی، کہ جہاں گئے ساتھ لیتے گئے۔ بر خلاف رومیوں کے، جو قانون کو ایک ملکی شے سمجھتے تھے۔

بہ استثناء فریکوں اور اینگلو سیکسنوں کے، تمام جرمن شہنشاہی عہداری میں آباد ہونے سے قبل ہی مسیحیت قبول کر چکے تھے۔ لیکن اب ان کا مذہب جو توحید کی ایک صورت تھی، سوادِ اعظم کے مخالف ایک طرح کا اعتزال سمجھا جانے لگا اور جن علاقوں میں وہ آباد ہوتے تھے وہاں کے باشندے انہیں اجنبی فاتحوں کے ساتھ ہی بد مذہب بھی سمجھتے تھے، اس لئے اُن کے ان کے درمیان کبھی زیادہ مراسم ارتباط نہ بڑھ سکے۔

باب (۲)

جرمنوں کے مقابلہ میں شہنشاہی کار و عمل

جرمنوں کا حملہ | گو دربار قسطنطنیہ اور مختلف سلطنتوں کے درمیان کسی حد تک دوستانہ تعلقات تھے، تاہم شہنشاہ کو موجودہ صورت حال سخت ناگوار تھی، ویشیوں نے اس کے ملک پر حملہ کیا تھا، اور آسنے بادل ناخواستہ ان ناخواندہ ہمالیوں کو ٹھیرا رکھا تھا، اس لئے کہ ان کے دفع کرنے کی قوت نہیں رکھتا تھا۔ ان لوگوں نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس قدر مطلق العنانی اختیار کر لی، کہ ان کے مقبوضات گویا شہنشاہ کی قلمرو سے بالکل بے تعلق ہو گئے۔ اتنے مقبوضات کا ہاتھ سے نکل جانا ایک نقصان عظیم تھا، جس کی تلافی اسی طرح ممکن تھی، کہ وہ از سر نو مسخر کئے جائیں،

شخصی سلطنتوں میں ہر تینے کا دار و مدار بادشاہ کی قابلیت پر ہوتا ہے۔ چنانچہ چوتھی اور پانچویں صدی میں بد امنی و نقص امن اسی لئے رہا، کہ سلاطین نا اہل تھے، اور اندرونی نفاق و شقاق کثرت سے تھا۔ اس زمانے کے کمزور سلاطین کے بعد قابل و بلند پایہ فرماں رواؤں کا دور شروع ہوا، جن کا ممتاز ترین فرد جینین تھا۔ اس بادشاہ کو جرمنوں سے انتہا درجہ کی نفرت تھی۔ زینو (۴۷۳ء تا ۴۹۱ء)، اناستیس اول (۴۹۱ء تا ۵۱۸ء) اور جین اول (۵۱۸ء تا ۵۲۷ء)، کے زمانے میں شہنشاہی اپنی کھوئی ہوئی قوت برابر آہستہ آہستہ حاصل کرتی رہی، اور جینین (۵۲۷ء تا ۵۶۵ء) کے قدم بڑھانے کے لئے راستہ صاف ہوتا رہا۔ صنعت و انحطاط کے طویل زمانے کی جگہ اب غم و قوت نے لے لی، اور گویا سلطنت کی گزشتہ رونق و سطوت نے پھر عود کرنا شروع کیا۔ افواج شاہی کو فتح نصیب ہوئی، کھوئی ہوئی قلمرو پھر حاصل ہوئی، اور جزو از سرفہ اپنے کل سے مل گیا۔

جینین، ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء | جینین اپنی ہمہ دانی و اہلیت کی بنا پر اب تک لقبِ اعظم کا متحی

چلا آتا ہے۔ اس کی دلچسپیاں غیر محدود تھیں۔ عمارات و فن تعمیر قانون و اہلیات، تجارت و صنعت و حرفت، فن حرب، سیاست و اصول جہان بینی، ان سب سے اسے یکساں دلچسپی تھی۔ اس نے اپنی مردم شناسی سے بہترین اشخاص کا انتخاب کر کے ان کے سپرد

اعلیٰ ترین خدمات و مناصب کئے، عزم و ارادہ کا اتنا مستقل تھا کہ جو بات ایک دفعہ ٹھان لیتا، ہمیشہ اس پر قائم رہتا۔

رومی قانون کا انضباط | اسے قوانین کی جانب توجہ ہوئی اس وقت تک قوانین متفرق و

پراگندہ تھے، کوئی ان کی منضبط شکل نہ تھی۔ ان میں سخت باہمی تناقضات و اختلافات تھے، اور اس لئے فصل خصومات میں سخت زحمت واقع ہوتی تھی۔ جسٹینین نے ٹریبونین کی صدارت میں قوانین کی ترتیب، تالیف و تدوین کے لئے ایک مجلس ترتیب دی۔ جس نے اپنا فرض اس خوبی سے انجام دیا، کہ تمام پچھلے مجموعے بیکار ہو گئے، اور اس لئے ضائع کر دئے گئے اور اب قوانین کا ایک جدید مجموعہ تیار ہوا، جو مجموعہ ضابطہ جسٹینین کے نام سے موسوم ہے۔ ٹریبونین نے قوانین کے مابین تناقض رفع کرنے اور باہمی ربط پیدا کرنے کے لئے ان کے اصل متن میں کافی تصرفات کئے۔ اور قوانین کے علاوہ نامور مقننوں اور رجوں کے فیصلے، راہیں، اور تجویزیں بھی یکجا کی گئیں اس لئے کہ آج کل کی طرح اُس زمانہ میں بھی نظیروں پر بڑا زور دیا جاتا تھا، اور ان سب کا مجموعہ نظارے کے نام سے شائع ہوا۔ طلبہ قانون کے لئے ایک علمیہ رسالہ اصول قوانین روم پر تیار کیا گیا، جس کا نام کلیات رکھا گیا۔ جسٹینین نے خود جو قوانین وضع کئے تھے، اُن کا خود بھی سنتی

سے پابند تھا۔ ان کا مجموعہ اس نے ”نو ویلے“ کے عنوان سے علحدہ بھی مرتب کیا۔

ٹیکس | جٹینین کے ذہن میں جو منصوبے تھے، انہیں اعلیٰ میں لانے کے لئے مصارف کثیر کی ضرورت تھی۔ متعدد کلیساؤں کی تعمیر، جن میں سینٹ صوفیا کا کلیسا سب سے زیادہ مشہور ہے، شہر پناہوں اور قلعوں کی تیاری، جو تحفظ کے لئے ضروری تھے، ٹیکس کی تحصیل اور فوج کی نظم و نسق میں بہ دیانتی، اور پھر ان سب کے علاوہ خود جٹینین کے ذاتی مصارف اور دربار کے تکلفات، ان سب کے مجموعی بار نے مجبوراً ٹیکس کی شرح کو اتنا بڑھا دیا، کہ رعایا کا دیوالہ نکلنے کے قریب ہو گیا۔

قنون بازنطینی | جٹینین کے زمانے میں فنون بازنطینی تکمیل کو پہنچ گئے۔ کلیسا کا ایک خاص طرز تعمیر قرار پا گیا، جس کی نمایاں خصوصیات مدور محراب، اور گنبد ہیں۔ کلیسا میں نقش و نگار، بل و بوٹے بھی ہونے لگے۔ نقاشی میں بھی مخصوص طرزیں رائج ہو گئیں، جن سے ہٹنا کلیسا کے نزدیک گویا گناہ ہو گیا۔ اس لئے وہ صدیوں تک بدستور قائم رہیں، اور روس و یونان میں تو اب تک قائم ہیں۔

جٹینین اور کلیسا | جٹینین اپنے تئیں امور مذہبی میں بھی، خواہ معتقدات ہوں خواہ اعمال، مختار کل سمجھتا تھا۔ وہ خود بہت پختہ مذہبی تھا، اور اعتزال

و الحاد کو ملنا داخل فرائض سلطنت سمجھتا تھا۔ چنانچہ اہل اعتزال و بدعت پر اس کے وقت میں سختیاں ہوتی تھیں، اور حقوق شہریت ان سے سلب کر لئے جاتے تھے۔ رومہ کے پادریوں کو وہ اپنے ماتحت عہدہ دار تصور کرتا تھا، وہ جب ان سے ناخوش ہوتا تھا تو انہیں قسطنطنیہ طلب کر کے تنبیہ کرتا، یا قید کر دیتا، یا کبھی مغزول و خارج البلد بھی کر دیتا۔ اس کے حکم سے اندرون ملک میں تبلیغ و اشاعت مسیحیت کا کام جاری تھا۔ ملک میں اب بھی کثرت سے مشرکین تھے، کاشتکار تو تقریباً سب کے سب بت پرست تھے اور خود قسطنطنیہ کی چار دیواری کے اندر کثرت سے شرک و بت پرستی تھی۔ یہ لوگ ڈھونڈ ڈھونڈ کر عیسائی بنائے جاتے تھے، ورنہ انہیں تعذیب و تعدی کا شکار بننا پڑتا تھا۔

ایشینیہ کی یونیورسٹی | اس زمانہ میں دنیا کا ممتاز ترین بیت العلوم، ایشینیہ (ایتھنز) کی یونیورسٹی تھی۔ پروفیسر سب مشرک تھے۔ لیکن اس کی شہرت و عظمت اس درجہ کی تھی، کہ مسیحی طلبہ بھی تحصیل علم کے لئے وہاں بھیجے جاتے تھے۔ بعض مشہور پادری یہیں کے تربیت یافتہ تھے۔ ۵۲۹ء میں جٹینین نے اس دارالعلوم کو بند کر دیا، اور فلاسفہ کو تعلیم دینے سے روک دیا۔ یہ لوگ گویا جلا وطن کر دئے گئے۔ ان میں سے اکثر ایران اس امید پر گئے کہ وہاں آزادی و رواداری ہوگی، لیکن یہ امید بھی

موسوم نکلی، اور وہاں کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد وہ پھر وطن واپس ہوئے۔

قسطنطنیہ میں سازشیں | فہنشاہ کے سب سے بڑے دشمن اہل قسطنطنیہ تھے، جو اپنی

غزرت و مفیدہ پردازی سے ہر وقت اُسے بغاوت کے اندیشے میں رکھتے تھے، جس کی بنا پر وہ پوری یکسوئی کے ساتھ معاملاتِ سلطنت کی جانب متوجہ ہونے سے معذور تھا۔ اس وقت یہاں دو بڑے جتھے تھے، جن کے حامی و ہمدرد تمام ملک میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ دونوں جتھے، مذہبی و سیاسی ہر معاملہ میں ایک دوسرے کے مخالف تھے۔ ان کے ملنے کی عام جگہ سرکس تھے، جہاں ایک دوسرے پر حملہ کرتے، اور دونوں میں ہر ایک بادشاہ کو اپنا طرفدار بنانا چاہتا۔ دوڑوں کے وقت ایک فریق کی گاڑیوں کا رنگ سنبر ہوتا اور دوسرے کا نیلا۔ اور یہیں سے خود ان کے بھی یہی نام پڑ گئے۔ ”نیلے“ مذہب کی پُلنی روش پر قائم، اور خاندان جٹینین کے ہوا خواہ تھے۔ اور ”سنبر“ اہل بدعت تھے، اور خفیہ طور پر خاندان اناٹیمیسیس کے ہمدرد۔

مذہبی مناظر | اس تمام منافرت و مخالفت کا اصلی باعث غالباً اختلافاتِ مذہبی تھے۔ بات یہ تھی، کہ اُس

ساری طویل مدت میں، جب مسیحیت کا فلسفہ یونان کیساتھ امتزاج، اور اس کے ساتھ تطبیق ہو رہی تھی (یعنی پہلی

اٹھ صدیوں میں گو اس کا اصلی زور تیسری اور چھٹی صدی کے درمیان رہا ہے، یونان کی عقلی دنیا ایک عجیب تزلزل اور انتشار کی حالت میں تھی، اس کے ہاں کا ادب سے ادبی فرد بھی فلسفہ و حکمت کے اعلیٰ سے اعلیٰ مباحث پر گفتگو کرنے کو تیار رہتا تھا۔ کچڑا، نائی، موجی، کسی کے پاس جائے، تو وہ بجائے اپنے سووے اور معاملہ کے آپ سے الہیات و فلسفہ کے مسائل پر گفتگو کرنے لگتا۔ یہ اختلافی مسائل تمامہ مسیح علیہ السلام کی شخصیت، اور خدا سے اس کے تعلق کی بابت تھے، اور محض نظری حیثیت رکھتے تھے۔ ایمین ازم کا یہ مسلک تھا کہ مسیح نہ خدا ہے، نہ غیر مخلوق ہے، بلکہ مخلوق ہے، البتہ انسان سے اس کا مرتبہ بہت بالاتر ہے۔ عام پابند مذہب جماعت کا عقیدہ یہ تھا کہ ”مسیح خدا کا بیٹا، خدا سے پیدا، نہ کہ مصنوع، اس لئے کہ خدا کا ہم ماہیت ہے۔“ اس کے علاوہ اگر مسیح خدا تھا، تو ساتھ ہی انسان بھی کیونکر تھا؟ اس کے جسم کی نوعیت کیا تھی؟ کیا اس کی دو ماہیتیں تھیں، ایک بشری، دوسرے ربانی؟ کیا دو ارادے تھے، انسانی و ربانی؟ یہ دونو باہم متحد کیونکر تھے؟ ان دونوں کے درمیان رشتہ اتحاد کیا تھا؟ یہ اور اسی قبیل کے دیگر مسائل وہ تھے، جو نہ صرف مجالس کلیسا میں، بلکہ دربار، بازار، گلی کوچہ میں غرض ہر جگہ موضوع گفتگو تھے۔

مذہب و سیاسیات | اس زمانہ کے بہتر سے بہتر ماغ

بھی انہیں مسائل کے غور و مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ یہ سیاسیات سے غلط ہو گئے اور ہر سیاسی مسئلہ مذہبی مسئلہ بھی بن گیا۔ اس کا ناگزیر نتیجہ یہ ہوا کہ باہمی منافرت، مخالفت میں اور زیادہ ترقی ہو گئی۔ جٹینین کی غیور طبیعت کے لئے گو یہ ناممکن تھا کہ وہ ان میں سے کسی ایک فریق کا اطاعت شعار مرید ہو جائے۔ تاہم مدت تک اُسے ان کو قابو میں لانے کی کوئی صورت نظر نہ آئی اور مجبوراً متعدد مواقع پر اسے توہین برداشت کرنی پڑی۔ ۵۳۲ء میں، ایک بلوے کے وقوع پر جٹینین نے ان دونوں فریقوں کے سرغناؤں کو گرفتار کر کے قتل کا حکم دیدیا۔ لیکن ان میں سے دو حراست سے نکل گئے، اور باہم متحد و متفق ہو کر پاپیشیس کو شہنشاہ منتخب کر کے جٹینین پر حملہ کر دیا۔ جٹینین اپنے مشیروں و درباریوں سے مشورہ کر رہا، اور فرار ہو جانے کی تدابیر سوچ رہا تھا، کہ عین اسی وقت اس کی ملکہ تھیوڈورا داخل ہوئی، اور کہا، کہ ”گو میں عورت ہوں، لیکن مجھے بھی تقریر کا حق ہے، اس لئے کہ میرے اغراض بھی وابستہ ہیں۔ ہم سب کو موت زیادہ عزیز ہے، بہ مقابلہ اس کے کہ اپنی شاہانہ مملکت کی تحقیر کرائیں، اور بلا وطن و بے عزت ہوں۔ میں خود اگر ملکہ نہ رہی تو زندگی بے کار ہے۔ بادشاہ اگر اپنے لئے فرار کو ترجیح دیتا ہے، تو اسے اختیار ہے۔ اس کے پاس روپیہ موجود ہے، سمندر قریب ہے، جہازات تیار ہیں۔

لیکن میں یہیں رہ کر جان دے دوں گی۔ میرا دم اگر نکلے گا، تو تخت شاہی پر، اس کی اس پر جوش تقریر سے بشنیں کو بھی غیرت آگئی، اور اس کے حکم سے شاہی دست نے بیلیریں کے زیرِ علم سازشوں کا قلع قمع | باغیوں پر اچانک حملہ کر دیا، جو اس وقت تک سرس پر قابض ہوئے

تھے، باغی گھبرا گئے۔ اور بیلیریں نے ہزاروں کو خصوصاً ان کے سرغناؤں کو قتل کروایا، اس سے ان جتھوں کا بالکل قلع قمع ہو گیا شہرب بالکل بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اور اب بادشاہ کو بھی موقع ملا کہ امور سلطنت پر پوری توجہ کر سکے۔

شہنشاہ کا جرمن شکن طرز عمل | شہنشاہ کی پالیسی یہ تھی، کہ کل ہاتھ سے نکلے

ہوئے علاقہ کو از سر نو فتح کر کے اپنی قلمرو کو گزشتہ حدود کے موافق وسیع کرے۔ اس غرض سے جرمن سلطنتوں کا استیصال ناگزیر تھا، اور جٹینین نے اپنا رخ مغرب کی طرف پھیرا۔ افریقہ میں اوس نے وندالوں پر اور اٹلی میں مشرقی گوتھوں پر جو فتوحات حاصل کیں، ان کا ذکر ابھی ہو چکا ہے۔ اسپین میں (۱۵۰۰ء) اس نے مغربی گوتھوں پر بھی حملہ کیا، لیکن صرف چند ساحلی مقامات لے سکا۔ اس کے جوڑ توڑ سے ڈینیوب کے شمال میں جتنے جرمن قبائل (لومبرڈ، گسپیڈی، و ہردی وغیرہ) تھے، وہ سب آپس میں لڑنے لگے۔ لیکن

جسٹینین کو اپنی اس جرمن شکن پالیسی میں ناکام رہنا پڑا، اس لئے کہ ایرانیوں، سلافوں، آوروں، اور بلغیریہ والوں سے بھی اسے جنگ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ ایران

خسرو اول (۵۳۱ء تا ۵۷۹ء) کے زمانہ میں مقتہائے شباب پر تھا، اور جسٹینین اپنے اس موروثی دشمن کے مقابلے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ مشرقی گوتھوں کے مقابلے میں اس کی فتوحات ایک سے زائد بار اس لئے متوی رہیں کہ اسے اپنی ساری فوجیں مشرق کی جانب منتقل کر دینی پڑیں، تاہم باوجود اپنی انتہائی طاقت صرف کر دینے کے اسے ایرانیوں کے ہاتھوں شکست کامل نصیب ہوئی۔ خراج دینا پڑا اور اپنے مشرقی قلمرو کے ایک ٹکڑے سے بھی

سلاف دست برداری پر مجبور ہونا پڑا۔ اسی طرح سلافوں نے بھی جسٹینین کے منصوبے میں کافی خلل ڈال دیا۔ جونہی جرمنوں نے بالٹک کے جنوب کی زمین کا تخلیہ کیا فوراً سلافوں نے اگر اس جگہ پر قبضہ کر لیا، اور مغرب میں دریائے الب تک اپنی حکومت قائم کر لی، اہل بویریا جو ان کے تخلیہ کر رہے تھے، وہ پوری سرعت کے ساتھ ان کی جگہ لیتے جاتے تھے۔ چنانچہ بوشیا، مورویا، اور موجودہ اسٹریا کے اکثر حصوں پر وہ قابض ہو گئے ایک سے زائد بار انہوں نے ڈینیوب کو عبور کر کے ادھر کے صوبوں پر بھی دھاوے کئے۔ بلکہ خود قسطنطنیہ معرض خطر میں آگیا۔ انہوں نے

جزیرہ نمائے بلقان میں لگس کر وہاں بھی اپنی بستیاں قائم کیں چنانچہ 'بوسنیا'، 'ڈالمیٹیا'، 'سرویہ' و دیگر سلاونی ریاستیں اسی زمانہ کی آبادیاں ہیں، جو اس وقت آسٹریا یا ترکی کے زیرِ نگین ہیں۔ کچھ روز بعد انہوں نے یونان میں بھی اپنا قدم جمایا۔ اور پیلو پونیس پر تو ان کا ایسا قبضہ جما کہ اس کا نام ہی سلافونیا پڑ گیا۔

بلغاری بلغاری اصل میں یوراں النائی باشندے ہیں جو یورپ میں اگر سلاونی قبائل کے درمیان آباد ہوئے، اور انہیں میں مخلوط ہو گئے۔ اب ان کا صرف نام ہی نام باقی رہ گیا۔ اور اس کا اطلاق بھی سلافونیا پر ہونے لگا، جن کے ساتھ یہ بالکل مختلط و ممزوج ہو گئے تھے ان کی زبان، قومیت، رسم و رواج سب فنا ہو گئے اور یہ سلافیوں کا جزد بن گئے یہ مخلوط النسل لوگ ہر سال شہنشاہ پر حملہ آور ہوا کرتے تھے، اور اس کے بعض خوشامقانات کو ضرور تاخت و تاراج کرتے۔ شہنشاہ میں یہ آکر بلغاریہ میں مستقل طور پر آباد ہوئے۔

اور شہنشاہ میں آوروں نے شہنشاہی پر مشرق سے حملہ کیا، اور جب خوب نقصان پہنچا تو کارل اعظم نے انہیں وسط ڈینیوب میں آباد کرادیا، مگر رفتہ رفتہ یہ بھی سلافیہ میں جذب ہو گئے۔

جدید جرمن قبائل | خوش قسمتی سے عین اس وقت جبکہ جٹینین، جرمنوں کے استیصال کی

فکر میں تھا، جرمنوں کو بڑی تقویت اس واقعہ سے پہنچ گئی کہ بوری، اور اٹلی میں لومبرڈ، اور فرانک آباد ہو گئے۔ (فرانک ذکر آئندہ باب میں آئیں گے۔)

بعض جرمن قبائل موسوم بہ مارکوینی ایک زمانہ میں بوہیمیا میں آباد ہو گئے تھے، اور یہیں سے ان کا نام بوری پڑ گیا تھا لیکن سترہ کے کچھ ہی روز بعد انہوں نے بوہیمیا کو چھوڑ کر اس ملک میں توطن اختیار کیا، جو انہیں کے نام سے موسوم ہے، اور جہاں سے وہ پھر کبھی فوج نہیں ہوئے۔ لومبرڈوں نے ادھر ادھر پھرنے پھرانے کے بعد بالآخر

پینونیا میں سکونت اختیار کی وہ اب شہنشاہی کے حلیف ہو گئے تھے، اور جٹینین ہی کے حسب ایسا انہوں نے ہر ملی و گیلیٹی قبائل سے آویزش شروع کر دی تھی۔ جٹینین ان کے مخالف رہتا تھا، اور اس کے زمانے میں ان کا کوئی حملہ نہیں ہوا۔ مشرقی گوتھوں پر فتح حاصل کرنے کے بعد اس نے نارسکو

لومبرڈ اٹلی میں | اٹلی کا والی مقرر کیا تھا، اور اس کا مستقر رومیا قرار دیا تھا۔ جٹینین کے جانشین جٹین دوم نے اس کے ساتھ بدسلوکی کی۔ اس کا انتقام لینے کیلئے اس نے اٹلی کے لومبرڈوں کو دعوت دی اور یہ وعدہ کیا کہ انہیں گزند نہیں پہنچائے گا۔ یہ لوگ اپنے بادشاہ البیوں

(۶۸ھ) کی سرکردگی میں آئے، اور بعض قبائل کے بھی کچھ لوگ ساتھ لیتے آئے۔ یہ لوگ شمالی اٹلی میں آکر آباد ہو گئے اور پیویا کو اپنا دارالامارت بنایا۔ پھر یہ جنوب کی طرف بڑھے اور اٹلی کو تاخت و تاراج کرنے کے بعد بینیونٹو و اسپولیتو کی ریاستیں انہوں نے قائم کیں البیون اسی کے بعد قتل ہو گیا، اور ایک سردار کلیف بادشاہ منتخب ہوا۔ اس کی فرماں روائی کو ابھی ایک سال بھی نہیں گزرا تھا کہ اسکا بھی وہی حشر ہوا۔ ۱۰ سال تک لومبرڈ بغیر بادشاہ کے متعدد ٹکڑائیوں اور ٹولیوں میں تقسیم ہو کر ایک ایک نواب کی ماتحتی میں گزر گیا کئے۔ بادشاہی کا پورا تصور ان کے ذہن میں نہ تھا اور نہ وہ بادشاہ کے وجود کو چنداں ضروری سمجھتے تھے۔ اسلئے شہنشاہی سے پہلے جو طرز حکومت قائم تھا انہوں نے اسی جانب عود کیا۔ اور روایت تو یہ ہے کہ ایک زمانہ میں ۳۵ مختلف نواب ان پر حکمراں تھے! ہر سمت سے وہ دشمنوں سے محصور تھے، اور ان کا باہمی اختلاف ان کی جڑ کھوکھلی کر رہا تھا۔ کوئی شہہ میں انہیں یہ احساس پیدا ہوا کہ بادشاہ کا وجود ضروری ہے، اور اتھوری کو انہوں نے منتخب کیا، لیکن نواب لوگ جو زور پکڑ چکے تھے ان سے بادشاہ پوری طرح عہدہ برآ نہ ہو سکا بینیونٹو و اسپولیتو کی ریاستیں تو برائے نام ہی اس کی مطیع ہوئیں۔ غرض اسی طرح شہنشاہ سے جو قطعات چھین لئے گئے تھے، ان پر مستقل قبضہ رہا لیکن

لومبرڈ کبھی پوری اٹلی مسخر کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ رومیا جو اقصائے جنوب میں واقع تھا، اور ریاست رومہ البتہ اب بھی شہنشاہی کا جزو رہی۔ دوسرے جرمنوں کے برخلاف لومبرڈ عموماً شہروں اور قصبات میں رہتے تھے۔ ان کی اس حضرت کا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالوی تمدن جلد نشوونما پالیا اور قرون وسطیٰ میں ان کی رونق و شوکت کا دارو مدار کم از کم ایک حد تک تو باشندوں کے جرمنی النسل ہونے پر تھا۔

باب (۳)

قوم فرنیٹ ۴۸۱ تا ۸۱۴

۴۸۱ء میں کلوڈوگ، سیلبائی فرنیٹوں کے ایک قبیلے کا جو مضافات شلٹ و میوز میں آباد تھا، بادشاہ بن بیٹھا۔ رفتہ رفتہ اس پاس جتنے سلاطین تھے ان سب کو اسے بزورِ یابہ فریب مسخر کر لیا، اور بالآخر تمام فرنیٹی قبائل کو اپنے زیرِ نگیں لے لیا۔ اس نے سب سے اول جو بڑی معرکہ کی فتح حاصل کی وہ ایک رومی عامل سیاگرس کے مقابلے میں تھی، جو اس وقت کویرو سین کے درمیان ایک ضلع کا حاکم تھا۔ اس پر غالب آکر کلوڈوگ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا، اور اپنے مقبوضات کو کویر تک وسیع کر لیا (۴۸۶ء تا ۴۹۶ء) میں اس نے ایمینی کو بھی مسخر کر لیا، اور اس فتح مندی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے

مسیحیت کی عام ورائج الوقت شکل اختیار کر لی اور اپنی کثیر رعایا کے ساتھ اصطباغ لے لیا۔ پیمس کے پادری نے جس کے ہاتھوں یہ رسم ادا ہوئی، اسے قسطنطین ثانی کے لقب سے مخاطب کیا، اور اسے ہدایت کی کہ کلیسا کی حمایت و توسیع اس کے فرائض میں داخل ہے۔ کلوڈ وگ اور فرینکوں کے اس تحویل مذہب سے رومی استقفوں اور فرینچی سلطان کے درمیان اس اتحاد کی بنیاد پڑ گئی جو باوجود درمیانی فصل کے صدیوں تک قائم رہا، اور جس نے رفتار حوادث پر نہایت گہرا اثر ڈالا۔

کلوڈ وگ کا سلسلہ فتوحات برابر بڑھتا رہا یہاں تک کہ شمالی پرینیز کا تقریباً سارا علاقہ مغربی گوٹھوں کے ہاتھ سے نقل گیا۔ ۱۰۵۵ء میں جب اس کی وفات ہوئی تو اس کی سلطنت اس کے چاروں بیٹوں میں تقسیم ہو گئی۔ یہ لوگ گو خود باہم مصروف پیکار رہے، تاہم اپنے حدود قلمرو میں توسیع کرتے گئے۔ ۱۲۱۵ء میں تھیونجیا ۱۲۲۲ء میں برگنڈی اور ۱۲۵۵ء میں بویریا کے علاقے ان کے قبضے میں آ گئے۔ کلوٹھر (۱۲۵۵ء تا ۱۲۷۳ء) کے عہد میں یہ تمام مقبوضات تنہا اسی کے زیرِ نگیں آ گئے لیکن اسکی وفات پر پھر اس کے چاروں فرزندوں نے درمیان تقسیم ہو گئے مگر یہ تقسیم بھی عرصہ تک قائم نہ رہی۔ مغربی فرینک روز بروز روم کے اثر میں آتے جاتے، اور مشرقی فرینکوں سے بیگانہ ہوتے جاتے تھے، جن میں اب تک پوری طرح جرفیت و جنگجوئی باقی تھی۔ اس اختلاف باہمی و مفارقت کو اس سے

اور زیادہ ترقی ہوتی گئی کہ یہ دونوں علاقے دو مختلف بادشاہوں کے زیرِ نگیں تھے جو خود باہم مصروفِ پیکار رہتے۔ مشرقی علاقہ آسٹریسیا سے سوہوم تھا اور مغربی نیوسٹریا سے چھٹی صدی کے نصفِ آخر میں خانہ جنگیوں نے ان دونوں سلطنتوں کو سخت پراگندہ رکھا جس کی بانی مہانی ملکہ فریڈو گونڈا و بروہلڈا تھیں۔

کلودو وگ کے زمانے سے فرینچی بادشاہوں کے ہاں ایک جدید منصب اہم وجود میں آگیا۔ جوں جوں بادشاہ کے مرتبہ و اقتدار میں ترقی ہوتی گئی شاہی محل کے کارخانہ کو بھی وسعت حاصل ہوتی گئی۔ ان کے انتظامات کے لئے اسنے ایک خاص عہدہ دار مقرر کیا جس کا لقب داروغہ محل ہوا۔ ابتداءً اس عہدے کی محض خانگی حیثیت تھی، لیکن رفتہ رفتہ اسے سیاسی اہمیت بھی حاصل ہوتی گئی۔ داروغہ محل گویا بادشاہ کا کان تھا، بادشاہ تک رسائی و شنوائی صرف اسی کے ذریعہ سے ہو سکتی تھی۔ یہاں تک کہ بالآخر اس عہدہ کی اصل غرض و غایت فوت ہو گئی، یہ شخص بادشاہ کا مشیر خاص ہو گیا اور ہر معاملہ اسی کے مشورے و اثر سے طے پانے لگا۔ یہ داروغہ آسٹریسیا و نیوسٹریا دونوں سلطنتوں میں ہوتے تھے امرا نے ابتداءً اس عہدہ کو اپنے زیرِ اثر لانے کی سخت کوشش کی، مگر ناکام رہے تا آنکہ ایک بچہ آسٹریسیا کے تخت پر بیٹھا اس وقت امرا کو موقع مل گیا۔ انہوں نے

اس بچے کو اپنے قابو میں لکھا اور اپنے ہی میں سے ایک شخص کو داروغہ و نائب السلطنت بنادیا۔ بادشاہ بچہ لکھا اس لئے یہی داروغہ سیاہ و سفید کا مختار بن گیا اور بادشاہ کو کبھی حقیقی شاہانہ اقتدار نصیب نہ ہوا۔

ڈاکو برٹ (۱۶۲۸ء تا ۱۶۸۸ء) جو تمام فرینکوں کا بادشاہ تھا آخری تاجدار تھا جسے خود مختار کہا جاسکتا ہے۔ اس کے بعد جتنے سلاطین ہوئے وہ محض برائے نام تاجدار تھے وہ دراصل کٹ پتلی تھے جنہیں یہی داروغہ بے تاج کے بادشاہ جسطرف چاہتے تھے پھراتے تھے اور خود جو چاہتے تھے کرتے تھے ڈاکو برٹ کی وفات کے بعد یہ داروغگی کا عہدہ پین اکبر کے خاندان میں موروثی ہو گیا۔ یہ پین لینڈن و ہرستھال نامی دو جاگیردار مالک تھا۔ آرنولف اسقف مٹز متاثر تھا جیسا کہ اس زمانے کے اکثر پادری تھے اس کے فرزند نیسیگیسل کی شادی پین کی بیٹی کے ساتھ ہوئی۔ ان دونوں کی جو اولاد پیدا ہوئی اسکا نام کارل اعظم کے نام پر کارلنگ پڑ گیا۔ پین نے اپنے عہد داروغگی کا جانشین اپنے فرزند گریموالد کو بنایا۔ اس نے اپنے فرزند کو بادشاہ بنانا چاہا مگر اس سعی میں خود جان سے گیا رعایا اب تک شاہی خاندان کے ساتھ جذبات عقیدت و وفاداری رکھتی تھی اور امرا کو گریموالد سے اس قدر حسد تھا کہ انہیں کسی طرح گوارا نہ تھا کہ اس کے فرزند کو تخت شاہی پر نشن دیکھیں۔

پرنِ اصغر (یا پرنِ والی ہرٹھال) نے منصب دار ونگلی پر زبردستی قبضہ کر لیا، اور اسٹریسیا پر حکومت کرنے لگا۔ ایک طویل جنگ کے بعد (۸۶۰ تا ۸۷۴)، اس نے نیوسٹریا پر بھی قبضہ کر لیا، اور اس طرح سے سارے فریٹستان کا حاکم و والی ہو گیا۔ اس نے جو طرز حکومت اختیار کیا اور جس کا اتباع اس کے جانشین بھی کرتے رہے، اس کا اثر کارل اعظم کی حکومت میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنے وسیع مقبوضات کو مضبوط کرنا چاہا، ایک مرکزی حکومت قائم کرنا چاہی، اپنی سلطنت کو بالکل خود مختار بنانا چاہا، اور اس کوشش میں لگا رہا کہ اس کی تمام رعایا میں یکسانی پیدا ہو۔ اس کے فرزند کارل مارٹل (۷۶۸ تا ۷۴۱ء) نے اس سلسلہ کو جاری رکھا۔ اس کا زمانہ محاربات سے لبریز گزرا ہے اسلئے کہ جہاں ذرا بھی موقع ملتا تھا، فوراً بغاوت ہو جاتی تھی۔ فریسی، نیوسٹری، کٹیوریجی، بویری، ایلینی، ایکویٹینی، ان سبھی قوموں نے تو علم بغاوت بلند کیا، جسے صرف زور و شمشیر نے سرنگوں کیا۔ مسلمانوں نے شام میں اسپین سے فریٹستان پر حملہ کیا، لیکن کارل مارٹل نے بمقام تورڈسٹہ مقابلہ کر کے ان کا زور اس طرح توڑا کہ پھر یہ پیرینیزہ آگے نہ بڑھ سکے۔

کارل نے وفات سے قبل اپنی حکومت اپنے دونوں بیٹوں کارل من و پرن کے درمیان تقسیم کر دی تھی۔ چنانچہ یہ دونوں

باہم موافقت کے ساتھ کام کرتے رہے، تا آنکہ کارل من میں خدمت سے علیحدہ ہو کر خانقاہ نشین ہو گیا اور اب داروغگی کا تنہا وارث پین قرار پا گیا۔ پین نے موقع دیکھ کر تخت شاہی پر قابض ہو جانا چاہا۔ اس ارادے سے اس نے ایک قاصد پاپاے رومہ زکریا کے پاس اس استغاثہ کیسٹا بھیجا۔ کہ بادشاہ کس کو تسلیم کرنا چاہئے، اسے جو گو شاہی لقب نہیں رکھتا، لیکن عملاً فرماں روا ہے، یا اُسے جو گو لقب شاہی رکھتا ہے، لیکن عملاً بالکل بے اختیار ہے۔ پاپا کو خود اس وقت ایک حامی کی تلاش تھی، اس نے جواب دیا کہ بادشاہ وہ ہے جو عملاً فرماں روائی کرتا ہے۔ پین نے اب (۱۷۸۷ء) بہ مقام سوسین امرا کی ایک مجلس منعقد کی، اور قدیم مردوبخی نس کے آخری برائے نام تاجدار کو جس کا سلسلہ کلوڈوگ نے قائم کیا تھا، معزول کر کے اپنے تئیں بادشاہ مقرر و تخت کرایا۔

پین کے حملہ لومبرڈی اور مظلوم پاپائیت کی حمایت کی کیفیت آگے چل کر بیان ہوگی۔ اس نے اپنی وفات کے وقت (۱۷۹۸ء) اپنی سلطنت اپنے فرزندوں کارل من و کارل کے درمیان تقسیم کردی، مگر یہ دونوں باہم سخت عداوت رکھتے تھے، جنگ ہونا یقینی تھی، کہ ۱۸۰۶ء میں کارل من کی وفات ہو گئی۔

پاپا اور لومبر اہل لومبرڈی میں اب پھر چلنے لگی۔ کارل کو لومبرڈوں سے پرانی رنجش چلی آتی تھی، وہ فوراً پاپا کی حمایت پر

آباد ہو گیا۔ اس نے لومبرڈی پر حملہ کیا، اس کے بادشاہ ڈیسیڈیریئس کو شکست دی، اور خود وہاں کا تاجدار بن بیٹھا۔
تسخیر لومبرڈی ایک خاص اہمیت رکھتی ہے، اس لحاظ سے کہ اس سے کارل کے تعلقات اٹلی اور پاپائیت سے بہت قریب کے ہو گئے۔

بعض دیگر وجہ سے اسی قدر اہمیت سیکسنوں کی تسخیر کو حاصل ہے۔ ۳۰ برس سے زائد مدت تک (۷۲، تا ۸۰۴) کارل ان سے لڑتا رہا۔ مگر ہر سال یہ واقعہ پیش آتا رہا کہ جب وہ ان کے ملک پر تاخت و تاراج کرتا تھا، تو یہ لوگ اطاعت اور قبول مسیحیت کا وعدہ کر لیتے تھے، اور جوں ہی اس کی فوجیں واپس ہوتی تھیں۔ یہ لوگ فوراً علم بغاوت بلند کر دیتے، کلیساؤں کو مسمار کرتے، مسیحی مقتدیان مذہب کو قتل کر دالتے، اور پھر شرک و بت پرستی میں مبتلا ہو جاتے لیکن بالآخر کارل نے انہیں مغلوب و مسخر کر ہی لیا، اور ان لوگوں نے اطاعت قبول کر لی۔ اس نے ملک کو مختلف استعفیوں میں تقسیم کر دیا، اور منڈن، پیدربورن، وورڈن، برین، اسنا بروک، وھیبلرٹاٹ میں اسقف مقرر کر دئے۔ ان مقامات نے بہت جلد شہروں کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمدن و معاشرت کے مرکز بن گئے، جن کے مابین اغراض سفر و تجارت کے لئے بڑی بڑی سڑکیں بنی ہوئی تھیں۔
کارل کا عہد حکومت ایک غیر منقطع سلسلہ محاربات کا

زمانہ رہا۔ بویریا میں بغاوت ہوئی، یہ وہاں پہنچا، اور سسہ میں وہاں کے والی کو معزول کر کے خود ایک حاکم مقرر کیا وسطی ڈینیوب پر آوروں کی جو حکومت تھی، کئی حملوں کے بعد وہ بھی تباہ ہوئی۔ الب و اودر کے درمیاں جو سلاف آباد تھے، وہ بھی سحر ہوئے، اور بوہمیا نے خرچ دینا منطوکیا اس کے آخر زمانہ میں شمالیوں نے سرحد شمالی پر دھاوے کرنے شروع کئے۔ اڈلس کے مسلمانوں کو اس نے ابرو کے پار تک بھگا دیا، اور اس کے بیڑے سے مسلمانوں سے جرم میں سارڈینیا، کالسیکا، و دیگر جزائر کے لئے مقابلہ ہوتا رہا۔ اٹلی کے جنوب میں اس کی فوج سے اور شہنشاہ یونان سے ان بن ہوگئی، لیکن زیادہ کشت و خون نہیں ہونے پایا۔ کارل اپنی سب لڑائیوں میں کامیاب ہی رہا اور اس لئے اس نے اپنے حدود قلمرو ہر طرف خوب وسیع کئے۔ اور اس کی انہیں فتوحات کا یہ نتیجہ ہوا، کہ مغرب میں شہنشاہی اور لقب شہنشاہی کی بنیاد پڑی۔

جیسا کہ گزشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا، مغرب ایک عرصہ سے گویا شہنشاہی کا جزو رہا ہی نہ تھا۔ تاہم یہ عام خیال موجود تھا، کہ شہنشاہی کو قائم ضرور رہنا چاہئے، اس کا قیام امن عالم کے لئے لازمی ہے، اور مغرب اس کا جزو ہے۔ کلیسا کی تعمیر اور مذہبی اتحاد کے اثر نے اس سیکس اتحاد کے خیال کو اور زیادہ تقویت دیدی تھی۔ روم کے

درباریوں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کو اپنا حاکم بنالیا تھا، لیکن ابھی
صدی میں ایک مخالفت پیدا ہوگئی تھی، جس کی بنا پر پادریوں
کو کسی دوسرے حامی کی تلاش تھی۔ فہنکی سلطنت کے اقتدار
اور پادریان روم کے ساتھ اس کے اتحاد نے مغرب
میں قیام شہنشاہی کے خیال کو سرسبز کر دیا۔

روم میں اس وقت ایک جماعت موجود تھی جو اس
فکر میں لگی رہتی کہ اسے خود مختاری نصیب ہو اور اسکی
گزشتہ عظمت عود کر آئے۔ قرون وسطیٰ میں جو خیال دنیویہ
اس قدر مسلط رہا وہ خواب ابھی سے دیکھا جانا شروع ہو گیا
یعنی یہ کہ روم میں پھر قدیم جمہوریت قائم ہو، اور اسے
پھر عالم کی سرداری نصیب ہو۔ لیکن پایا اس جماعت کیلئے
سدا رہا ہو رہا تھا، جو شخصی حکومت قائم رکھنا چاہتا تھا
۹۸ء میں اس جماعت نے پایا لیو سوم پر دروغ حلفی
وزنا کاری کے الزامات قائم کر کے اس کے خلاف علم
بغاوت بلند کیا، اور اسے روم کے باہر نکال دیا۔ اسنے
بھاگ کر کارل اعظم کے پاس پناہ لی، اور اس سے خواستگار بنا
ہوا۔ کارل نے اپنے حکام کی حفاظت میں اسے روم
روانہ کیا، اور متعاقب خود بھی روانہ ہوا۔ لیونے اپنی بیگناہی
کا حلف اٹھایا، اور اس پر معاملہ ختم کر کے کارل نے اسے
ازسرنو پایائیت پر فائز کر دیا۔ ۸۲۵ء دسمبر ۸۲۵ء کو جس وقت
کارل سینٹ پیٹرس کے گرجا میں عبادت کے لئے سر جھکائے

ہوئے تھا، دفعۃً جبکہ اُسے سان وگمان بھی نہ تھا پاپا نے تاج شہنشاہی لاکر اس کے سر پر رکھ دیا، خود اس کی تعظیم کے لئے جھٹک گیا، اور تمام حاضرین نے بادشاہ سلامت کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔ کارل اس واقعہ سے دنگ رہ گیا اس میں شبہ نہیں کہ تاج کا تو وہ خود بے متنی تھا، لیکن وہ اسے جائز ذرائع سے حاصل کرنا چاہتا تھا، یعنی یا تو اس طور پر کہ فرماں روا اُسے قسطنطنیہ ملکہ آفریں سے شادی کر لے۔ یا اُس سے اپنے تئیں مغرب کا شہنشاہ تسلیم کرائے۔ اس کا ذہن ان تدبیروں کی جانب دوڑ رہا تھا کہ دفعۃً پاپا نے یوں زبردستی تاج شہنشاہی اس کے سر پر رکھ دیا اور اُسے خود اسی کی نظر میں غاصب قرار دے دیا اس لئے کہ وہ خوب جانتا تھا کہ پاپا ہرگز اس کا مجاز نہیں کہ جس کو چاہے تاج پہنا دے۔ پاپا کا یہ فعل علانیہ شہنشاہ قسطنطنیہ کے خلاف بغاوت کا حکم رکھتا تھا گو وہ اپنے تئیں بعض اسباب کی بناء پر حق بجانب خیال کرتا تھا شہنشاہوں نے عرصہ دراز سے کلیسائی مغربی بالخصوص پاپاؤں کی خدمت گزاری نہیں کی تھی۔ اور حالات ایسے آئرے تھے کہ شہنشاہ کا دائرہ عمل مشرق میں اور پاپا کا اقتدار مشرق میں محدود ہو کر رہ گیا تھا شہنشاہ نے جب کبھی مغرب کے معاملات میں مداخلت کرنی چاہی، تو اس سے عموماً پاپا کو نقصان ہی پہنچتا تھا۔ ایسی حالت میں یہ بیخودی

بات تھی کہ پاپا اس کے خلاف بغاوت اور کسی دوسرے کے زیر اثر آنے پر آمادہ ہو۔ پھر مشرق میں یہ بدعت شائع ہو رہی تھی کہ بتوں کو معابد میں لکھنا گناہ خیال کرنے لگے تھے ان سب پر مستزاد مغرب کو یہ سخت شاق گزر رہا تھا کہ ایک خاتون فرماں روائی کر رہی ہے اور محض عورت ہونے کی بنا پر مبنوض نہ تھی، بلکہ وہ اس قدر ظالم و سنی القلب بھی تھی۔ کہ اپنے فرزند قسطنطین ششم کو اس نے مغفول و قید کرنے کے ساتھ ہی اندھا بھی کر دیا تھا۔ ان تمام تائیدی اسباب کے ساتھ پاپا کے شریک وہ لوگ بھی ہو جو روم کی وہ گزشتہ عظمت و رونق دیکھنے کے آرزو مند تھے جو اب قسطنطنیہ کے حصہ میں آگئی تھی۔

شہنشاہی کا حق سب سے زیادہ کارل کو پہنچتا تھا اُس نے یہ زور شمشیر بجائے خود ایک شہنشاہی قائم کر لی تھی جو تمام مغربی یورپ کے علاقہ پر مشتمل تھی، اُس نے اس کے حدود میں وسعت دی تھی، امن و امان قائم کیا تھا، اور کلیسا کی ہر جگہ حفاظت و حمایت کی تھی، کہ اسکا سا دیا جائے۔ شہر کی جمہوریت پسند جماعت اسے ایک دفعہ خارج البلد کر چکی تھی، اور اگر بس چلتا تو اب پھر بھی کر لی پاپا کو اپنی عاقبت اسی میں نظر آئی، کہ کارل کو اپنا حامی و دوست بنائے۔ تاج سر پر رکھنے کے بعد قیام امن و امان کی ذمہ داری کارل کے سر آگئی تھی، اور اس سے پاپا کو

مدد ملنی یقینی تھی، اس لئے کہ کارل نہ یہ گوارا کر سکتا تھا کہ رومہ خود مختار ہو جائے اور نہ یہ کہ مغرب کا استقف اعظم خارج البلد ہو۔

کارل نے پاپا کے اس فعل کو حیرت و ناگواری سے تو بہت دیکھا، لیکن تاج سر سے اٹارا نہیں شہنشاہ کالقب اس نے اختیار کر لیا، اور برابر اس کوشش میں رہا، کہ شہنشاہ قسطنطنیہ اسے اپنا ہمسرتسلیم کر لے، اور اس سے اس کو اپنی شہنشاہی کی سند جواز ہاتھ آجائے۔ لیکن اس وقت کے شہنشاہان قسطنطنیہ بڑے مستبد و تند مزاج تھے وہ کسی طرح اس ڈھب پر نہ آئے۔ بلکہ اٹے اس کی تحقیر و تذلیل ہی کرتے رہے۔ کارل اس بدولی سے برا فروختہ نہیں ہوا، بلکہ برابر مصالحانہ کوشش جاری رکھیں، یہاں تک کہ بالآخر سلمہ میں شہنشاہی سفیروں نے اسے ”امپراطور“ و ”باسیلیاس“ کے القاب سے یاد کیا، جو ”شہنشاہ“ کے مرادف تھے، اور اس سے اس کی غرض حاصل ہو گئی۔

کارل کا تاج پہن لینا بیانات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ ایک باغیانہ و ناجائز فعل تھا۔ اور گو کارل بذات خود ہمیشہ قسطنطنیہ کے شہنشاہوں کو تسلیم کرتا رہا، تاہم مغرب میں علی العموم یہ خیال پھیل گیا تھا، کہ مشرقی شہنشاہی کے خاتمہ اور مغرب کی عظمت گم گشتہ کے اعادہ کا وقت آگیا ہے۔ چنانچہ ان کی فہرست شہنشاہان میں قسطنطین ششم کے

بعد کارل ہی کا نام آتا ہے۔ اس کی تخت نشینی یقیناً ایک بغاوت تھی، اور یہی ان لوگوں کا منشا بھی تھا، اُس وقت کسی نے اس کی بھی پروا نہ کی، کہ اس کا کوئی قانونی جواز پیش کرے۔ لیکن کچھ روز کے بعد اس کی مختلف تاویلات پیدا ہونے لگیں، چنانچہ یہ تین تاویلیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شہنشاہی فریق کا یہ دعویٰ، اور واقعیت کے لحاظ سے بالکل بجا، دعویٰ تھا، کہ کارل کے حق کی بنا اس کی ملک گیری و فتوحات پر تھی، ہر کہ شمشیر زندہ سکے بنائیں خواندہ پاپا کے مقلدین نے یہ شق اختیار کی، کہ جب پاپا نے بہ حیثیت نائب حواری پطرس، شہنشاہ قسطنطنیہ کو معزول کر کے کارل کے سر پر تاج رکھ دیا، تو استناد کے لئے یہ بالکل کافی ہے۔ لیکن یہ تاویل بہت بعد میں پیدا ہوئی، اُس وقت یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، کہ پاپا اس حیثیت سے یہ فعل انجام دے رہا ہے۔ باشندگان روم ایک تیسری دلیل کارل کے استحقاق تاج کی پیش کرتے تھے، کہ انہوں نے دستور قدیم کے مطابق اُسے اپنا حکمران منتخب کیا ہے۔ اس استدلال کی بنا واقعیت پر صرف اس قدر ہے، کہ خلقت نے کارل کی سر پر تاج دیکھ کر نعرہ ہائے مسرت بلند کئے تھے، اور بس۔

یہ ہے مغرب میں تجدید شہنشاہی کی سرگزشت جو بلحاظ نتائج ایک اہم ترین واقعہ ہوا ہے۔ اس نے اُلی دہزنی کے

درمیان ایسا اتحاد پیدا کر دیا، جو باوجود دیگر منافع کے کم از کم سیاسی حیثیت سے دونوں کے حق میں برباد کن ثابت ہوا۔ یہ اسی تاجپوشی کا اثر تھا، کہ پورے سات سو برس تک جرمن سلاطین اس غلط فہمی کی بنیاد پر کہ اٹلی پر حکمرانی ان کے فرائض میں داخل ہے، اٹلی میں برابر لا حاصل فوجبشی کرتے رہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی قوت مشرقی قلمرو کی توسیع میں صرف کریں، کہ اسی رخ کامیابی ممکن تھی۔ اٹلی میں کیا کامیاب ہوتے، خود جرمنی میں اتحاد پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بہتر سے بہتر سلاطین کا بہترین وقت اٹلی کی سرزمین میں ضائع ہوا اور جرمنی کا سیاسی اتحاد زمانہ موجودہ سے پیشتر عمل میں نہ آسکا۔

کارل کے تاجدار ہو جانے سے اس کی شان و عظمت و اقتدار میں بہت کچھ اضافہ ہو گیا۔ ”شہنشاہ“ کا لقب ”بادشاہ“ سے بہت بڑھا ہوا ہے، اس کے فرائض اور ذمہ داریاں بھی بہت بڑھی ہوئی تھیں۔ کارل خود اس جدید لقب کی بنیاد پر اپنے تئیں بہت بڑا شخص سمجھنے لگا۔ شہنشاہ کے متعلق یہ خیال تھا، کہ اسے یہ مرتبہ براہ راست خدا سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ صرف خدا ہی کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔ اس عقیدہ کی جھلک خود کارل کے طرز عمل میں بھی نظر آتی ہے۔ چنانچہ شہنشاہ ہونے کے بعد اس نے اپنی رعایا سے جو حلف اطاعت اٹھوایا، وہ یہی نہ تھا کہ

وہ ہمیشہ بہ حیثیت عہدہ شہریوں کے رہیں گے، بلکہ بہ حیثیت عہدہ مسیحیوں کے بھی رہیں گے۔ گویا شہنشاہ نے اپنی رعایا کے مذہب کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔

اس لق و دق مملکت کی حکمرانی کے لئے کارل کو نئے طریقے وضع کرنے پڑے، اور پرانے دستوروں میں ترمیم کرنی پڑی۔ اس نے قدیم جرمن دستور کے مطابق مٹی میں دربار عام منعقد کرنا شروع کئے، اور گو ان میں اس کی ساری رعایا شریک نہیں ہو سکتی تھی، تاہم ایک بڑی تعداد ضرور شریک ہوتی تھی اس لئے کہ بڑی بڑی جماعت اسی میں ملے پاتی تھیں۔ اس نے اپنی مملکت کو پرگنوں میں تقسیم کر دیا، اور ہر پرگنہ بہ ایک پرگنہ دار مقرر کر دیا مغرب میں یہ پرگنے شہروں اور ان کے مضافات پر مشتمل تھے، مشرق میں ان سے دار قدیم جرگہ دار حد بندیوں سے تھی، اور سرحد پر نئے اضلاع وجود میں لاکر سرحدی پرگنہ داروں کے تحت میں رکھے گئے۔ پرگنہ دار اپنے اپنے پرگنے کے نظم و نسق کے ذمہ دار تھے۔

اگوستین ایلمن، سیکسنی، و بویریا کی ریاستیں فنا ہو گئیں، اس لئے کہ ان کے وجود سے شہنشاہی کو خطرہ تھا۔ اب صرف بیننی وٹو، بریٹانی، و گیکنی کے رئیس باقی رہ گئے، لیکن درحقیقت وہ بھی اب رئیس نہ تھے، بلکہ محض کارل کے عہدہ دار تھے۔

حکام و محال پر نگرانی رکھنے کے لئے کارل نے چند دورہ کرنے والے کنشز مقرر کئے، جو تمام ملک میں دورہ کرتے پھرتے اور حکام مقامی کے کاموں کا معائنہ کرتے رہتے تھے۔ حکام ملکی و مذہبی سب ان کے زیر نگرانی تھے۔ مقامی حکام کے خلاف مرائے ان کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ ان کے خلاف دادیسی ان سے ہوتی تھی۔ یہ دو دو کی تعداد میں بھیجے جاتے تھے۔ جن میں ایک مذہبی افسر ہوتا تھا۔ فوج کا انتظام، وصول مالگزاری، مدارس و مکاتب، کلیسا کی اخلاقی حالت، اور عام نظم و نسق کے معاملات، ان تمام چیزوں کی نگرانی ان کے سر تھی۔ اور ان کے ذریعہ سے کارل اپنے رعایا کی ملکی و مذہبی جزئیات تک سے باخبر رہتا تھا۔ حکام کلیسا بھی اس وقت مثل حکام ملکی کے سمجھے جاتے تھے، اور ان کے سر بعض ملکی فرائض بھی ہوتے تھے۔ اور توقع یہ کی جاتی تھی، کہ وہ اور حکام ملکی دونوں مل جل کر باہمی اشتراک و معاونت سے کام کریں گے۔ لیکن با اینہم ان کے حدود عمل با ضابطہ کچھ بھی طے نہیں ہوئے تھے، اور اصولاً مثل سابق کے اب بھی ان میں پورا خلط مبعث باقی تھا۔

کارل بذات خود ہر معاملہ کی نگرانی رکھتا تھا، اس کا سارا زمانہ دورہ کرتے رہنے، دادیسی کرنے، محاربہ کرنے فصل خصومات کرنے، اور انتظامی نگرانی میں صرف

اس نے اپنا فوجی نظام وہی رکھا جو پہلے سے چلا آتا تھا وہ جس وقت اعلان جنگ کرتا۔ اسکی تمام آزاد رعایا کو لبیک کہنا واجب ہو جاتا۔ لیکن بعد مسافت اور کثرت محاربات کے باعث رعایا کو تکلیف محسوس ہونے لگی، اور بہتوں نے اس خدمت سے جی چرانا شروع کیا۔ اس کشمکش کا تصفیہ بالآخر یوں ہوا، کہ کئی کئی آدمی ملکر ایک شخص کو اپنا نائب بنا کر جنگی خدمت کے لئے بھیج سکتے ہیں۔ کارل نے سواصل کی حفاظت کے لئے ایک بیڑا بھی تیار کرایا، اور آگے چلکر دریائوں کے دہانوں کو قلعہ بند کرا دیا۔

بہ حیثیت واضع قانون کے بھی وہ بیکار نہیں رہا، گو اس کے قوانین میں کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔ اس نے جرمن قوانین و آئین کو محفوظ رکھنا چاہا، اور اس غرض سے انہیں ضبط تحریر میں لے آیا۔ اُس کے قوانین جرمن، رومی و انجیلی قوانین کا ایک معجون مرکب ہیں۔ اس کی حکومت مسیحیانہ تھی، اس لئے انجیل کے احکام واجب العمل تھے اور ہر قانون کو اس کے مطابق ہونا ضروری تھا، اس سے اس کے قوانین میں خاصا مذہبی رنگ آگیا۔

کارل نے عمارات میں خاص شہرت حاصل کی۔ اس نے کثرت سے کلیسا تعمیر کرائے، جن میں آگن میں سینٹ سری کا گرجا خاص طور پر مشہور ہے۔ اپنے لئے ایک قصر عالی شان اس نے آگن میں تعمیر کرایا۔ ایک انگل ہایم میں، اور ایک

نمونگیں میں مینز میں دریائے رائن پر اس نے ایک پل بھی تعمیر کرایا مگر وہ اس کی زندگی ہی میں آگ لگنے سے برباد ہو گیا۔ اس کے معمار اور کاریگر زیادہ تر اطالوی ہوتے تھے۔ کثیر التعداد ستون اور تعمیر کے دوسرے مسائل وہ اٹلی سے بچد صرفا کر کے منگاتا۔ اس کا طرز تعمیر ایک قسم کا بازنطینی ہی تھا اس معنی کر کے کہ رومینا کی عمارت اس کے لئے نمونہ کا کام دیتی تھیں۔

کارل کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ اُس کی سرپرستی ہے۔ اس کا دربار اس زمانہ کے مشہور ترین علما و فضلا کا مرجع تھا۔ مثلاً الکونین، پالس، ڈیاکونس، اور پیٹراف پیا، اس نے قصر شاہی میں ایک دارالعلوم قائم کیا، جس کے ہر رکن نے اپنے لئے کوئی انجیل یا قدیم علمی لقب اختیار کیا، چنانچہ خود کارل کا لقب اس محفل میں ڈیوڈ تھا۔ اس مجلس علمی کے اجلاس زیادہ تر ایام سرماییں منعقد ہوا کرتے، اس لئے کہ فصل گریا کارل محاربات میں گزارتا تھا۔ مجلس میں علما خطبے پڑھتے تھے، اور ہر علم و فن پر مباحثے ہوتے تھے۔ عہدہ داران کلیسا اس وقت علی العموم بالکل جاہل ہوتے تھے، جو وعظ نہیں کر سکتے تھے، ایسے لوگوں کے لئے اُس نے ایک کتاب مواعظ تیار کرا دی۔ اُس نے کلیساؤں میں مدارس کھلوائے، جن میں قابل ذکر رئیس و آریئیس کے مدارس ہیں، نیز خانقاہوں میں جن میں قابل ذکر سینٹ کمال، ٹور راسچنو غلڈا، ہرسفلڈ، و کوروے کے مدارس ہیں۔ ان تعلیم گاہوں کا

اصل مقصد پادریوں کو تعلیم دینا تھا ، لیکن ان کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوئے تھے ۔ موسیقی کے بھی اس لئے دو مدرسے قائم کرائے ، ایک مٹنر میں دوسرا سویسوں میں اور پایا سے ایسے معلموں کو طلب کیا ، جو اٹلی کے فن موسیقی کی تعلیم دے سکیں ۔

کارل کے متعلق جو قصص سینٹ گال کے ایک راہب نے جمع کئے ہیں ، اُن میں ایک روایت ایسی ہے ، جس سے کارل کی علم دوستی پر خاص روشنی پڑتی ہے ۔ ایک مرتبہ عرصہ دراز کے بعد وہ آکن واپس ہوا ، اور اس وقت اس نے سب طلبہ کو بلا کر ان کا امتحان لینا شروع کیا ، امرا کے لڑکے ناکام رہے ، اور طبقہ اوسط کے لڑکوں نے خطوط میں نظموں میں اور دیگر مضامین مروجہ کے ذریعہ سے اپنی قابلیت و محنت کا پورا ثبوت دیا ۔ کارل یہ دیکھ کر امیرزادوں پر سخت غضب ناک ہوا ، اور ان کی بدشوقی پر سخت ناخوشی کا اظہار کیا ۔ اس نے کہا کہ اگر ان کی بدشوقی کی یہی حالت رہی تو ان کی امیرزادگی کچھ کام نہ آئے گی ، اور وہ تمام شاہانہ الطاف و مراحم سے محروم رہیں گے ۔ طبقہ متوسط کی اولاد کی اس نے مدح و تحسین کی اور کہا کہ اگر وہ ایسے ہی ترقی کرتے رہے ، تو ہر قسم کے عطایائے خسروانہ کے مستحق ہوں گے ، اور بہتر سے بہتر استغفیاں انہیں مرحمت ہونگی ۔

اجیائے علم کی بنیاد و حقیقت اسی وقت سے پڑتی ہے اس نے نویں صدی میں جبر و قدر اور استحالہ اجسام کے مباحث کی شکل اختیار کی، اور جس کی جھلک اس وقت کے عام ادب میں نظر آتی ہے۔ لاطینی زبان کی تحصیل پر جو اس وقت زور دیا گیا، اس کا خاص اثر ہوا۔ کلیسا کی لاطینی زبان اب صاف ہو گئی، لیکن ساتھ ہی تحریری زبان اور روزمرہ میں تباین بھی کافی ہو گیا۔ اسی بگڑی ہوئی روزمرہ سے فرنج زبان کی بنیاد پڑی، اور بہ حیثیت ایک علمی زبان کے اس کے استعمال و ترقی میں قدیم لاطینی کی تجدید سے بہت مدد ملی۔ قدیم لاطینی مصنفین کے مسودات و تصانیف تلف ہو رہے تھے، مگر اب ان کی حفاظت کا خاص اہتمام ہونے لگا، اور یہ طے پا گیا کہ قرون وسطیٰ کی تعلیمی زبان لاطینی ہی رہے۔

کارل کو لہنی ماورسی زبان جرمنی سے بھی خاص محبت تھی، اس کی صرف و نحو اس نے مرتب کرائی، اور کوشش یہ کی، کہ اس کے قواعد مرتب ہو کر یہ علمی زبان کا کام دے اس نے قدیم ترین جرمن افسانوں و نظموں کو جمع کرایا، لیکن افسوس ہے کہ اس کے فرزند لڈوگ نے اس مجموعہ کو اس بنا پر ضائع کر ڈالا کہ اس میں مشرکانہ عقائد پائے جاتے ہیں۔

کلیسا کے ساتھ اس کا جو طرز عمل تھا، اس کا ذکر گزیر چکا

وہ کلیسا کی حمایت حفاظت و اشاعتِ دین اپنے فرائض میں داخل سمجھتا تھا اس کے محاربات کے محرکات سیاسی ہونے کے ساتھ اکثر مذہبی بھی ہوتے تھے۔ ممالک مفتوحہ میں وہ کلیسا اور پادریوں کے موجود ہونے کا خاص اہتمام رکھتا تھا، وہ اپنے تئیں کلیسا کا سردار سمجھتا تھا اور پادریوں اور لاٹ پادریوں کے عزل و نصب کو اپنے حدودِ اقتدار کے اندر جانتا تھا۔ کلیسا کی تنظیم جو بونفیس کے وقت میں شروع ہوئی تھی، اس کے زمانہ میں تکمیل کو پہنچ گئی۔ مذہبی مجالس کو منعقد کرنا، ان کی صدارت کرنا، ان کی کارروائیوں پر دستخط کر کے انہیں مستند بنانا یہ سب اس نے اپنے سر رکھا۔ عام رعایا کی طرح اس کے عہد میں اہل کلیسا بھی تمام تر ملکی قوانین کے پابند تھے۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے وہ یکی کی تحصیل لازمی قرار دی۔ کارل سے پیشتر کوئی شخص وہ یکی کا نام بھی نہیں جانتا تھا۔ کارل نے اپنے ہر مفتوحہ علاقہ پر اور علی الخصوص سیکسنوں پر اس کی ادائیگی لازمی قرار دے دی یہ عشرچونکہ کلیسا ہی پر صرف ہوتا تھا، اس لئے اس کا تحلیل بھی لوگوں کے ذہن میں بدل گیا۔ اب یہ احکام توریت کے مطابق ایک مذہبی ٹیکس سمجھا جانے لگا، اور کٹنام مسیحی ممالک میں لازمی ہو گیا۔

کارل نے کلیسا پر اپنا اثر یہیں تک محدود نہ رکھا۔ اس نے کلیسا کے مراسم و دستور بلکہ عقائد تک کو اپنی

محکومیت میں رکھنا چاہا، سوشلزم میں ملکہ آیرین نے نیسیا میں مجلس منعقد کر کے یہ مسئلہ چھیڑا، کہ گر جا میں بتوں کا استعمال کسان تک جائز ہے۔ مجلس نے آیرن کے استعراج سے جواز کا فتویٰ صادر کر دیا۔ اور اس فیصلہ سے پاپا ہیڈرین (۱۹۰۷ء تا ۱۹۰۹ء) کو اطلاع دے دی۔ ہیڈرین خود شروع سے اسی کی ٹائیڈ میں تھا، اُس نے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا، اور اپنی منظوری کے ساتھ کارل کے پاس اس غرض سے روانہ کیا کہ انہیں شائع کیا جائے۔ لیکن کارل کی رائے اس کے مخالف تھی۔ اس نے سوشلزم میں پادریوں کی ایک دوسری مجلس منعقد کرا کے اس فتوے کے خلاف دوسرے فتویٰ صادر کرایا۔ یہ اختلافی فتویٰ پاپا کے پاس بھیجا گیا، اور تنبیہ کی گئی کہ اُسندہ سے وہ ایسے ہر معاملہ میں کارل کی منظوری کا انتظار کیا کرے۔ ایک دوسرے مراسلے میں اس نے پاپا کو ہدایت کی کہ اس کا کام ملکی معاملات میں مداخلت کرنے کا نہیں ہے، جن کا واسطہ تمام تر شہنشاہ سے ہے بلکہ محض عبادت میں مصروف رہنا ہے۔ کارل اس میں پشیمہ نہیں کہ اس وقت مغرب میں سب سے برتر و با اقتدار شخصیت رکھتا تھا، اور اس کی حیثیت سب کو مستم تھی۔ ملکی معاملات میں تو وہ علانیہ پاپا کا افسر تھا، اور عملاً مذہبی معاملات میں بھی شہنشاہ اور پاپا کے باہمی تعلقات و اختیارات کی کوئی مضابطہ و قانونی تفریق موجود نہ تھی، اصولاً کبھی

یہ سوال چھڑا ہی نہ تھا۔ اکثر دونوں کے حدود عمل میں تصادم ہو جاتا تھا، لیکن اصولی و کلی حیثیت سے کبھی اس سوال پر نظر نہیں کی گئی۔ پاپا کا دعویٰ یہ تھا کہ میں سینٹ پطرس اور تمام کلیساؤں کا پادری ہوں، اسلئے کل معاملات مذہبی کا افسہ اعلیٰ ہوں۔ کارل اس کے مقابلہ میں یہ کہتا تھا کہ میں مسیحی شہنشاہ ہوں اور تمام دنیا کا فرمانروائے مطلق اس قضیہ کا تصفیہ کیس صدیوں کی جدوجہد کے بعد جا کر ہوا۔

کارل کی شخصیت میں وہ جرمن، رومی، وسیعی عناصر کی جامعیت تھی، جو قرون وسطیٰ کی ایک نمایاں خصوصیت ہے اپنے مذاق طبیعت، انداز و اطوار، گفتار و لباس، میں وہ پورا جرمن تھا، بحیثیت فرمان روا کے رومی تھا، اور اپنے عقائد و خیالات میں مسیحی تھا۔ اس کے زمانے میں سگار مغرب میں اسی کا ڈونناج رہا تھا اور اس کی عظمت اس درجہ مسلم تھی کہ اس کے معاصر ہنداؤ کے خلیفہ اعظم ہارون الرشید تک نے اس کی دوستی کی ضرورت محسوس کی، جب اس نے اندلس میں اپنی باغی رعایا کی تادیب کرنی چاہی۔

کارل کے شیر و صدرالمام بیٹی آئینارڈ نے اس کی ایک دھپ سونخ عمری لکھی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں، کہ کارل کا نام دنیا کے مشاہیر رجال کی فہرست میں

ہونا چاہیے۔ اس کی رعایا کا متحیدہ اس کی شخصیت سے بے انتہا متاثر تھا، یہاں تک کہ اس کی وفات کے بعد صدیوں تک اس کے متعلق عجیب عجیب روایات و افسانے مشہور رہے، جن پر قرون وسطیٰ میں ہر شخص کا اعتقاد رہا۔

۲۸۔ جنوری ۱۳۱۷ء کو اس کا یہ مقام آگن ذات الریہ سے انتقال ہوا، اور اسی روز اپنے تعمیر کئے ہوئے ایک ٹمے کلیسا میں مدفون ہوا۔ مقبرہ کے اوپر ایک طلائی محراب بنائی گئی جس پر اس کی شبیہ اور ایک کتبہ کندہ کیا گیا۔ کتبہ کے الفاظ یہ تھے :-

اُس مقبرے میں کارل اعظم
راخ العقیدہ شہنشاہ مدفون ہے
جس نے شان و شوکت کے ساتھ
فرشیکوں کی سلطنت کے حدود
کو وسعت دی، اور ۷۴ سال
تک نہایت خوشحالی کے ساتھ
حکومت کی، ۷۰ سال کی عمر میں
۲۸۔ جنوری ۱۳۱۷ء کو انتقال کیا۔“

باب (م)

(*) ————— شہنشاہی کا انحطاط

اس میں شبہ نہیں کہ کارل کو بہت بڑی سلطنت ملی تھی، اور اس نے اپنی ذاتی قابلیت سے خوب حکمرانی کی تاہم یہ اس کے اسکان میں نہ تھا، کہ اتنے قلیل عرصہ میں وہ اپنی اس قدر مختلف الاصل رعایا کو بالکل متحد بنا دے۔ گو سب ہم مذہب، اور ایک ہی بادشاہ کی رعایا تھے، تاہم اس سے یہ ممکن نہ تھا کہ مختلف النسل، مختلف القبائل مختلف المزاج، مختلف الاطوار، و مختلف اللسان ہونے کی بنا پر جتنے اختلافات تھے، وہ سب مٹ جاتے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کارل کی آنکھ بند ہوتے ہی یہ تمام اختلافات زور دکھلانے لگے۔ کارل نے ایک نہایت ہی خوب کوشش

یہ کی تھی، کہ قوم کو سلطنت روم کے منونے پر ڈھالے لیکن یہ سعی ناکام رہی، اور اس کی سلطنت پارہ پارہ ہو گئی کچھ تو اس باعث سے کہ اس کے جانشین نہایت کمزور ہوئے جن کے عہد میں ملازمین و حکام زمینوں اور جائیدادوں پر قابض ہو گئے۔ اور کچھ اس سبب سے کہ سلطنت کو ذاتی جائیداد سمجھ کر اس کے اجزاء بہ طور ترکہ کے وارثان سلطنت میں تقسیم ہو گئے۔ اور پھر اس ضعف و انحطاط کو بڑی تائید اس امر سے پہنچی، کہ ملک میں اندرونی اختلافات جو پیشتر سے موجود تھے، ان کی وہی ہوئی آگ کو وحشیوں کے حملے نے اور اکسادیا۔ جرین نہایت بلند نظر و مغرور قوم تھی۔ ذاتی ترفع کا موقع اس کا ہر فرد ڈھونڈ مٹتا تھا۔ اور چونکہ اس وقت میاں قابلیت و تفاخر فن سپہگری تھا، اس لئے ان لوگوں نے قدرتی طور پر ایسی صورت حال پیدا کر دی، کہ جنگجوی و خونریزی کی قوت سب پر مسلط ہو گئی۔ کارل کی سلطنت کو پارہ پارہ ہو گئی، تاہم اس کے عہد حکومت میں اس کا ہر حصہ ایسے موثرات سے متاثر ہو چکا تھا، جن کا اس کے مستقبل پر بھی اثر رہا۔

کارل کے لڑکے لڈوگ تھی (۸۱۴ء تا ۸۴۰ء) کے زمانہ میں جو اپنے والد کی تمام خصوصیات سے معری تھا سلطنت میں جلد جلد ضعف ہونے لگا۔ اس کی تعلیم و تربیت پارلیوں کی نگرانی میں ہوئی تھی، اور اس کے نہایت افسوسناک نتائج

پیدا ہوئے۔ اس کے لئے بجائے تخت شاہی کے خانقاہ زیادہ
 سوزوں تھی، اور واقع میں اس نے ایک سے نامد بار اسکا
 تہیہ بھی کیا کہ سلطنت سے دست بردار ہو کر خلوت گزریں
 ہو جائے۔ اس کے ضمیر کی حالت صحیح نہیں رہی تھی، اور
 اسے گویا ایک طرح کا عارضہ ہو گیا تھا کہ اپنی معمولی معمولی غلطیوں
 و فرد گزشتوں کو معاصی کبیرہ سمجھتا، اور بجائے فرائض حکومت
 انجام دینے کے توبہ و استغفار میں مصروف رہا کرتا۔ وہ رعب
 و وہبہ، جو ایسی ابتری و بد نظمی کے زمانہ میں بالخصوص بادشاہ
 کے لئے لازمی ہے، اس سے یہ بالکل معری تھا۔ ضیعت الارادہ
 اتنا تھا کہ عمر بھر کبھی اپنی بیوی کا غلام رہا، کبھی پادریوں
 کا، اور کبھی اپنی اولاد کا۔ کارل اعظم نے اپنی وفات سے
 چھ مہینے قبل یہ طور اپنے جانشین کے اُسے تاج پہنا دیا
 تھا، لیکن اس کی وفات کے بعد اس نے دو بارہ اس رسم
 کو ادا کیا۔ سلاشہ میں پوپ کیو سوم کی وفات ہوئی اور
 اہل روم نے بغیر بادشاہ کی اجازت یا استمراج کے اسٹیفن
 چہارم کو اس کا جانشین منتخب کر لیا۔ یہ اختیارات سلطانی
 کی مکمل ہوئی تو ہینرچی مگر لڈوگ نے اسے بالکل گوارا کر لیا
 جدید پوپ نے اس موقع سے پورا فائدہ اٹھا کر بادشاہ کو
 خط لکھا کہ ”آپ کی تخت نشینی بغیر کلیسا کی منظوری کے
 ہوئی، اس لئے ناجائز ہے۔ پس میرا ارادہ ہے کہ میں خود
 فرانس آکر آپ کو تاج پہناؤں۔“ لڈوگ اس پر بھی راضی ہو گیا

چنانچہ سہ بارہ، پاپائے اسٹیفن نے یہ مقام کس (۸۱۶-۸۱۷ء) میں اُسے تاج پہنایا۔ اور اس طرح پاپائوں کے اس دعویٰ کی تائید میں ایک اور نظیر قائم ہوگئی کہ بادشاہ کی تاج کا اختیار انہیں کو ہے۔

لڈولف کا عہد حکومت احمقانہ غلطیوں کا طوار ہے۔ اس نے اپنے مذہبی جوش میں کارل کے زمانہ کے تمام قابل و اہل الرائے مشیروں کو دربار سے اس بنا پر نکال دیا، کہ ان کی طرز زندگی اس کے معیار کے مطابق زاہدانہ نہ تھی خانقاہوں پر جتنے فرائض حکومت کی طرف سے عائد تھے وہ سب اُس نے ایک ایک کر کے اٹھا دئے، بجز اس کے کہ وہاں بادشاہ، بادشاہزادوں، اور بقائے سلطنت کے لئے دعائیں ہوتی رہیں، اور اس طرح ایک طرف خزانہ شاہی میں آمدنی کی ایک بڑی مدکم ہوگئی، اور دوسری طرف کلیسا کو اپنی خود مختاری و مطلق انسانی کا پورا خیال ہوگیا اس بادشاہ نے خانقاہوں کے مدارس میں دنیا دار طلبہ کا داخلہ بند کر دیا، گرجاؤں اور خانقاہوں کے لئے اس کا دستِ کرم ہمیشہ دراز رہتا تھا، اور خود اس کے گرد و پیش کے رہنے والے بھی پادری و راہب تھے۔ سلام میں اس نے ناقابل تلافی غلطی یہ کی، کہ اپنی سلطنت کو اپنے تینوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر کے انہیں انتظام حکومت میں اپنا شریک کر لیا۔ اس تقسیم سے رشک و رقابت،

سازشوں اور خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا۔ لڈوگ بجائے اس کے کہ ان مشکلات کا دلیری سے مقابلہ کرتا اپنا وقت توبہ و استغفار، اوراد و وظائف میں صرف کرتا رہا۔ اور اس سے بڑھ کر ستم یہ کیا، کہ امراء و اسقفوں کی ایک مجلس کے سامنے ایک گنہگار کی حیثیت سے حاضر ہوا، اور اپنے فرضی و ناکرہ گناہوں سے توبہ کی۔ پھر اپنی زوجہ ثانیہ جو ڈیوڈ کے دباؤ میں آکر اپنی پہلی بیوی کے دولہوں سے کچھ جائداد نکال کر اس کے لڑکے چارلس کے حصہ میں شامل کر دی۔ بناوٹ و خونریزی اس کا لازمی نتیجہ تھا، چنانچہ اس کی زندگی کا آخری زمانہ طرح طرح کی ناپاک غداروں اور سازشوں کی نذر ہوا۔

اب اس نے سلطنت کی متعدد نئی تقسیمیں سوچیں، کبھی اس خیال سے کہ اس کے چہیتے بیٹے چارلس کا نفع ہو، اور کبھی اس غرض سے کہ اس کے بھائیوں کی اشک شوائی ہو، لیکن یہ سب بالکل لاجل رہا۔ چنانچہ جب لڈوگ کی وفات ہوئی (۱۷۶۵ء) تو اس کے بعد بھی اس کے تینوں فرزندوں نے مسلسل تین سال تک جنگ جاری رکھی۔ یہ زمانہ گزرنے کے بعد بالآخر تینوں بھائی مصاحت پر آئے اور معاہدہ درودون (۱۷۶۳ء) کے بعد سے صلح و آشتی سے رہنے لگے۔

اس صلحنامہ کے بموجب تاج شہنشاہی فرزند اکبر لوڈوگ

ملا۔ شہنشاہ کے لئے دو دارالحکومت یعنی روم و افسس لازمی تھے۔ اس لئے اٹلی، اور اٹلی و بحر شمال کے درمیان والا قطعہ زمین بھی اس کے حصہ میں آئے۔ اس علاقہ کی حد مشرقی دریاے رائن تھی، لیکن یہ مقام بون یہ سرحدی خط اس دریا سے بہت کر دہانہ و سیر کے شمال میں واقع ہو گیا تھا۔ مغرب کا سرحدی خط دہانہ رون کے چند میل مغرب سے شروع ہو کر لیانس کے قریب خود اس دریا سے مل جاتا تھا، اور وہاں سے منج میوز تک آتا تھا۔ یہاں سے یہ دریا آرڈینز تک سرحد کا کام دیتا تھا۔ پھر یہ خط شلت سے لجاتا تھا، اور اس کے دہانے تک قائم رہتا تھا۔ چارلس "اصلح" کے حصہ میں اس علاقہ کے مغربی مقامات آئے۔ اور لڈوگ جرمن کے قبضہ میں مشرق کا قطعہ، اور فینر، و ورمرز اور اسپیرجو رائن کے مغرب میں واقع تھے۔

اس تقسیم سے چارلس و لڈوگ خاص نفع میں رہے اس لئے کہ ان کے مقبوضات نشتر نہ تھے، بلکہ یک جا تھے اور انہیں رعایا ایک ہی قوم کی ملی۔ لڈوگ کی رعایا تو تمام جرمن تھی، اور چارلس کی رعایا میں گو مختلف اقوام شامل تھیں، تاہم متحد الاصل تھیں، اور جرمن عنصر کھٹی میں جذب ہوتا جاتا تھا۔ جرمن و فرانس کی تاریخ بہ طور مستقل ممالک کے ۱۶۴۳ء ہی سے شروع ہوتی ہے۔ لیکن پھر کی رعایا بالکل مختلف الاصل اقوام پر مشتمل تھی۔ اس کے علاوہ

اس کی قلمرو کی جغرافیائی حیثیت کچھ اس قسم کی واقع ہوئی تھی کہ اس کی محافظت دشوار تھی۔ چنانچہ اس کی سلطنت کا نام خود اس کے نام پر پڑا۔ یعنی جبکہ چارلس، فرانکون کا بادشاہ اور لڈوگ، جرمنوں کا بادشاہ کہلاتا تھا، تو تھر کی سلطنت تو تھر ہی کی سلطنت سے موسوم رہی۔ جغرافیائی و نسلی، دونو حیثیات سے یہہ نامکمن تھا، کہ تو تھر کی سلطنت یکجا و متحد رہے سلسلہ آپس نے اسے دو حصوں میں الگ کر دیا تھا۔ اٹلی کے لئے بے شبہ ایک قوم بن جانا ممکن تھا، لیکن آپس سے بحر شمال تک رائن کے کنارے کنارے جو یہ پتلی چٹ چلی گئی تھی، اس کی قسمت میں یہ تھا کہ بالکل پارہ پارہ ہو اور صدیوں تک فرانس و جرمنی کے نبرد آزمائیوں کی آماجگاہ بنی رہی۔

نویں صدی میں جو لغات و برہمی پھیلی، تو تھر اسے نہ دیا سکا، بلکہ مدتوں اس کوشش میں ناکامی کے بعد عاجز آکر بالآخر اپنے ملک کو اپنے تین فرزندوں کے درمیان تقسیم کر کے خود ایک خانقاہ میں زاویہ نشین ہو گیا، چنانچہ چند ہی روز بعد اس کی وفات ہو گئی (۸۵۵ء) فرزند اکبر لڈوگ ثانی کے حصہ میں ملک اٹلی اور تاج شہنشاہی آیا۔ چارلس کے حصہ میں پروونس، و برگنڈی پڑے۔ اور تو تھر ثانی کے حصہ میں فریسیا، اسٹریسیا، اور باقی ممالک جو شمال آپس میں واقع تھے، جس کا آگے چلکر نورین نام پڑ گیا۔ ان بھائیوں میں صلح قائم نہ رہ سکی، خونریزی شروع ہوئی اور

۱۶۳۲ء تک برابر قائم رہی۔ تا آنکہ چارلس نے وفات پائی اور اس کی قلمرو کو دونوں بھائی اپنے زیر نگین لے آئے۔ ۱۶۴۸ء میں لوئیس ثانی کا انتقال ہوا۔ اور اس کی قلمرو اسکے دونوں چچاؤں، یعنی چارلس "اصلح" شاہ فرانس، و لڈوگ شاہ جرمنی نے باہم تقسیم کر لی۔ ۱۶۴۸ء میں شہنشاہ لڈوگ ثانی نے وفات پائی۔ اور اس کے ساتھ اس کی نسل کا خاتمہ ہو گیا۔ اب تاج شہنشاہی کے لئے چارلس "اصلح" و لڈوگ جرمن نے لڑنا شروع کیا، مگر چارلس اٹلی پہلے پہنچ گیا، اس لئے پہلے پیوینا میں بہ حیثیت شاہ لوہبروان کے اور پھر رومہ میں بحیثیت شہنشاہ کے اس کی تخت نشینی ہو گئی۔

لڈوگ جرمن اپنے بھائی کے مقابلے پر میدان جنگ میں نہ آسکا۔ اب وہ نہایت سُن وضعیف ہو چکا تھا، چنانچہ دوسرے ہی سال (۱۶۴۸ء) انتقال کر گیا۔ اس کا طویل عہد حکومت باوجود اس کے فرزندوں کی شورش و بغاوت، اور اہل شمال و سلاخوں کی یورش و یلغار کے فی الجملہ کامیاب رہا۔ اس وقت جرمنی کے لئے سب سے اہم و مقدم یہ تھا، کہ مختلف جرمن قبائل متحد ہوں، اور ان میں ایک عام قومیت کا احساس پیدا ہو۔ یہ ضرورت اس کے زمانہ میں پوری ہوئی۔ یعنی مشرقی فرانکس، سیکسن، سوابی، بوریچی وغیرہ سب میں یکجہتی اور

مغربی فرانکون سے مغائرت کا احساس پیدا ہوا۔ لڈوگ نے سلاوی، بوہمی، موراوی قبائل کی تادیب و تنبیہ کر کے اپنی قلمرو کے حدود شمال و مشرق میں خوب وسیع کر لئے اور گو ہیملبرگ کو جہان لڈوگ "پارسا" نے لاٹ پاوری مقرر کر رکھا تھا، یہ تاخت و تاراج سے نہ بچا سکا، تاہم یہ حیثیت مجموعی یہ اہل شمال کے حملوں کی مدافعت میں کامیاب رہا۔ اس نے سلطنت کو ذاتی جائداد پر قبضہ کر کے اپنے تین فرزندوں کے درمیان تقسیم کیا، لیکن کارل بن کا سٹمہ میں، اور لڈوگ سیکسن کا سٹمہ میں انتقال ہو گیا۔ اس لئے ساری سلطنت کا وارث کارل "فریب" ہوا، جس کی تخت نشینی یہ حیثیت شہنشاہ کے سٹمہ میں باپا کے ہاتھوں ہوئی۔

لڈوگ جرمن کے انتقال (سٹمہ) پر چارلس "اصلح" نے اپنی مرثیت کے مطابق اس کی سلطنت کو ہضم کر لینا چاہا، لیکن ناکام رہا۔ اس لئے کہ عین اسی وقت اہل شمال نے اس کی مملکت پر حملہ کر دیا۔ بجائے اس کے کہ یہ انکا مقابلہ کرتا، اس نے انہیں رشوت دی، کہ اس کے بھتیجیوں پر حملہ کریں، اور خود اٹلی اس خیال سے روانہ ہو گیا کہ کہیں شورش ہو جانے سے تلج شہنشاہی ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ لیکن دوران سفر میں، درہ مونٹ گینس کے دامن میں اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ اپنے باپ کا سب سے

زیادہ لاٹولا لڑکا تھا، اور اسی کے سبب سے وہ ہنگامے برپا رہائے جنہوں نے لڈوگ "پارسا" کی زندگی کے آخری ایام بالکل تلخ کر دیے۔ مزاج میں جو بلند نظری و حب جاہ تھی، اس کے تقاضے سے ہمیشہ اس کی کوشش رہی، کہ اپنے مستحق اعزہ کو ان کے جائز مقبوضات سے محروم کر دے۔ ملک گیری کی طمع میں اسے اس کا بھی خیال نہیں رہتا تھا، کہ موجودہ مقبوضات پر تو پوری طرح تسلط رہے۔ اس کے عمال و عمدہ دار اپنی اپنی جگہ خود مختار ہوتے تھے، اور اہل شمال و سرسین نے اس کی مملکت کے بعض حصوں کو خوب جی کھول کے تاخت و تاراج کیا۔ رہا خزانہ سلطنت، تو اسے اس نے خالی کر دیا۔ اس کا جانشین اس کا فرزند لوئی دوم "الکین" ہوا، مگر چند روزہ امید افزا حکمرانی کے بعد ہی فوت ہو گیا (۱۷۷۵ء)۔ اس کے دو لڑکے تھے، لوئی سوم، اور کارل من، اور ایک لڑکا اور یعنی چارلس "سادہ مزاج" اس کی وفات کے بعد پیدا ہوا۔ لوئی سوم (۱۷۷۵ء) اور کارل من (۱۷۷۵ء) کی وفات کے بعد تخت بالکل خالی رہ گیا، اس لئے کہ چارلس "سادہ مزاج" ابھی پانچ برس کا بچہ تھا۔

امرنے ایک بچہ کو بادشاہ بنانے سے ابا کیا اور کارل "فریب" کو تخت نشینی کی دعوت دی، جسے اس نے قبول کیا۔ اور اس کے عہد حکومت میں پھر ایک بار

شہنشاہی کے متفرق و منتشر اجزا اسی طرح متحد ہوئے۔
 جیسے کارل اعظم کے زمانہ میں تھے۔ لیکن اس بار کو پہنچا
 نہ سکا۔ بعد فرہ ہونے کے علاوہ اسے ہر وقت دوسرے
 رہتا تھا، جس کے باعث یہ دماغی و عملی قسم کا کام کرنے
 سے معذور تھا۔ اس کی نااہلی نے بالآخر (۱۷۷۴ء) اسے
 معزول کرایا، اور شہنشاہی سات چھوٹی سلطنتوں میں منتشر
 ہو گئی اس کے بھتیجے آرٹولف کو، جس نے اسے معزول کیا تھا،
 مشرقی فرانس پر طور صلہ کے بلا۔ جنوبی فرانس کے امرا
 نے اوڈو والی پیرس کو بادشاہ منتخب کیا۔ ڈیوک آف اکیٹین
 نے یہ کیا کہ چارلس ”سادہ مزاج“ کو اپنے دربار میں لے گیا
 اور اوڈو کی ماتحتی سے آزاد رہا۔ برگنڈی کی دو سلطنتیں
 بن گئیں۔ ۱۷۷۴ء میں بوسو، والی وائنا، شاہی لقب اختیار
 کر کے جنوبی برگنڈی کا تاجدار بن بیٹھا۔ اب آرٹولف نے
 شمالی برگنڈی پر قبضہ کیا، اور اپنی تخت نشینی کی
 اس کی قلمرو کے حدود دیائے ساون و آر، اور اضلاع
 بیل و لیاٹس تھے۔ یہ تفریق ۱۷۷۴ء تک قائم رہی تا آنکہ
 دونوں سلطنتیں مل کر پوری برگنڈی کی ایک سلطنت قائم
 ہوئی۔ لومبرڈی میں بھی دو سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ بریخبر لومبرڈون
 کا بادشاہ منتخب ہوا۔ اور سیلان کے لاٹ پادری
 نے اسے تاج پہنایا۔ لیکن گیڈو آف اسپولیٹو نے اس پر
 فوجبشی کی، اور مغربی لومبرڈی کے کچھ حصے پر قابض ہو گیا۔

شاہی لقب اختیار کیا۔

سلطنت کی اس تقسیم و تجزی سے معلوم ہوا ہو گا ، کہ نویں صدی میں شہنشاہی کی مرکزیت فنا ہو چکی تھی۔ نظام جاگیرداری کا قدم یورپ میں جم گیا تھا۔ وہ مناصب اور وہ جائیدادیں جو ایک زمانہ سے بالکل بادشاہ کے اختیار میں تھیں اب ان پر امرا موروٹی طور پر قابض تھے۔ شورش و فتنہ کا ہر جگہ زور تھا، زبردست امرا زیر دست امرا کو دباتے تھے۔ اور کل امرا غبار کو غلام بنارہے تھے اس ساری ابتری و بد نظمی کی ذمہ داری نا اہل و نالائق فرمانرواؤں پر تھی، جو وہمی و خیالی القاب کے پیچھے اپنے اہم ترین فرائض کو بھولے ہوئے تھے۔

باب (۵)

انگلستان اور اہل شمال

(۸۰۲ تا ۱۰۷۰)

انگلستان کی چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں تفوق و برتری کے لئے جو کشت و خون تین سو سال سے جاری تھا، وہ اگبرٹ کے زمانہ میں گویا ختم ہو گیا جو وکس کے تخت پر سنبھلے میں جلوہ افروز ہوا، وکس کی دو بڑی رقیب ریاستیں نارتھمبریا و مرسیا لڑتے لڑتے مضمحل ہو چکی تھیں اس لئے اگبرٹ کو تمام ملک پر حاوی و مسلط ہو جانے میں کوئی خاص دشواری انہیں پیش آئی۔ اس نے اپنی عمر کے تیرہ سال کا دل اعظم کے دوبارہ میں صف کئے تھے

اسلئے اس کی نظر لا محالہ بہت بلند ہوگئی تھی، اور اس فرنگی فہم و
کی کامیابی و فتحندی اس میں بھی اثر کر گئی تھی اس نے
بہت دانشمندی سے حکمرانی کی، اور گو اس کی نظر
اقطاع ملک کے سیاسی اختلافات پر بھی رہی، تاہم
اس نے سب کو ایک بڑی حد تک وسکس سے وابستہ
کر رکھا۔

وسکس کا یہ تفوق، دوسری حکومتوں کی طرح بالکل
عارضی ثابت ہوا ہوتا، لیکن اگرٹ کے بعد پورے ۱۵۰
سال تک اس تخت پر نہایت قابل و مدبر فرماں روا
جلوس کرتے رہے، جنہوں نے یہ غایت دانائی ہمیشہ
کلیسا کو اپنا دوست بنائے رکھا۔ اور پھر مختلف حکومتوں
نے جو ایک ہی قوم کا جزو بنا رہنا گوارا کیا، اس کا ایک
بڑا سبب یہ بھی ہوا کہ اہل شمال کے حملوں کا سب کو یکساں
وہم کا لگا ہوا تھا۔ اول اول سسٹھ میں انگلستان کے
مشرقی ساحل پر قزاقوں نے حملہ کیا تھا اس وقت سے
ان کے حملے برابر جلد جلد ہوتے رہے، اور بادشاہ نہ تو
ان کی پوری مدافعت اور نہ اس مدافعت سے کوئی
خاص نفع حاصل کر سکتا تھا۔ اگرٹ کے سارے عہد حکومت
میں یہ شمالی طوفان برابر اٹھتے رہے۔ اس کا فرزند
وجانشین ایتھولف (۸۲۹ تا ۸۵۸) بھی اس سیلاب کو نہ روک
سکا۔ رفتہ رفتہ یہ یہاں تک ولیر ہو گئے کہ

موسم سرما انہوں نے جزیرہ تینٹ میں بسر کیا۔
 اہلویں کے بعد علی المرتبہ اس کے چاروں لڑکے
 فرماں روائی کرتے رہے۔ اہلیاڈ (۸۵۸ تا ۹۰۳)، اہلیبرٹ
 (۸۶۰ تا ۹۱۶)، اہلرڈ (۸۶۶ تا ۹۱۱) اور افرڈ اعظم (۸۹۱ تا ۹۱۶) اب ان فراتوں کی
 روک تھام اور بھی دشوار ہو گئی تھی۔ اسلئے کہ ان کی
 ایک بڑی جماعت نے مشرقی ساحل پر اپنی مستقل بستی
 بسالی تھی۔ شہ میں ڈین تسخیر و ملک گیری کے لئے
 کمر باندھ کر اٹھے۔ نارہمبریا کو تو انہوں نے فوراً لے لیا
 اس کے بعد ایسٹ اینگلیا و فن پر چڑھائی کی اور انہیں
 بھی مسخر کر کے یہاں کی مشہور خانقاہوں کو جلا دیا۔ اور
 اینڈمنڈ دالی ایسٹ اینگلیا میدان جنگ میں کام آگیا جسے
 بعد کو ”ولی“ کا مرتبہ دیا گیا، اور سینٹ ایڈمنٹ سبری
 کے لقب سے اس کا مزار تیار ہوا۔ مرسیا پر بھی تک
 حملہ نہیں ہوا تھا، لیکن شہ میں یہاں کے والی نے
 ڈینوں کو خراج دیے انہیں اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ یہ اطاعت
 صرف ڈینوں کے خوف کے وجہ سے وقوع پذیر نہیں بلکہ
 اس کی ایک وجہ مغربی سیکسن کامیابی کا حد بھی شامل تھا
 شاہ اہلرڈ کے قبضہ میں اب صرف میائے ٹیمس
 کے جنوب کا علاقہ باقی رہ گیا تھا، اور اس کے شمال کا
 سارا علاقہ ڈینوں کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ بلکہ بہ اندازہ
 اب یہ معلوم ہونے لگا تھا کہ ڈین سارے انگلستان پر

قابض ہو جائینگے۔ دینوں نے ٹیمس کے اوپر اور سکس کے اندرون میں حملہ کیا، جس کی مدافعت ہٹلرڈ سے نہ ہو سکی دوران جنگ ہی میں اس کا انتقال ہو گیا اور وارث تخت اس کا بھائی الفرد ہوا، مگر اسے بھی حملوں کے روکنے میں کچھ کامیابی نہ ہوئی۔ کتنی ہی ناکامیوں کے بعد آخر اسے یہ تدبیر سوچھی، کہ دینوں کو رشوت دیکر اسوقت رخصت کروا جائے، اور پھر ان کی آئندہ پیش قدمی کو روکنے کیلئے پوری تیاری کر لی جائے۔ ڈنارک و اسکینڈینیویا سے برابر لکٹ پر لکٹ پہنچتی رہی، اور ۸۷۳ء میں گھٹھرم نے جب ایسٹ انگلیا پر قابض ہو چکا تھا، سکس پر حملہ کر دیا۔ دو سال تک میدان کارزار گرم رہا، مگر عہد نامہ وید مورے ۸۷۸ء میں الفرد کے موافق فیصلہ ہوا۔ گھٹھرم نے مسیحیت کو قبول کیا اور اسے ٹیمس سے اوپر کا آدھا ملک مشرقی انگلستان دیدیا گیا۔ اس علاقہ کا نام ڈینلا رکھا گیا۔ یہاں فاتحین نے اپنی بستی بسائی، اور ایک عرصہ دراز تک مفتوحوں سے بالکل اٹک تھلک رہے، لیکن آخر دونوں میں امتزاج و اتحاد ہو گیا۔

الفرد کے باقی عہد حکومت میں عموماً دینوں سے صلح رہی، البتہ ۸۷۹ء میں اس نے لنڈن ان لوگوں سے چھین لیا اور ۸۹۳ء میں ان کے حملوں کو کامیابی کیساتھ رو کر دیا۔ معاہدہ ویلیمور کے وقت اس کے علاقہ کی حالت سخت ابتر تھی

خانقاہیں اور گرجے جلادے گئے تھے، اہل کلیسا چن چن کر
 جلا وطن یا قتل کر دے گئے تھے۔ قانون و ضابطہ کا نام نہ تھا
 افلاس و بکثت ہر جگہ برس رہی تھی۔ الفرد نے پہلا کام یہ کیا
 کہ فوج کو قواعد داں بنا کر وقت ضرورت کے لئے تیار کیا۔
 اور اس غرض سے ملک کو پانچ ضلعوں میں تقسیم کر کے
 ہر ضلع پر یہ لازم کر دیا کہ اتنی اتنی تیار کی ہوئی فوج مع
 جملہ سنان اسے دینا ہوگی۔ اسی طرح کا معاہدہ ہر شہر سے
 بھی ہوا۔ ان افواج کے ایک حصہ کے ذمہ یہ تھا، کہ
 باہر نکل کر غنیمت کا مقابلہ کرے، اور ایک کے ذمہ یہ کہ
 وطن کی حفاظت کرے۔ ہر زمیندار کے ذمہ یہ تین فرائض
 عائد کئے گئے، کہ فوج میں داخل ہو، اور پلوں اور قلعوں کی
 تعمیر و حفاظت کے لئے ایک خاص رقم ادا کرے۔ الفرد نے
 ایک بیڑہ تیار کرایا، جو ساحل پر پہرہ دیتا تھا، ملک میں
 امن و آئین اس نے از سر نو قائم کیا، اور ناقضین امن
 کی پوری سرکوبی کی۔ شاہی عدالتیں ہر جگہ کھلنے لگیں،
 جن کی نگرانی بادشاہ بنفس نفیس کرتا، اور اگر کوئی حاکم
 عدالت نا اہل ثابت ہوتا، اسے برخواست کر دیتا۔ الفرد
 نے غالباً خود تو کچھ اہم آئین نہیں بنائے، البتہ قدیم قوانین و
 ضوابط اس نے یکجا و فراہم کر دئے۔

الفرد نے اپنی علداری میں اشاعتِ علوم کا بھی خاص
 اہتمام کیا، مَن ہو کر اس نے لاطینی زبان سیکھی، اور

اتنا کمال پیدا کیا کہ اپنی زبان میں بے تکلف ترجمہ کر لینے لگا۔ دور دور سے علم و فضلہ کو بلا کر جمع کیا، اور کارل اعظم کی طرح اس نے بھی اپنے دربار کو ایک مرکز علوم بنادیا۔ اور سب سے بڑھکر تو خود اسی کے تراجم ملک و قوم کے لئے مفید ثابت ہوئے لاطینی سے بیٹھیس کی "تسلیمات فلسفہ" اور اروسس کی "تاریخ عام" محترم بیڈ کی "انگریزوں کی فہرستی تاریخ" وغیرہ کے ترجمہ اس نے خود کئے اور اپنی زیر نگرانی "انگلوسیکس تاریخ" مرتب کرائی۔ آخر الذکر تو تالیف ہے، لیکن جو تراجم ہیں، ان میں بھی بادشاہ نے اپنی طرف سے بہت کچھ اضافہ کیا ہے۔ حاکم حیثیت سے وہ نہایت ہی بلند مرتبہ رکھتا، اور ہمیشہ اپنے تئیں رعایا کا خادم سمجھتا رہا، انہیں اسباب سے قوم نے بھی اسے "اعظم" کا لقب دیا، جو بالکل سجا

افروڈ کے جانشینوں کا کام یہ تھا کہ اب باہر والوں کو آنے سے روکیں ملک دینلا کو از سر نو حاصل کریں، انگلستان میں اندرونی فسادات کو رفع کر کے اتحاد پیدا کریں، اور ڈین کی آبادی میں اور انگریزوں میں مفارقت دور کر کے دونوں کو ایک قوم بنادیں۔ خوش قسمتی سے اسکو جانشین بھی اچھے طے یعنی ایڈورڈ "اکبر" (۱۲۷۲ تا ۱۲۹۷) مخلصن (۱۲۹۷ تا ۱۳۰۷) ایڈمنڈ (۱۳۰۷ تا ۱۳۱۲) ایڈورڈ (۱۳۱۲ تا ۱۳۱۷)

جنہوں نے اپنے فرائض کو دانائی سے انجام دیا البتہ اسکے بعد اڈوک (۵۹۵ تا ۵۹۴ء) کے پکینے کے باعث پھر ابتریاں پھیلیں، اور ام میں نفاق و شقاق پیدا ہو گیا۔ ۹۴۶ء میں ایڈرڈ کے جلوس کے ساتھ ڈلسن نامی ایک مذہبی مہر کی قوت خاص طور پر کام کرتی رہی۔ اس کا انتقال ۹۵۵ء میں ہوا، اور اس لئے ایڈرڈ، اڈوک، اڈگر (۹۵۵ تا ۹۵۴ء) ایڈورڈ ”شہید“ (۹۵۴ تا ۹۵۵ء) اور اٹکلرڈ (۹۵۵ تا ۱۰۱۶ء) کے زمانوں میں شاہی قوت کے پردہ میں ڈلسن کا ہاتھ کام کر رہا تھا، اس زمانے میں تجارت کا سلسلہ بیرونی ممالک سے جاری ہو گیا، امن عام قائم ہو گیا، اور کلیسا اور خانقاہوں کی پوری اصلاح ہو گئی۔ غلامی کی قدیم رسم مٹ رہی تھی، مگر اس کی جگہ جاگیر داری لے رہی تھی۔ بادشاہ کے اقتدار میں بھی اب بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ یعنی وہ صرف مغربی سیکسنوں ہی کا نہیں بلکہ سارے ملک کا فرماں روا تسلیم ہوتا تھا بادشاہ نے اب اپنے دربار میں اپنے احباب و عہدہ داروں کو بڑھایا اور اس طرح امراء قدیم کے اوپر جو پشت پست سے چلے آتے تھے ان امراء جدید کو مسلط کر دیا۔ بادشاہ نے وہ زمین بھی اب اپنے قبضہ میں کر لی، جو رعایا کے عام نفع کیلئے تھی، اور اسے اپنے عمال کے درمیان تقسیم کر دیا آزاد اشخاص کا مجمع، یعنی برادری کے جلسے جو ہوا کرتے تھے

ان کے بجائے اب پیچائیت یعنی حکام و عہدہ داران کلیسا کے جلسے ہونے لگے۔

انگلنڈ کا زمانہ ابتریوں سے پُر رہا۔ اس نا اہل فرماں روا نے انگلستان کو روز افزوں مصائب و نوائب کا ہدف بنائے رکھا۔ ۱۹۱۱ء میں جب ڈینیوں نے انگلستان پر پھر حملہ کیا، اس نے دفع الوقتی کے لئے انہیں کچھ دے دلا دیا، اور انہیں ایسٹ اینگلیا میں آباد ہونے کی اجازت دیدی۔ مگر اس کے بعد بھی اولف شاہ ناروے، سویس شاہ ڈنمارک کے زیر سرکردگی برابر حملے جاری رہے، انگلنڈ نے خائف ہو کر نارمنڈی سے اتحاد پیدا کرنا چاہا، اور اس غرض سے والی نارمنڈی کی ہمیشہ را کے ساتھ شادی کر لی انگریز ڈینیوں کے تسلط سے تنگ آگئے تھے، ۱۸۲۰ء میں ایک روز حالت طیش میں وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور بلا تامل تمام ڈینیوں کا قتل عام کر دیا۔ اور انہیں مقتولوں میں شاہ سویس کی ہمیشہ گنہگار بھی تھی۔ شاہ سویس نے اس کے قصاص میں انگلستان کو چھین لینے کا عہد کر لیا اور ۱۸۲۰ء سے ۱۸۲۵ء تک اس کی فوجیں انگلستان کو تو ہلا کرتی رہیں۔ انگلنڈ نے پھر رشوت و بیکر ٹالا۔ لیکن یہ مدت صلح بالکل عارضی تھی، اور صلح بھی ایک مہلت سامان جنگ کی مصداق تھی، چنانچہ ۱۸۳۰ء میں سویس نے ایک لشکر جہار لا کر جب حملہ کیا، تو سارا انگلستان سبکے

قدم کے نیچے آگیا اور اٹھارہ نارمنڈی میں پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ لیکن سویس کا چند روزہ حکومت کے بعد دوسرے سال انتقال ہو گیا اور اس کا فرزند کینٹ تخت نشین ہوا۔ اٹھارہ اور اس کے لڑکے ایڈمنڈ آیرین سائیڈ کی وفات سے کینٹ انگلستان کا بے اختلاف فرماں روا ہو گیا۔ ۱۱۶۷ء تا ۱۱۸۵ء تک وہ اپنی اس جدید مملکت پر نہایت دانائی و استقلال کے ساتھ حکومت کرتا رہا۔ اس کے عہد میں قدیم سلطنتیں سلطنتوں کی حیثیت سے اتر کر ریاستیں بنتی گئیں۔ کینٹ نے مسیحی مذہب اختیار کر کے کلیسا کو اپنا دوست بنالیا اور انگلستان کے قدیم آئین و ضوابط کی از سر نو تجدید کر کے اس نے اہل ملک کے دلوں سے اپنی اجنبیت کا خیال ایک بڑی حد تک مٹا دیا۔ اور اس سے بڑھ کر اس نے اپنے ملنسار ہونے کے ثبوت میں اپنی شادی بھی اٹھارہ کی بیوہ کے ساتھ کر لی۔ انگلستان میں اس کا عہد حکومت نہایت پر امن رہا، مگر اس سے بھی زیادہ نفع میں ڈنارک رہا اس لئے کہ اب وہ ایسے ملک (انگلستان) سے وابستہ ہو گیا جو اس سے کہیں زیادہ متمدن تھا اور اسی سبب سے مسیحیت کا شیوع بھی اب ممالک شمال میں جلد جلد ہونے لگا۔ ڈینیوں اور انگریزوں میں نسل زبان رسم و رواج آئین و ضوابط کے لحاظ سے کچھ یوں ہی فرق تھا، ایسے اس ملک میں تباہ ہو جانے سے گویا انگریزی قوم میں جبرجستہ

تازہ اضافہ ہو گیا۔

سنہ ۱۳۵۰ء میں کینٹ کے وفات پر یکے بعد دیگرے اس کے دو لڑکے ہرولڈ (سنہ ۱۳۵۰ء) اور ہارٹھا کینٹ (سنہ ۱۳۵۲ء) تخت نشین ہوئے۔ مگر یہ دونوں نہایت وحشی اور فرمانروائی کے بالکل نا اہل تھے۔ انگلستان میں اب پھر بدظمی اور شورش پھیلی اس لئے جب ہارٹھا کینٹ کا انتقال ہوا اور اٹھلرڈ کا فرزند ایڈورڈ ”ساح کانسٹر“ (نابت پذیر) (سنہ ۱۳۶۶-۱۳۷۱ء) تخت نشین ہوا تو لوگ نہایت خوش ہوئے اور غیر ملکوں کی فرماں روائی سے تنگ آکر اہل ملک کو ایڈورڈ کی ذات سے بڑی بڑی توقعات پیدا ہوئے کہ وہ نسبتاً انگریز تو ہے، لیکن اس کی تربیت و نشوونما چونکہ نارمنڈی میں ہوئی تھی اس لئے اس میں ساری خوبو وہیں کی تھی۔ وہ اپنے ہمراہ نارمنوں کی ایک جماعت کثیر لایا جسے اس نے تمام اعلیٰ عہدوں اور مناصب پر فائز کر دیا اور اس سے اہل ملک میں سخت ناراضی و بد دلی پھیلی۔

اس وقت انگلستان میں حقیقی قوت امیرالامرا گودوین والی سکس کو حاصل تھی جس کی ولایت دریائے تیمس کے جنوب میں تھی۔ ایڈورڈ میں نہ قابلیت تھی نہ مستعدی اسکا سارا وقت کاہلی کی نذر تھا۔ ادھر یہ تھا۔ ادھر ناقتمبر یا ورمسیا

سے اس پادسی کو بہتر میں جس کے سامنے لوگ اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں اور وہ انہیں معاف کرتا

کے امراء عظام، سیورڈ ویلفرک خود اپنی ولایتوں کے معاملات میں ایسے مہمک تھے کہ انہیں انتظامات سلطنت سے کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ اس لئے گوڈوین کو اپنے اقتدار و قوت کے بڑھانے کے لئے میدان بالکل خالی ملا۔ اور اس نے اپنے اغزہ و خاندان کی دل کھول کر اعانت کی۔ چنانچہ اپنے لڑکوں اور بعض عزیزوں کو اس نے مستقل ریاستوں کا والی بنادیا اور ۱۲۵۵ء میں اپنی لڑکی ایڈگتھ کو خود بادشاہ کے عقد میں دے دیا۔

۱۲۵۸ء میں کچھ تو امراء کے رشک و حسد اور کچھ خود بادشاہ سے اختلاف ہو جانے کے باعث گوڈوین، فلانڈرز کو واپس گیا۔ لیکن دوسرے ہی سال رعایا نے اسے واپس بلوایا، اس لئے کہ بادشاہ نے اس درمیان میں پھر نارمنوں کو سرخڑھانا شروع کر دیا تھا۔ ۱۲۵۸ء میں ولیم ”حرامی“ والی نارمنڈی، ایڈورڈ لاولہ کے پاس آیا اور اس کے بعد اس سے اپنے لئے سخت انگلستان کا وعدہ لے لیا اس وقت دربار نارمنوں سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن گوڈوین کے آتے ہی سب نے راہ فرار اختیار کی۔ منجملہ ان کے ایک رابرٹ آف جویشتر بھی تھا، جسے کنٹربری کا لاٹ پادری مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کے بھاگ جانے پر اس عہدہ پر ایک انگریز کا تقرر کیا گیا۔ لیکن پاپا کو یہ امر سخت ناگوار گزرا، اس لئے کہ پاپا کا دعویٰ تھا کہ تقررات کلیسا میں عزل و نصب کا اختیار صرف اسی کو حاصل ہے۔

چند روز کے بعد گودوین کا بھی انتقال ہو گیا، اور اس کا وارث اس کا فرزند ہیرولڈ ہوا۔

ایڈورڈ لاولڈ تھا، اس لئے اس کی ولیعہدی کا مسئلہ طے ہونا ضروری تھا۔ ہیرولڈ کونسل شاہی سے نہ تھا، تاہم اگر کوئی ولیعہدی کا مستحق ہو سکتا تھا، تو وہی تھا، امرامیں سب سے بڑا وہ تھا، بادشاہ کا دست راست ابٹک وہ رہا تھا اور بلحاظ صاحب فوج و فرماں روا ہونے کے اب تک وہی نہایت سربراہ و رہ مسلم ہو چکا تھا۔ اب سوا اس کے اور کوئی صورت نہ تھی، کہ قدیم جرمن دستور کے مطابق بہتر شخص کا انتخاب کیا جائے اور اس معیار پر ہیرولڈ پورا اترتا۔

اپنے عہد حکومت کے آخری دس برس میں ایڈورڈ کی کاہلی اور زیادہ بڑھ گئی۔ اس وقت ہیرولڈ سیاہ و سفید کا مالک تھا، اس نے ویلز کی زبردست بغاوت کو فرو کیا ملک میں امن و نظم قائم رکھا، اور پوری معدلت گسٹری کی ملک کے امرا میں صرف ایک لیونرک والی مرسیا ایسا تھا جو اس کا حریف ہو سکتا تھا، مگر اس کو اس نے یوں تھپ لیا، کہ ناکھمبریا کی ریاست جو ابٹک اس کے بھائی ٹوشک کے قبضے میں تھی، اور جس کے خلاف رعایا نے علم بغاوت بلند کیا تھا، وہ اس نے لیونرک کے بھائی مورکیر کو دیدی چنانچہ اس کے بعد جب ۵ جنوری ۱۰۶۶ء کو

ایڈورڈ کا انتقال ہوا، تو ہسپوئلہ بلا اختلاف تخت نشین ہو گیا۔
 نویں صدی تک ڈنمارک، سویڈن، و ناروے کے جرمن قبائل رومہ کے اثر سے بالکل آزاد رہے اور مسیحیت کا تو
 سایہ تک ان پر نہیں پڑنے پایا تھا۔ یہ لوگ مختلف
 جہگوں میں منتشر رہتے تھے اور کوی مرکزی حکومت دیتی
 لیکن نویں صدی میں ان کے بعض سرداروں نے ان کے
 متعدد قبائل میں اتحاد پیدا کیا (جیسا کہ پانچویں صدی میں
 کلڈوگ نے فرنگیوں میں پیدا کیا تھا) اور اب ان کی
 تین مستقل حکومتیں ناروے، سویڈن و ڈنمارک کے نام سے
 قائم ہوئیں۔ مگر ان کے اکثر سردار چونکہ کسی بادشاہ کے
 آگے سر جھکانا اپنی توہین جانتے تھے انہوں نے اپنی آزادی
 و خود مختاری کو برقرار رکھنے کے لئے دوسرے ممالک پر بری
 قزاقی کا پیشہ اختیار کر لیا۔ شروع شروع انہوں نے گال
 جرمنی شمالی اسپین، بلکہ اٹلی تک کے علاقوں پر دست برد
 جاری رکھی۔ ان کا دستور یہ تھا کہ دریاؤں کے راستہ سے
 اندرون ملک میں دُور تک گھس کر چھاپے مارتے، تاخت تاج
 لوٹ مار کرتے، شہروں میں آگ لگا دیتے اور خانقاہوں
 و کلیساؤں پر ان کے خزانوں کے لالچ میں خاص طور پر
 حملہ آور ہوتے۔ ابتداءً ان کے حملے صرف گرمیوں تک
 محدود رہتے، اور یہ موسم سرما میں واپس چلے جاتے لیکن
 کچھ عرصہ کے بعد یہ قید اٹھ گئی۔ اب یہ جس ملک پر

حملہ آور ہوتے وہیں اپنی مستقل آبادی قائم کر لیتے اور وہاں
سابق حکمرانوں سے قرار داد کر کے وہیں توطن اختیار کر لیتے۔
جوں جوں ان کے اہل وطن کو ان کی کامیابی و فتوحات کی
خبر پہنچتی ان کو بھی طمع گھیرتی، اور وہ بھی ان کی دولتیں
شریک ہونا چاہتے۔ اس شرکت کو یہ لوگ کیونکر گوارا
کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ کسی ملک میں آباد ہو جانیکے بعد
جب ان کے اہل وطن اس ملک پر حملہ آور ہوتے تو
یہ خود اہل ملک کے ساتھ مدافعت کرتے اور اپنے نئے وطن
کی حفاظت و حمایت میں خود اپنے اہل وطن کا مقابلہ
کرتے۔

ان شمالیوں میں جرمنوں کی خصوصیت 'زمانہ شناسی
و مطابقت ماحول کی پوری طرح موجود تھی۔ چنانچہ فرانس
میں اگر یہ لوگ فریج بن جاتے تھے، انگلستان میں اگر
انگریز اور روس میں بس کر روسی۔ بائیں یہ اپنے خصوصیات
کو بھی برابر لئے رہتے تھے۔ جرات، شجاعت، و تہور جنگجوئی،
شہرت پسندی، اور حکمرانی کی قابلیت، یہ تمام جوہر ان میں
بدستور قائم رہتے تھے۔ قوم گو تھ کی طرح یہ ہجرت وطن کی قوت
گو اپنا مذہب ترک کر دیتے تھے، لیکن مذہبی رواج اسی طرح
قائم رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے مسیحیت کو قبول کر کے
اس میں اس قدر خلوص و غلو سے کام لیا، کہ گویا یہی
پاپائیٹ کے علم بردار ہو گئے۔ اپنے تباہ کردہ خانقاہوں

اور کلیساؤں کو انہوں نے ازسرنو تعمیر کیا، اور یورپ بھر میں بحیثیت زائرین مقامات مقدسہ کے یہ گشت لگایا کرتے تھے۔ اشخاص ومقامات مقدسہ کا یہ بیحد احترام کرتے تھے، اور قزاقوں سے دفعۃً یہ مسیحی ناٹ بن گئے تھے۔

بالٹک کا مشرقی علاقہ بھی شمالیوں کے حلقوں کی زوہں تھا۔ نویں صدی کے تقریباً وسط میں یہ لوگ اس سہل پر آباد ہونا شروع ہوئے۔ اور ان کے سردار رورک نے فرن، لپ، ولٹ وغیرہ ان تمام قبائل کو، جو مغربی ریں میں متفرق ومنتشر تھے، متحد کر دیا۔ یہ اور اس کے جانشین اپنا اقتدار اندرون ملک کی جانب برابر بڑھاتے رہے چنانچہ نووگروڈ واقع جھیل المان، اور کیو واقع دریائے نیپر ان کے اہم مرکز ہو گئے۔ سوہرس سے زائد تک رورک کا خاندان تمام روس پر حکمراں رہا۔ اپنے مشرقی وجنوبی یورشوں میں یہ قسطنطنیہ تک پہنچے۔ جہاں پہنچکر یہ مسیحیت وتمدن سے دوچار ہوئے دسویں صدی میں شمالیوں کی ایک کثیر تعداد دریائے دولگا کو عبور کر کے آئی، اور ایران کے ایک حصہ کو تاخت وتاراج کیا۔ بحر بالٹک سے لے کر بحر اسود تک شمالی تمام دریاؤں کے کنارے اپنی آبادیاں قائم کرتے آئے، اور اس طرح سے اسکیٹینیوی ممالک میں سفر و تجارت کے راستے قسطنطنیہ و مشرق تک کھل گئے۔

بوسنیا، ہنگری، قسطنطنیہ، بلکہ خلفاء بغداد کے جو سکے سوڈن میں پائے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت بہت وسیع تھی شمال کے مسیحی زائرین کو اس سے فلسطین پہنچنے میں بڑی سہولت ہوگئی، اس لئے کہ راستہ بھر انہیں برابر اپنے وطن کے لوگ ملتے جاتے تھے۔ گیارہویں صدی میں بہت سے شمالی سپاہیوں نے شہنشاہ قسطنطنیہ کی ملازمت اختیار کی اور ان میں سے اکثر اسکے یادہی گارڈ میں داخل ہو گئے۔

تقریباً سٹھ میں شمالیوں نے جزیرہ ہیریڈز، آرکنیز، وٹلینڈ میں جو اب تک صرف آئرش راہبوں اور زاہدوں سے آباد تھے، توطن شروع کیا۔ ان جزائر سے وہ اصل اسکاٹ لینڈ میں آئے اور سو برس کے اندر اندر یہ تمام نوآبادیاں ملکر ایک حکومت متحدہ بن گئیں۔ نویں صدی میں ان کا قبضہ آئس لینڈ پر ہو گیا، اور اس ملک پر یہ ایسا چھائے کہ آئس لینڈ میں ان کے رسم و رواج خود ان کے وطن سے زیادہ محفوظ رہے۔ دسویں صدی میں اہل شمال گرین لینڈ میں آباد ہوئے اور چودھویں صدی تک اپنے وطن سے برابر تعلقات قائم رکھنے کے بعد کسی نامعلوم سبب کی بنا پر یہاں سے چل دئے۔

تقریباً سٹھ میں شمالی ملاحوں نے ساحل امریکہ دریافت کیا، اور یہاں اپنی نوآبادی قائم کرنی چاہی، مگر کامیابی نہ ہوئی۔ آر لینڈ کے مشرقی و جنوبی ساحل میں بھی انہوں نے آبادیاں

قائم کیں، جن میں بعض بارہویں صدی تک موجود رہیں۔ انگلستان و فرانس پر انہوں نے جو حملے کئے انکا ذکر گزرتا ہے۔

داوی جنوبی سین ڈارمنڈی میں رولف نے جو زبردست ریاست قائم کی، اس نے اہل شمال کے حملوں کو روک دیا۔ ڈیوک رولف (۹۱۱ تا ۹۲۷) اور اس کے اخلاف (ولیم لانگسورٹ)، ۹۲۷ تا ۹۳۴، رچرڈ "بیگوف" ۹۳۳ تا ۹۶۱، رچرڈ نیک "۹۹۶ تا ۱۰۲۷"؛ رابرٹ "عظیم الشان" ۱۰۲۷ تا ۱۰۳۵ نے زبردست حکومت قائم رکھی، جس کے ڈارمنڈی کا شمار فرانس کی قوی ترین و بہترین حکومتوں میں ہونے لگا۔ قوانین و آئین کی پوری پابندی ہوتی تھی، امن و نظم ہر جگہ قائم تھا، اور ماتحت رئیس سب کے سب مطیع تھے۔ اسلئے میں رولف نے قبول سیاحت کا اقرار کر لیا تھا، اور ابتدائی وعدہ غلامیوں کے باوجود وہ اور اس کے رفقا بالآخر کلیسا کے بڑے راسخ الاعتقاد پیرو ہو کر رہے۔ اور ڈارمنڈی نے اپنے مدارس، اور خانقاہوں، اور کلیساؤں کے سبب سے خاص شہرت پیدا کی، بلکہ اس کا ایسے آف ایک اپنے نامور بانیوں لانگمک و انسلیم کی وجہ سے تمام یورپ میں مشہور ہو گیا۔ ۱۰۳۵ء میں رابرٹ "عظیم الشان" کا جب انتقال ہوا، تو اس کا ناجائز بیٹا سالہ بچہ ولیم، اس کا حاشین ہوا۔ اپنے ہو کر جب اُس نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینی چاہی، رعایا نے بغاوت کردی۔ سخت جد و جہد شروع ہوئی، آخر ولیم نے اپنے تمام دشمنوں کو مغلوب کر لیا۔

اور نہایت قابلیت ، و فراستگی ، و قوت کے ساتھ حکمرانی شروع کر دی ۔

اب روایت یہ مشہور ہوئی ، کہ ایڈورڈ ” موترف “ اپنے بنی عم ولیم کو اپنا ولی عہد بنا چکا ہے ۔ اسی کے ساتھ دوسری روایت ، جو اس سے بھی زیادہ مشتبہ تھی ، یہ مشہور ہوئی کہ ہیروولڈ کا ایک بار جہاز تباہ ہو گیا ، اور اسے ساحل فرانس پر اتر کر پناہ لینے پڑی ، اُس وقت ولیم نے اس سے عہد لے لیا تھا کہ یہ اس کو تخت انگلستان دلانے میں معین ہوگا ۔ اس بناء پر جب ولیم کو یہ خبر پہنچی ، کہ ہیروولڈ تخت نشین ہو گیا ہے ، تو وہ سخت غضبناک ہوا ، اور حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں ، کہ انگلستان کو بہ زور حاصل کرے ۔ اس نے پہلے ہیروولڈ کو بار بار ایفاء عہد پر توجہ دلائی لیکن ہیروولڈ متوجہ نہ ہوا ۔ اب ولیم نے ہیروولڈ پر چند الزامات لگا کر پاپا کے پاس اپنا سفیر بھیجا ، یہ پیام لے کر کہ اگر پاپا اس کی تائید پر آمادہ ہو جائے تو یہ کلیسائے انگلستان کو اس کے ماتحت کر دے گا ۔ پاپا الگزینڈر ثانی اس کی تائید پر آمادہ ہو گیا ، اسے برکت دی اور ایک علم مقدس اس کی فوج کے لئے بھیجا ۔ اس اثناء میں ولیم نے بیڑہ تیار کیا ، اور فوج بھی خوب جمع کر لی ۔

شاہ ہیروولڈ کو تخت نشین ہوتے ہی دو طرف سے خطرات کا مقابلہ کرنا پڑا ۔ اس کا بھائی ٹوسک اس سے

منحرف ہو کر ڈنمارک فرار ہو گیا تھا، اور وہاں جا کر اس نے شاہ ہیرولڈ ہارڈراڈا کو انگلستان پر فوجبشی کے لئے برانگیختہ کیا۔ ہیرولڈ کو اسی زمانہ میں ولیم کے قصد فوجبشی کی بھی اطلاع ہوئی لیکن اس خبر پر اس نے کچھ اعتبار نہیں کیا۔ احتیاطاً اس نے ایک فوج جمع کر کے ساحل کی نگرانی رکھی، لیکن جب دشمن کا کہیں وجود نہ نکلا، تو فوج رفتہ رفتہ منتشر ہو گئی۔ اتنے میں دفعتاً ہیرولڈ ہارڈراڈا و ٹوسٹک ساحل یارک شائر پر سوج زن ہوئے، اور اڈون و سورکیر، دونوں اسیروں کو شکست دیکر یارک پر قابض ہو گئے۔ شاہ ہیرولڈ فوراً شمال کی طرف متوجہ ہوا، غنیم کا اسٹیمفرڈ برج کے قریب مقابلہ کیا، اور انہیں ہزیمت کامل دی۔ عین اسی دن ولیم بھی پچاس ہزار کا لشکر جرار لئے ہوئے وارد ہو گیا، اور قتل و غارت کا ہنگامہ برپا کر دیا۔ ہیرولڈ سنایت جلد کوچ کرتا ہوا اس نئے غنیم کے مقابلہ کیلئے بڑھا، اور گو مرسیا، نارٹھمبریا، اڈون، و سورکیر، کے امرائے اسوقت ساتھ چھوڑ دیا، اور خود اس کی فوج بھی سنایت خستہ ہو رہی تھی پھر بھی اس نے تھکی ہوئی فوج کو آرام کی مہلت دے بغیر ولیم سے مقابلہ کر ہی دیا۔ مقام ہیسٹنگز کے قریب۔ سنیک نامی ایک پہاڑی پر اس نے اپنی فوج کی ترتیب کی، اور کئی گھنٹے تک کامیابی کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا۔ آخر خود قتل ہوا اور سپاہ منتشر ہو گئی۔ میدان اور تاج ولیم کے

ولیم نے پہلا کام یہ کیا، کہ کنٹ و سکس پر جہاں کے باشندے اس کے جلال و غضب سے دہشت زدہ ہو گئے تھے، قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد وہ کنٹن پر بڑھا، اور اہل شہر کے دلوں میں اپنی دہشت بٹھانے کے لئے سوٹھ وارک میں آگ لگا دی۔ مگر اہل لندن نے شہر کے پھاٹک بند کر لئے اور اپنا پادشاہ ایڈمنڈ آہرن سائیڈ کے پوتے اوگر ایٹھلنگ کو بنالیا۔ مرسیا، نارتھمبریا، ایڈون و مورکیر کے رؤساء اس کے انتخاب کے وقت موجود تھے، لیکن جب ولیم نے دریائے ٹیمس کو عبور کر لیا، تو یہ سب اپنے علاقوں کی حفاظت کے لئے اپنے وطن چل دیئے۔ اہل شہر نے یہ دیکھ کر، کہ مقابلہ لاحاصل ہے، ہتھیار رکھ دیئے، اور خود ہی تاج ولیم کی نذر کر دیا۔ وہ لندن میں داخل ہوا، اور ۲۵ دسمبر ۱۰۶۵ء کو ویسٹ منسٹر میں لاٹ پاوری ایڈیلرڈ کے ہاتھ سے اس کی تخت نشینی ہوئی تخت حکمرانی کا حق تو اُسے بزور شمشیر حاصل ہی ہو گیا تھا، لیکن اس نے اپنے تئیں اہل شہر سے باضابطہ بھی منتخب کرایا، اور اگر اس کے استحقاق میں کسی شے کی کمی رہی ہوگی، تو اس کی تلافی، لاٹ پاوری کے ہاتھ سے تاج پہن لینے سے ہو گئی۔

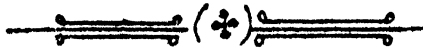
اب تک انگلستان کا صرف جنوبی و مشرقی ہی علاقہ اس کے قبضہ میں تھا۔ کنٹن کی حفاظت کے لئے اس نے ایک زبردست قلعہ تعمیر کیا، جو آگے چل کر منارہ کے نام سے

مشہور ہوا، مرسیا و نارممبریا کے امیر صرف برائے نام اس کے مطیع ہوئے۔ ضبطی امانی میں اپنے تئیں حق بجانب ثابت کرنے کے لئے ولیم نے یہ اعلان کر دیا، کہ ہیرولڈ کا انتخاب و تخت نشینی ایک غداری و بغاوت تھی، جس کی سزا موت اور ضبطی جائداد تھی، اس لئے تمام ملک جس نے ہیرولڈ کو بادشاہ تسلیم کر لیا تھا، مجرم قرار پایا، اور ساری زمین کا حقدار ولیم ٹھہرا۔ چنانچہ جن جن لوگوں نے اس کا مقابلہ کیا تھا، ان کی جائدوں اس نے ضبط کر لیں، اور باقی سے جبراً بے وصول کئے۔ اس کے سوا اور کوئی تغیر نہیں ہوا۔

مسئلہ میں ملک میں اس قدر امن و سکون قائم ہو گیا تھا کہ ولیم نارمنڈی کو واپس گیا، اور اپنا نائب اوڈو، کنٹ کے نواب و بیٹیو کے پادری، اور ولیم فٹز اسبرن ہرفرڈ کے نواب کو بنا گیا۔ لیکن یہ دونوں اس بار امانت کے اہل نہ ثابت ہوئے۔ اور نارمن امرا کو انگریزوں پر مظالم کرتے ہوئے دیکھا گئے۔ انگریزوں نے بغاوت کی، جسے فرو کرنے کے لئے ولیم اسی سال پھر واپس آیا۔ مسئلہ میں حقیقت ساری کی ساری قوم یکدل ہو کر ولیم کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، اُمر سوین شاد ڈنمارک بھی ولیم کے مقابلہ میں تخت انگلستان کا مدعی پیدا ہو گیا، اور ایک بیڑو لے کر آیا۔ جہر میں جس وقت وہ پہنچا ہے، ملک کا تمام مغربی، شمالی، اور جنوب مغربی علاقہ علم بغاوت بلند کئے ہوئے تھا، اور شاہ اسکاٹ لینڈ ان کی

حمایت پر تھا۔ ولیم نے ہمبرگ کی جانب کوچ کیا، اور ڈینیوں کے بیڑہ کو ہٹایا۔ اس کے بعد وہ سرکش امرا کی طرف متوجہ ہوا، اور چونکہ ان میں اتحاد کامل نہ تھا، آسانی سے انہیں مغلوب کر لیا۔ یارک شایر اس کی شاہین غضب کا خاص طور شکار ہوا اور اس علاقے کو بہت ہی بیدروی سے پامال کیا کہ ایسا آفت کا قحط پڑا، جس میں ایک لاکھ جانیں ضائع ہوئیں اور تقریباً ایک صدی تک زمین پیداوار کے قابل نہ رہی اکثر جبری انگریزوں نے دیائے وائش کے جنوبی و مرطوب علاقہ فنیس میں جا کر پناہ لی، اور وہاں سے ہرورڈ کے زیر علم بلبر پر جوش مقابلہ کرتے رہے۔ آخر کار ان کا بھی قلع و قمع کر دیا گیا، اور اُس وقت سے انگلستان پوری طرح ولیم کے قبضہ میں آگیا۔ اس کے بعد اس کا حملہ اسکاٹ لینڈ پر ہوا، اور وہاں کے فرماںروا کو اس نے خراج دینے پر مجبور کر دیا اب اچھی طرح قابض و مالک ہو جانے کے بعد ولیم نے نہایت استحکام و استقلال کے ساتھ حکمرانی شروع کر دی۔ اس نارمن فتح کا تاریخ انگلستان پر بہت گہرا اثر پڑا، نہ صرف اس لئے کہ ولیم کے عہد میں اہم سیاسی تغیرات ہوئے، بلکہ چونکہ ولیم صرف انگلستان کا بادشاہ ہی نہ تھا بلکہ والی نارمنڈی، اور شاہ فرانس کی رعایا اور پاپا کا مخلص دوست تھا، اسلئے اسکی ان حیثیات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ انگلستان کا تعلق یورپ کے دوسرے ممالک سے

بہت زیادہ ہو جائے ، اور شاہان انگلستان اپنے بیرونی مقبوضات کے زعم میں اکثر شاہان فرانس سے سرگرم آویزش ہو جائیں ، اور انگلستان بھی پاپا کے عالمگیر اقتدار و اثر میں آجائے ۔ چنانچہ اس فتح کے وقت سے انگلستان کا شمار دول یورپ میں ہونے لگا ، اور یورپ کے دوسرے اقطاع سے اس کے بہت زیادہ تعلقات قائم ہو گئے ۔



باب (۶)



فرانس کی سیاسی تاریخ (۸۸۷ تا ۱۱۰۰ء)

اٹو کو بادشاہ بنانے میں امراءِ فرانس کا قرضہ انتخاب بہترین شخص پر پڑا۔ یہ تمام امیروں میں بہ لحاظ جاگیر سب سے بڑا اور سب سے زیادہ شجاع، عادل، و نیک کردار تھا۔ اس کی مقبولیت و ہرولعزیزی میں اس سبب سے اور بھی اضافہ ہو گیا تھا، کہ اس کے والد رابرٹ محکم نے (۱۰۶۶ء میں) اہل شمال کی مدافعت میں ملک پر جان فدا کر دی تھی۔ تاہم اس کی تخت نشینی خطرو سے خالی نہ تھی، اس لئے کہ چند اور امیر بھی اپنے تئیں اس کا ہم پایہ سمجھتے تھے، اور اس کی مخالفت پر تلے ہوئے رہتے تھے۔ کارل اعظم کے کمزور جانشینوں کے عہد میں اُن امرائے جو حکومت کے

ارکان بھی تھے، اپنے اختیارات کو بہت بڑھالیا تھا، اور اپنے عہدوں کو اپنی ہی نسل کے ساتھ گویا مخصوص کر لیا تھا۔ اور اس طرح فلانڈرز، پوئیو، انجو، گیسکنی، پیرس، وغیرہ کے امرا کی جاگیریں ”پائیکا ہیں“ کہلانے لگی تھیں، اہل شمال کے حملے اب بھی بدستور قائم رہے، لیکن اوڈو کو ان کی فہمت میں پھر کامیابی نہ ہو سکی۔ اور ۱۱۹۳ء کے بعد سے تو اسے ان امرا کی سازشوں کا بھی مقابلہ کرنا پڑا جو چارلس سادہ لوح کو تخت نشین کرنا چاہتے تھے۔ اوڈو اپنے سخت و تاج کے بچانے میں کامیاب رہا، تا آنکہ خستہ و ماندہ ہو کر ۱۱۹۸ء میں وفات پا گیا۔ اور بجائے اپنے بھائی کے رابرٹ جو وارث صحیح تھا، اپنی جانشینی کے لئے چارلس ”سادہ لوح“ کو نامزد کر گیا۔ رابرٹ نے اس کی سخت نشینی کو قبول کر لیا، اور اس اطاعت کے صلہ میں اسے فرانس کا صوبہ عطا ہوا، جس میں منجملہ اور شہروں کے پیرس، تور، و آرنس بھی شامل تھے۔

چارلس متعدد حیثیات سے اہلیت و قابلیت رکھتا تھا۔ لیکن جس آسانی سے یہ اپنی رعایا کی اظہار وفاداری اور مواعید پر اعتماد کر لیتا تھا، اُس نے اسے ہمیشہ سخت تکلیف و نقصان میں مبتلا رکھا، اور اسی بنا پر اس کا لقب ”سادہ لوح“ پڑ گیا۔ اہل شمال کے حملے اب بھی اسی زور شور سے جاری تھے، بلکہ اب انکے بعض گروہوں

دریائے سین کے دہانے پر اور بعض اور شہروں پر قبضہ کر کے موسم سرما اسی ملک میں بسر کرنا شروع کرویا تھا۔ ۹۱۱ء میں چارلس نے ان کے خاص سرغنہ رولف کو جنوبی سین کی وادی دے دی، اور اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا تاکہ وہ مسیحیت قبول کر کے اسی ملک میں آباد ہو جائے۔ یہ ایک دانشمندانہ فعل تھا، اس لئے کہ رولف کا بھی فائدہ اسی میں تھا۔ چنانچہ وہ ان شرائط کو قبول کر کے وہیں بس گیا اور شمال کے جھونکوں کو برابر روکتا رہا۔ جس خط میں یہ آباد ہوا تھا، اس کا نام نارمنڈی ہو گیا۔

اب رابرٹ کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ۹۱۱ء میں اس ناحق تخت سے دست برداری کر لی تھی۔ اس نے دو اور امیروں کو اپنا شریک کر کے شطرنج کا تختہ الٹ کر اپنے تئیں بادشاہ بنالینا چاہا۔ ۹۲۳ء میں ان کے لشکر نے عسکر سلطانی کو قریب سوسینس کے شکست دی، لیکن خود رابرٹ اس معرکہ میں کام آگیا۔ اس کا لڑکا مہوگوتاج سے دست بردار رہا، اس لئے امرائے رابرٹ کے داماد، روڈلف آف برگنڈی کو بادشاہ منتخب کیا، اور فریب سے چارلس کو گرفتار کر کے قید کر لیا، لیکن اس کی بیوی اپنے بچے سمیت بچ کر نکل گئی، اور اپنے باپ ایڈورڈ اکبرشاہ انگلستان کے پاس جا کر پناہ لی۔ روڈلف نے بارہ برس تک بادشاہی کی، گو ابتدا میں کئی برس تک اس کی حکومت برے نام ہی تھی اسلئے کہ

اس کے اختیارات بہت ہی محدود تھے ، اور اکثر امرا کو اس کی بادشاہی کے تسلیم کرنے میں کلام تھا۔ اس دربار میں امر کی مخالفت کے باعث چند روز کے لئے چارلس پھر تخت نشین ہو گیا تھا ، لیکن پھر مقید کر دیا گیا ، اور وہیں فاقہ کشی سے مرگیا (۱۹۲۹)۔

روڈولف ۱۹۲۶ء میں لا ولد مرگیا۔ اور لوئی چہارم کو انگلستان سے بلا کر تخت اس کے حوالے کر دیا گیا۔ ڈیوک ہینری یہ دیکھ کر کہ بادشاہی میں حکومت تو برائے نام ہے ، اور اُلٹے خطرات عظیم کا سامنا ہے ، اب بھی تخت سے دست بردار ہی رہا ، اور بدستور اپنی حیثیت صرف شیر کی رکھی ، جس سے وہ اپنی ریاست میں بھی معقول اضافہ کر سکتا تھا۔ اب اس کے پاس حسب ذیل جاگیریں تھیں نیوسٹریا ، فرانسیا ، بلوے ، شیمپین ، چارٹرے ، ایجو ، وغیرہ لوئی چہارم کو بہت وضع اس امیر کبیر ہیوگو سے جنگ لڑنی پڑی۔ تا آنکہ ۱۹۵۴ء میں اس کا خود انتقال ہو گیا ، اور تلج اس کے ہشت سالہ لڑکے لوئی تھیر (۱۹۵۴-۱۹۸۶) کو ملا۔ ہیوگو نے اکیوٹین ، و برگنڈی کی ریاستوں کو بھی اپنا شریک کیا ، لیکن قبل اس کے کہ اکیوٹین اس کے درے دخل و تصرف میں آسکے ، وہ فوت ہو گیا۔ اس کے دونوں لڑکے ہیوگو کیپٹ ، و آٹو نے ، جو اب لک ہوئے ، اپنے نامور باپ ہی کے نقش قدم پر چلے ،

اور جنوبی گال میں اپنے مقبوضات کی توسیع کرنے لگے۔
 لوٹھیر ایک قابل شخص تھا، لیکن اس سے دو سخت
 خطرناک غلطیاں ہوئیں۔ ایک یہ کہ اس نے کلیسا سے بگاڑ
 کر لیا، دوسرے یہ کہ اس نے لوٹھیرنچیا لے لینا چاہا، جو اب
 جرمنی کے قبضہ میں تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک
 طرف سے ارکان کلیسا نے اپنے مسلسل مناقشات
 سے ستانا شروع کر دیا، دوسری طرف اس سے شاہان
 جرمنی سے بھی جنگ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کے
 ان معاندانہ تعلقات سے فائدہ اٹھا کر ہیوگو کیپٹ نے آٹو
 سوم سے دوستی پیدا کر لی، اور جب لوٹھیر نے جرمنی سے
 اعانت چاہی، تو معلوم ہوا کہ اس کے اس بڑے باجگزار
 و شاہ جرمنی میں پیشتر سے دوستی ہے۔ لوٹھیر کا انقلاب سے
 پیشتر ہی انتقال ہو گیا، اور سلسلہ میں اس کا فرزند جانشین
 ہوا۔ مگر اس کا بھی اگلے سال انتقال ہو گیا، اور اب
 کارل کی نسل میں صرف چارلس نواب لوٹھیرنچیا باقی
 رہ گیا تھا، جو اثر و قوت سے معری تھا، اور اس لئے
 مطلق توقع نہیں رکھ سکتا تھا کہ امرا اس کے حق میں
 رائے دیں گے۔ اس کے مقابلہ میں ہیوگو کیپٹ کو آٹو سوم
 شاہ جرمنی، امرا و کلیسا سب کی تائید حاصل تھی۔ اکثر
 اعیان ملک اس کے رشتہ مصاہرہ میں منسلک تھے
 ارباب کلیسا خانقاہ اس لئے اس کے ہمدرد تھے، لہٰذا وہ

برابر روپیہ سے ان کی مٹھی گرم کر دیا کرتا تھا کیس کے لاٹ پادری ایڈلبرون اور دیگر پادریوں نے ملک کے سارے امرا کو دعوت دی، کہ یکجا ہو کر بادشاہ کا انتخاب کریں۔ اور عین جلسہ میں ایڈلبرون نے ایک نہایت مدبرانہ تقریر کے بعد، جس کا مقصود یہ تھا کہ چارلس بادشاہی کے لئے موزوں نہیں، اور تاج موروٹی نہیں بلکہ انتخابی ہے، ہیوگو کیسٹ کا نام فرماں روائی کے لئے پیش کیا، اور اس کے فضائل و مناقب کی تفصیل بیان کی۔ نواب فوراً بادشاہی کے لئے منتخب ہو گیا، اور حسب ذیل لقب کے ساتھ تخت نشین ہوا: اقوامِ کال، برٹن، ڈین، نارمن، اکیومینین، گوٹھ، اسپینی، و گاسکون، کا تاجدار ہے۔

اس طریقہ پر تاج کیپٹی خاندان میں آگیا، اور یہ خاندان مسلسل تین سو برس سے زیادہ تک حکمران رہا۔ گو تاجدار کا تقرر انتخابی ظاہر کیا گیا تھا، لیکن چند ہی روز میں موروٹی ہو گیا۔ اور اس خاندان کی تاریخ میں اس امر کا بھی ایک اہم اثر پڑا کہ اس مدتِ دراز میں کبھی ایسا اتفاق ہوا ہی نہیں، کہ خاندان میں کوئی مرو وارث، بائع، حکومت کا اہل نہ نکلا ہو۔ اس لئے جانشینی میں اختلافات، اتالیقی کی ابتریاں اختلافی انتخابات کبھی ہوئے ہی نہیں۔

کیسٹ کا یہ خاندان ضعف و قوت دونوں کے آثار اپنے اندر رکھتا تھا۔ میروچی و کارلی دونوں نسلوں کی

کلیسا نے تقدیس و تبریک کی تھی ، اور اس لئے ان کی فرمانروائی بالکل جائز تھی۔ خاندان کیپٹ کا تاج نامتر کلیسا ہی کا ممنون منت تھا، اس لئے خلقت نے ان کی فرمانروائی کو بھی بہ طیب خاطر قبول کر لیا۔ اس طرح بادشاہ کی حیثیت گویا نائب الہی ، و فرمانروائے مطلق کی ہو گئی تھی ، جس کا کام فصل خصوصیات و قیام امن تھا۔ لیکن ایک اور طبقہ بھی تھا، جو زیادہ تر امرا پر مشتمل تھا، جو اب تک نظام جاگیرداری کے عادی تھے ، اور جن کے نزدیک بادشاہ کی مطلق العنانی مسلم نہ تھی۔ یہ لوگ بادشاہ کو محدود اختیار سمجھتے تھے۔ یہ لوگ خود چھوٹے چھوٹے بادشاہ تھے ، اور بجز نام کے ہر طرح سے اپنے تئیں بادشاہ سمجھنے میں حق بجانب تھے کیپٹی تاجداروں کو ان خیالات کی قوت تسلیم کرنا پڑی شاہی اختیارات محدود رہے ، اور اسے ان کی انتہائی خوش نصیبی ہی کہنا چاہئے ، کہ آخر میں یہ لوگ نظام جاگیرداری کو توڑ کر ایک زبردست مرکزی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن یہ کامیابی کبیں مدت میں جا کر ہوئی۔ سو برس سے زیادہ تک سلطنت و اقتدار میں انتشار ہی رہا۔ خاندان کیپٹ ، اپنے ماتحت حکام کو اپنے عہدوں اور منصبوں کے موروثی بنانے سے روکنے کی کوشش میں ناکام رہا ، اور خود ان کے رقبہ سلطنت میں غاصبانہ کارروائیوں سے برابر کتر بہوت ہوتی رہی۔ گیارہویں صدی میں ان کا

ضعف بے نہایت تھا۔ البتہ بارہویں صدی ان کے موافق آئی، اور اس وقت سے ان کا اقبال برابر ترقی ہی کرتا رہا۔

ہیوگو کیپٹ کا عہد حکومت، بہ دادید حالات زمانہ جسقدر کامیاب رہ سکتا تھا، رہا۔ اس کے باجگزاروں نے علی العموم اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا تھا۔ اور اس نے سلاطین جرمن و پاپا کے مقابلے میں اپنا طرز عمل بالکل خود مختار نہ رکھا۔ اس کے زمانہ میں قومیت کا احساس برابر ترقی کرتا رہا جس سے فرانس اور اس کے ہمسایوں کے درمیان اختلاف لسانی و اختلاف مراسم کی بنا پر جس قدر بیگانگی تھی، اس میں اور اضافہ ہوتا رہا۔

اس کا فرزند و جانشین رابرٹ دوم (۱۲۷۲ تا ۱۲۹۵ء) جو تواضع و خدا ترسی کے لحاظ سے ”معتق“ کے لقب سے ملقب ہوا، ایک جوانمرد و جری حکمران تھا، جو لو تھیر بجنیا کے لئے بڑی شجاعت سے لڑا، اور اپنے ملک میں متعدد اضلاع اور شہروں کا اضافہ کر لیا۔

ہنری اول (۱۲۷۲ تا ۱۲۹۵ء) کا عہد حکومت اقتدار شاہی کے حق میں سخت مضرب ہوا، گویہ بادشاہ ذاتی طور پر مستعد بھی تھا اور شجاع بھی۔ یہ برابر ان اُمرا سے مناقشات میں الجھا رہا، جن کی املاک اس کی سلطنت کے ہمسایہ میں تھیں، خصوصاً بلوئے کے سواروں

اور نارمنڈی کے نوابوں سے۔ اس کی ریاست میں سمندر تک پہنچنے کا راستہ صرف دریائے سین تھا، جس کا جنوبی حصہ نارمنوں کے قبضہ میں تھا، جو اپنی کثرت تعداد و جنگجوی کی بنا پر، اس کے خطرناک حریف تھے۔ پہلی اول کو اس خطرہ کا احساس ہوا، اور اس نے ہر طریقہ پر کوشش کی، کہ نارمنڈی کو اپنے تحت میں لے آئے، لیکن ناکام رہا۔ اس علاقہ کا نواب ولیم، جس کو ہم سب فاتح انگلستان کی حیثیت سے جانتے ہیں، بدستور خود مختار رہا۔

فلب اول (سنہ ۱۰۶۵ء تا ۱۰۸۵ء) نارمنڈی اور دیگر جاگیروں کے معاملہ میں بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر چلا۔ وہ ابھی اس قدر کمسن تھا، کہ ولیم کو تسخیر انگلستان سے کیا روک سکتا، البتہ اس نے ولیم کے خاندان میں باہمی رنجش پیدا کرا کے، اور انگلستان و نارمنڈی کو ایک دوسرے سے بے تعلق رکھکر ولیم کو جتنا نقصان پہنچا سکتا، پہنچا دیا۔ اس کے جانشین بھی اسی روش پر قائم رہے۔ اپنے اور بڑے باجگزاروں سے وہ بہ کامیابی متعدد لڑائیاں لڑا، اور اپنی قلمرو کے حدود کو وسیع کرتا رہا۔ محاربہ صلیبی اول میں اس نے شرکت سے انکار کر دیا، گرگوری ہفتم کے مطالبات کو نامنظور کر دیا، اور فرانس کے اُس حصہ کے ساتھ، جو پاپا کا پیرو تھا، تشدد کا برتاؤ کیا۔ اُس کا یہ طرز عمل گو آج بہت پسندیدہ نظر آتا ہے لیکن اس کے معاصر تذکرہ نویسوں کے سخت برہم کر دینے

کے لئے کافی تھا۔ اور اس لئے انہوں نے عجب عجب معائب کا اس کی جانب انتساب کیا ہے۔ پرنسورے کا بیٹی عیاشی، ڈاکہ زنی، اور طرح طرح کی بدکاریاں اس کے سر تھوپنی گئی ہیں۔ بڑھاپے میں اس کی مستعدی میں اس کے فزہی کی وجہ سے، جو مرض کے درجہ تک پہنچ گئی تھی فرق آگیا تھا۔ تاہم اس کے عہد کے کارنامے کچھ کم نہیں گو ملک کی روز افزوں جاگیرداری نے نشا ہی اقتدار کو بہت ہی محدود کر رکھا تھا۔ جاگیرداروں کے محل اور قلعے کثرت سے تھے، اور بادشاہ کی ہر سمت سے مخالفت ہوتی تھی۔ مونٹیری کا مشہور قصر پیرس کے دروازہ ہی پر تھا، اور بڑا اندیشہ رہتا تھا کہ بادشاہ اگر بہت سخت پہرہ کا انتظام کئے بغیر محل سے باہر قدم نکالے، تو خود اپنی ہی شریعہ رعایا کے ہاتھ میں گرفتار ہو جائے اور بغیر فدیہ دئے رہا نہ ہو سکیگا۔ جاگیرداری کی یہ بد نظمی و بد امنی اپنے منہائے شباب پر تھی، کہ لوئی چہارم کے عہد حکومت (۱۶۴۲ء تا ۱۶۸۶ء) نے اس کا رخ پلٹ دیا۔ اس کے زمانہ میں بادشاہ کی قوت بڑھی اور طوائف الملوکی و بد امنی گھٹی، امن ایک حد تک قائم ہوا، اور جاگیرداری کے رسوم و رواج زیادہ مستحکم و راسخ ہو گئے، جن کی وجہ سے نقص امن کے مواقع میں بہت تخفیف ہو گئی۔ ملک کی حالت اب بھی بالکل درست و مطمئن نہ تھی۔ تاہم بہت بڑی بات یہ ہو گئی تھی، کہ

حکومت و جماعت کے قانون و دستور ایک خاص نہج و اسلوب میں ڈھل گئے تھے۔ سلاطین فرانس کو سلاطین جرمنی کے مقابلہ میں ایک بڑا نفع یہ حاصل تھا، کہ فرانس میں جو جاگیریں لاوارث ہو جاتی تھیں، وہ بادشاہ کی ملک ہو جاتی تھیں برخلاف اس کے جرمنی میں بادشاہ مجبور تھا کہ ایک سال کے اندر کسی اور کو عطا کرے۔ اس بنا پر سلاطین فرانس کو اپنے قلمرو میں اضافہ کرنے کا برابر موقع رہتا تھا اور سلاطین جرمن کو یہ بات نہیں حاصل تھی۔

باب (۷)



جرمنی کا تعلق اٹلی سے (۸۸۷ء تا ۹۵۷ء)

کارل ”فریب“ کی معزولی پر آرنولف، تخت جرمنی کا مالک بن بیٹھا (۸۸۷ء تا ۹۹۹ء) کارل کا جانشین ہو کر وہ سمجھتا تھا کہ تمام مغربی سلاطین اس کے دست نگر ہیں، چنانچہ اس نے برگندی، اٹلی، و مغربی فرینکوں کے سلاطین سے اپنی بالادستی باضابطہ تسلیم کرائی، اہل شمال کو اس نے (۸۹۱ء میں) بڑی سفاکانہ شکست دی، لیکن مورویا کی سلائی سلطنت پر، جو اس وقت بویہیا و اسٹریا پر مشتمل ہے، غالب نہ آسکا۔ پاپا کی استدعا پر آرنولف نے اٹلی میں بھی دوبارہ قدم رکھا، وہاں کے فتنہ و فساد کو فرو کیا، پاپا کو ہجوم اعدا سے نجات دلائی، اور اس کے صلہ میں ۸۹۷ء میں پاپا نے

اس کے سر پر تلج رکھا۔

اس کے فرزند لڈوگ ”طفل“ (۸۹۹-۹۱۱) کا عہد حکومت اتحاد جرمنی کا قاطع ثبوت ہوا۔ امراے مقامی نے مناصب اور جاگیروں پر قبضہ کر کے سب کو اپنے خاندان کے لئے موروثی بنالیا۔ اور جس طرح کارل اعظم کی سلطنت دو چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو گئی تھی، اسی طرح آرفولف کی سلطنت فرینکونیا، سیکسنی، بویریا، سوابیا، لوٹھیرنجیا کی پانچ ولایتوں میں تقسیم ہو گئی۔ بادشاہ کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ان ولایتوں میں متعدد اشخاص خود حکومت پر قابض ہو گئے، اور گویا اپنی اپنی جگہ والی بن بیٹھے۔ ان ولایتوں کی تقسیم نے، جو قبائل کی تقسیم پر مبنی تھی، ان پانچوں جرمن قبائل کے تفرقہ و اختلاف کو اور مستحکم کر دیا۔ ہر ولایت کے باشندے دوسری ولایتوں سے آزاد و بیگانہ رہ کر اپنے مخصوص اغراض کو قومی اغراض و مقاصد پر ترجیح دیتے تھے۔

لڈوگ ”طفل“ کی وفات پر کارل اعظم کی نسل کا خاتمہ ہو گیا، اور اس لئے ایک جدید بادشاہ کا انتخاب ناگزیر تھا۔ یہ شرف کانرڈ اول (۹۱۱ تا ۹۱۸) والی فرینکونیا کے حصہ میں آیا۔ یہ گو ایک قابل، دلیر، بیدار مغز فرماں روا تھا اور چاہتا تھا کہ حکومت نہایت شایستہ اصول پر قائم رکھے، تاہم اس کی ساری زندگی امرا سے اپنی بلا دستی تسلیم کرانے کی سعی لا حاصل میں صرف ہوئی۔ اس نے کلیسا کو اپنا دوست بنایا،

اور ۱۷۹۱ء میں التھیم کی مجلس کلیسا نے یہ فتویٰ دیدیا، کہ کانرڈ کی مخالفت سے تکفیر لازم آتی ہے۔ لیکن کلیسا کی مدد کے باوجود بھی کانرڈ امرا کو مغلوب نہ کر سکا، اور اپنے بستر مرگ پر اُسے اپنے سب سے بڑے حریف ہنری آف سیگسنی کو اپنی جانشینی کے لئے نامزد کرنا پڑا۔

سیگسنی و فرینکونیا کے امرا نے فرز لر میں مجتمع ہو کر ہنری کو بادشاہ منتخب کیا (۱۱۹۱ تا ۱۲۱۶)۔ وہ ایک معاملہ فہم شخص تھا۔ اس نے مشکلات کا اندازہ کر کے بجائے خود طے کر لیا، کہ بادشاہت کے بجائے اس وقت صرف امیر الامرائی ہی پر قناعت کرنا قرین مصلحت ہے۔ خاندان کارل کا اب خاتمہ ہو چکا تھا۔ امرا کا زور توڑنا ناممکن تھا، اپنی اپنی ولایت میں وہ بالکل خود مختار تھے، اور بادشاہ کے سامنے اگر ان پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی تھی، تو صرف ان کے جاگیردار ہونے کی حیثیت سے، اب بادشاہ نے جو محض امیر الامرائی پر قناعت کی، اس کا ایک اثر یہ ہوا، کہ بادشاہ کو کلیسا کی خاص موافقت کی ضرورت باقی نہیں رہی امرا سے اس کے تعلقات بہت اچھے رہے، چنانچہ اس کے انتخاب کے بعد جب لاٹ پادری مینر نے بہ حیثیت شیخ انصاری اس کے سر پر تاج رکھنا چاہا، تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ امرا کے انتخاب کر چکنے کے بعد کسی مزید رسم کی ضرورت باقی نہیں۔

حکمہ میں میگیاروں نے جو ہنگیریا والے تھے سیکسنی پر حملہ کیا۔ ہنری نے اپنے میں مقابلہ کی قوت نہ پا کر ان سے ۹ برس کے لئے سالانہ ایک گرانہا خراج دینے کی شرط پر صلح کر لی۔ اس ساری مدت میں ہنری اپنے ملک کی اصلاح کرتا رہا، اور فوج کو خوب درست کیا۔ اس کی تیاریوں کا ذکر وڈی کونڈ نے یوں کیا ہے:-

”اس نے پہلا کام یہ کیا، کہ ہران نو سپاہیوں میں سے جو دیہات میں رہتے تھے، ایک ایک سپاہی کو شہر میں بنے پر مجبور کیا، اس شرط پر کہ وہ باقی آٹھوں کے رہنے کیلئے گھس بنائے۔ اور کل پیداوار میں سے ایک چوتھ جمع کرتا رہے۔ اور باقی آٹھ اس کے لئے بھی کاشت کرتے رہیں۔ شہروں کا کام دن رات جاری رہنے لگا، اور بادشاہ نے حکم دیا کہ ہر قسم کی مجالس، مقدمات، جشن وغیرہ کا انعقاد یہیں ہوا کرے تاکہ لوگ جنگ کے زمانہ میں ہل ہل کر رہنے کے خوگر ہوں۔“

بعض شہروں مثلاً مسبرگ، مایسین کویلڈنبرگ وغیرہ کو اس نے قلعہ بند کرایا۔ اس میں شبہ نہیں، کہ شہر پناہ کا وجود اس کے زمانہ سے پیشتر بھی تھا، لیکن جرمنوں کے اکثر جگے کھلے ہوئے دیہات ہی میں رہنے کے عادی تھے۔ ہنری نے مدینیت کو بہت ہی رواج دیا، اور یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ ہوا، کہ جرمن شہروں کی تعداد میں اضافہ ہوا۔

اور اس کے بعد کی صدی میں شہریوں کی ایک بڑی بدقت جماعت پیدا ہو گئی۔ شہروں کی تعمیر سے تجارت کو بھی خوب فروغ ہوا۔ اور ہنری نے فرصت پا کر ایک لشکر جرار تیار کر لیا فنون حرب کی تعلیم جنگی کھیلوں کے ذریعہ سے دی جانے لگی، اور رسالہ بھی تیار ہوا۔ اب تک سیکسن صرف پیادہ فوج کے عادی تھے۔ رسالہ کے وجود میں آتے ہی جو لوگ صاحبِ مقدرت تھے، وہ تو سواروں کی حیثیت سے بادشاہ کے ہمراہ رہنے لگے، اور باقی جنہیں اتنی مقدرت نہ تھی، وہ جنگی خدمت سے علیحدہ رہ کر غلام بن گئے۔

ہنری نے شمال میں ڈینوں اور مشرق میں سلاووں کا علاقہ دبا لیا۔ ۱۲۳۷ء میں اس نے میکیاروں کو خراج دینا بند کر دیا، نتیجہ یہ ہوا، کہ معرکہ ہوا، اور اس نے انہیں متعدد معرکوں میں شکست فاش دی۔ شہر پناہ و رسالہ کے وجود، اور پیدل کی قواعد دانی کی علت غائی اب سب کی سمجھ میں آگئی۔ ہنری نے اپنی وفات (۱۲۶۱ء) سے قبل اپنے فرزند آٹو کو اپنا جانشین تسلیم کرایا۔

آٹو اول (۱۲۶۱ء تا ۱۲۷۱ء) اپنے اندازِ طبیعت اور اصولِ حکمرانی میں اپنے باپ سے مغائر تھا۔ ہنری کا بڑا وصف اس کا انکسار و تحمل تھا، وہ کبھی خیالی باتوں پر توجہ نہیں کرتا تھا، اور اپنے حوصلوں کو محدود رکھتا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا، کہ امرا کا ترور توڑنا اس کے بس کی بات نہیں،

اور یہ سمجھکر اس نے اس کی خود مختاری کو تسلیم کر لیا تھا۔ آٹو،
 بہ خلاف اس کے نہایت مغرور و بلند نظر شخص تھا، شاہانہ
 حقوق و اقتدار کے متعلق اس کا خیال حد سے گزرا ہوا تھا۔
 اسے مرتبہ امیر الامرائی پر قناعت نہ تھی، بلکہ وہ اپنے تئیں
 کارل اعظم کا وارث سمجھتا تھا۔ بادشاہ کی شان نعلی، اور
 کلیسا کے ساتھ اس کا تعلق خاص، جس پر ہنری نے کبھی
 توجہ نہ کی تھی، آٹو نے اسے از سرنو بڑھانا چاہا۔ امرا کو
 اس کا باپ اپنا ہمسر سمجھتا تھا، آٹو نے انہیں ماتحت بنانا
 چاہا۔ ہنری کو کلیسا کی امداد کی حاجت نہ تھی، اس لئے کہ
 اسے امرا کو اپنے ساتھ رکھنا مد نظر تھا، بہ خلاف اس
 کے آٹو چونکہ امرا کا زور توڑنا چاہتا تھا، اس لئے
 کلیسا کی امداد اس کے لئے ناگزیر تھی۔ اس کے انتخاب
 و تخت نشینی کے وقت جو واقعات پیش آئے، ان سے
 خود ہی یہ واضح ہو گیا، کہ اس کے اور اس کے باپ کے
 خیالات میں کس قدر فرق ہے۔ ہنری کی سادگی طبائع پر
 گراں تھی، اور لوگ چاہتے تھے کہ کارل اعظم کا جاہ و حشم
 پھر عود کر آئے۔ چنانچہ اس عام خواہش کے مطابق قدیم
 دارالسلطنت آکسن جشن تخت نشینی کے لئے منتخب کیا گیا۔
 تمام نواب و امرا حاضر تھے، اور یہ رسم نہایت تنزک و احتشام
 کے ساتھ انجام پائی۔ اس کے بعد ضیافت ہوئی، اس میں
 اُمرانے بادشاہ کو کھانا کھلایا۔ گسبرٹ والی لورین اس کا

حاجب ہوا، ابراہارڈ والی فرینکلونیا خانساماں، ہرمان والی سویا سائی، اور آرنولف والی بویریا نقیب۔

لیکن بالآخر امرا آٹو کی بد مزاجی کی تاب نہ لاسکے۔ اور اس کے بلند نظر بھائیوں سے ملکر اس کی معزولی کی سازش شروع کی۔ اب ایک طولانی معرکہ شروع ہوا، جس میں آٹو نے بالآخر تمام امرا کو بیدخل کر کے ان کی ریاستیں اپنے اعزہ کو دیدیں۔ امرا کے مقابلہ میں دوسرا پہلہ بھاری رکھنے کیلئے آٹو نے کلیسا سے ساز باز رکھنا ضروری سمجھا، اور اس غرض کے لئے بزرگان کلیسا کو دولت و اقتدار سے پوری طرح بہرہ ور کرنا شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ بزرگان کلیسا کا بھی شمار امرا میں ہونے لگا۔ آگے چلکر یہی روش مضرت ثابت ہوئی اس لئے کہ آئندہ جب شہنشاہی و ریاست مذہبی کے درمیان اختلاف ہوا، جرمن کلیسا نے اپنے محسنوں کی مخالفت ہی کی۔ جرمنی کے سمت مشرق میں جو وحشی آباد تھے، انکے متعلق آٹو کی ایک خاص روش تھی۔ ۱۸۷۱ء میں الگبرگ کے متصل، دریائے لیچ پر اس نے میکلیاروں کو شکست فاش دیکر ان کو قبول نصرانیت پر مجبور کیا، اور اسکے بعد انہیں ہنگری کے علاقہ میں بسا کر ان کی میورشوں کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ سلاوی بھی آٹو کا اقتدار تسلیم کرنے پر مجبور ہوئے، اور ان کے حلوں سے محفوظ رہنے کے لئے ساری مشرقی سرحد پہ جا بجا چوکیاں بٹھادیں، اور ہوشیار

افسروں کو ان پر تعینات کر دیا۔

سلاویوں کا مذہبی دارالحکومت اور لاٹ پادری کا مستقر
 میجرگ قرار پایا۔ ان کے درمیان تبلیغ مذہب کا کام زور شور
 سے جاری ہوا، اور اس غرض کے لئے آٹو نے ہیو برگ،
بریڈنبرگ، مرسبرگ، زائیٹس، مالین، وونین، میں اسقفیاں
 قائم کر دیں۔ خالقاہیں بہ کثرت قائم ہوئیں، اور راہبوں نے
 نہ صرف فرائض تبلیغ ادا کرنا شروع کئے بلکہ وحشی قبائل میں
 تعلیم و تربیت، تہذیب و شایستگی کے شیوع کا کام بھی
 انہوں نے اپنے سر لے لیا۔ راہبوں اور پادریوں کے ہمراہ
 جرمن مدبرین بھی جاتے تھے، اور اس طرح سلاویوں کو جرمن
 بنانے کا کاروبار شروع ہو گیا۔ یہ سہرا آٹو اعظم ہی کے
 سر ہے، کہ اس نے سب سے پہلے اس طرز عمل کو اختیار
 کیا، جس نے بالآخر وحشیوں کو جرمن بنادیا، اور ان کے
 علاقوں کو جرمنی میں شامل کرا دیا۔ اس وقت مغرب کی طرف
 جرمنوں کو بڑھنے اور پھیلنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا۔ صرف
 مشرقی سمت البتہ ایسی تھی، جدھر جرمن بڑے بڑے
 وسیع علاقے اپنے حدود میں شامل کر سکتے تھے۔ مذہب و
 تمدن میں ان قوموں کے جرمنوں کے مطیع و متبع ہو جانیکے
 معنی ہی یہ تھے کہ کچھ عرصہ میں ان کی قومیت فنا ہو کر یہ سب
 جرمن بن جائینگے۔ اس زمانے سے جرمن تاریخ کا ایک
 اہم ترین واقعہ، مشرقی علاقوں میں جرمنوں کی مداخلت

و پیشقدمی اور ان کی تسخیر کی داستان ہے۔ اس طرح رفتہ رفتہ دریائے ایل کے مشرق میں جتنا پریشیائی علاقہ ہے، سب سلاویوں کے ہاتھ سے نکل کر جرمنوں کے قبضہ میں آگیا۔ بوہیمیا و ہنگری البتہ جرمنی کی دسترس سے باہر رہے۔ اس لئے کہ آٹو کے جانشینوں کی کمزوری کے باعث ان قوموں نے اپنا ایک علیحدہ و مستقل نظام مذہبی قائم رکھا اور اس طرح اپنی قومی ہستی کو بھی فنا نہ ہونے دیا۔

آرنولف کی سخت نشینی کے وقت اٹلی کا ستارہ گردش میں آگیا تھا۔ آپس میں نفاق و شقاق شد و مد کے ساتھ قائم تھا۔ ملک کا جنوبی علاقہ شہنشاہ یونان کے قبضہ میں تھا، اور سسلی و دیگر جزائر اور بعض بندرگاہوں کو مسلمان دبائے ہوئے تھے۔ خاص شہر رومہ میں زبانی حکومت پایا کی تھی، لیکن سارا شہر امرا کی طوائف الملوکی کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ بینیونٹو و اسپلیٹو کی ولایتیں گویا بالکل خود مختار ہو گئی تھیں۔ لومبرڈی کے بیسیوں حصہ بخرے ہو چکے تھے، اور ہر حصہ اٹلی کے تحت و تلج کا مدعی تھا۔ انہیں مدعیان سلطنت میں ایک لوتھر والی پروونس تھا۔ اس نے سولہ صدی میں وفات پائی۔ اس کی وفات پر اس کی بیوہ ایڈیلیڈ (ایک برگنڈی شہزادی) کو ایک دوسرے مدعی سلطنت نے زبردستی اپنے فرزند کے عقد میں لے آنا چاہا۔ ایڈیلیڈ کو یہ کسی طرح گوارا نہ تھا۔ اس نے شاہ جرمنی سے استدعا کی

آؤ نے فوراً الپس کو طے کیا، (صفحہ ۱۷۵) اور شہزادی کے ساتھ خود نکاح کر لیا۔ اس کے بعد وہ روم پر فوج کشی کرنا چاہتا تھا، کہ اتنے میں خود جرمنی میں بغاوتیں شروع ہو گئیں، اور اسے مجبوراً وطن کو مراجعت کرنا پڑی۔

اس اثنا میں ان سیاسی مناقشات کے ہنگامے میں پاپا کا اقتدار بالکل زوال میں آگیا تھا۔ لیو اعظم کے سارے کلیسا کے اسقف اعظم ہونے کے جو دعوے تھے، وہ ان سیاسی ہنگامہ آرائیوں میں بالکل غائب ہو گئے تھے۔ روم کے سارے امرا کے خاندان مختلف ملکوں میں تقسیم ہو گئے تھے، اور ہر خاندان کسی اپنے ہی شخص کو اسقف بنانا چاہتا تھا، تاکہ اس منصب کے اقتدار و اختیارات سے متمتع ہو۔ ایک فریق والی اسپلیٹو تھا، دوسرا برینگر، اور اسی طرح بیسیوں اور فریق تھے جو اپنی اپنی جگہ پر بادشاہت کے مدعی تھے۔ کچھ لوگ فرماں رواے جرمنی کی تائید میں تھے اور کچھ اس کی مداخلت کے قطعاً مخالف تھے۔ ان مختلف جماعتوں کا شدید مجادلہ ناقابل بیان ہے۔ ۱۷۷۵ء میں آرنولف شاہ جرمنی کا ایک دوست فورموسس، پاپا مقرر ہوا۔ اس کے دور میں لوگوں کو اس سے بے انتہا ناخوشی رہی، اس بنا پر کہ وہ جرمنی کا دوست و بھروسہ تھا، اس کے بعد اسپولیٹو کے طرفداروں نے اسٹیفن ششم کا انتخاب کیا۔ اسے جرمنی سے اسقدر نفرت تھی، کہ فارموسس کی نقش قبر سے نکلو اگر اس پر مقدمہ چلایا۔

نفس کو پاپاؤں کا لباس پہنایا گیا ، پاپا کے تحت پر اُسے بٹھایا گیا ، اور مجلس عدالت کے سامنے اس پر فرد جرم عائد کی گئی ۔ نتیجہ جو کچھ نکلتا ، وہ ظاہر ہی تھا ۔ چنانچہ اس کی نفس کی پوری بھرتی کر کے دریائے ٹائبر میں اسے ڈال دیا گیا ۔

ان ہنگامہ آرائیوں کا سلسلہ کوئی چالیس سال تک قائم رہا ۔ اور اس نظم پیدا کرنے کی ساری کوششیں بے کار ہوئیں ۔ یہاں تک کہ بالآخر البرک نامی ایک شخص پیدا ہوا ، جو تمام مدعیان تحت پر غالب آکر خود فرماں روا بن بیٹھا ۔ اس کی وفات کے وقت تک اسکا اقتدار نہ صرف شہر روم پر بلکہ پاپاؤں پر بھی قائم رہا ۔ اُس کے معاصروں نے اپنی تصانیف میں گو اُسے بہت ہی سب و شتم کیا ہے ، تاہم اس کے خلاف میں کوئی معقول جرم نہیں ملتے ۔ اس میں حکمرانی کی خاص قابلیت تھی ۔ اس نے مشرقی شہنشاہ سے دوستی پیدا کی ، اور کلوئی کے اسقف آڈو سے یہ فرمائش کی ، کہ کلوئی کی اصلاحات روم کی خانقاہوں میں بھی جاری کرے ۔ البتہ اہل کلیسا کے خیال میں اس کا یہ جرم ناقابل عفو ہے ، کہ اُس نے پاپا کو ہمیشہ اپنا ماتحت سمجھا ، اور اس پر اپنا اقتدار قائم رکھا ۔ بلکہ اس نے تو یہاں تک چاہا تھا ، کہ پاپا کا عہدہ اپنے ہی خاندان کیساتھ مخصوص کرے ۔ اس کا جانشین اس کا شانزدہ سالہ فرزند

انگلیوین ہوا ، اور دوسرے سال اسے پاپا کا منصب حاصل ہو گیا (۱۵۵۹ء)۔ اس نے اپنا لقب جان ہفتدہم اختیار کیا۔ اس کا زمانہ نہایت ہی شرمناک و ذلت انگیز رہا۔ اس نے اپنی علانیہ عیاشیوں ، فحاشیوں ، اور بدستیوں سے سارے شہر کو اپنے سے بظن کر دیا۔ روایت ہے ، کہ آخر میں اس نے اور رعایائے لومبرڈی دونوں نے آٹو سے استمداد چاہی۔ چنانچہ آٹو نے پھر اٹلی کی سرزمین پر قدم رکھا ، اور ۱۵۶۰ء میں بہ حیثیت شہنشاہ اپنی تلج گزاری کرا کے کئی مہینہ مقیم رہ کر اقتدار پاپا کی بنا مستحکم کی ، اور ملک میں ازسرنو امن و امان قائم کیا۔ رومہ والوں سے حلف لیا ، کہ بغیر اس کی اجازت کے وہ کسی کو پاپا نہ منتخب کریں گے۔

آٹو کے عہد میں جرمنی عثمانی کا شمار بہ حیثیت یورپ کی اول درجہ کی طاقت کے ہونے لگا۔ ۱۵۶۰ء میں اس نے کوئڈلنبرگ میں ایشر کا جشن منایا ، اور یہاں رومہ ، قسطنطنیہ اور ہنگیریوں ، بلغاریوں ، روسیوں ، سلاویوں ، اور ٹینیوں کے ہائے سفراء اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور والیان بوہیمیا و پولینڈ خود ہی حاضر ہوئے۔ چند روز کے بعد ملین میں اسکی وفات ہوئی ، اور اپنے محبوب شہر ، میسجرگ میں مدفون ہوا۔

آٹو اعظم کا عہد حکومت ، جرمنی کی تاریخ تمدن میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ، اوپر گزر چکا ہے ، کہ امرا کا

زور توڑنے کے لئے اس نے کلیسا کو اپنے موافق بنالیا تھا۔ تاہم اس کا اس نے ہمیشہ ہمیشہ خیال رکھا، کہ اس اقتدار سے ان لوگوں میں اخلاقی و روحانی انحطاط نہ پیدا ہونے پائے۔ چنانچہ اس کے زمانہ کے سب پادری و لاٹ پادری نہایت متوجع و عالم تھے۔ اس کے عہد میں علم و مذہب دونوں کی ترقی ہوتی رہی۔ اس کے متعدد اعزہ کلیسا کے اعلیٰ عہدہ دار تھے، اس کا بھائی برونو، کوہوں کا لاٹ پادری تھا، اس کا ایک فرزند ولیم مینز کا لاٹ پادری تھا، اس کا چچا رابرٹ، ٹرائر کا پادری تھا، اسی طرح اس کے متعدد اعزہ کلیسا کے مختلف مناصب جلیلہ پر سرفراز تھے، اور سب کے سب تاج و کلیسا دونوں کے یکساں خدمت گزار تھے۔ دربار میں کسی قسم کی بد اخلاقی کا گزر نہیں ہونے پاتا تھا۔ آؤ کے گرد و پیش ہمیشہ اہل علم و فضل کا مجمع رہتا تھا۔ علم کا ہر طرف چرچا تھا۔ اکثر بڑی خانقاہوں میں اوقات بصورت، تاریخ محفوظ رکھے جاتے تھے۔ اسی زمانہ میں بعض نہایت اہم تائیدیں، سولخ عمریاں، نظمیں، اور ڈراما وجود میں آئے۔ جن میں سے چند کے نام یہ ہیں :-

لیوٹ پرائڈ کی "تاریخ آؤ" Liutprand's "History of Otto"

Annals of Quedlinburg

Do Hildesheim

Do St. Gall

وقائع کوپڈلبرگ -

ہلڈیشائیم -

سینٹ گال -

Widukind's Res Gesta Saxonicae

ویڈوکینڈ کی تاریخ سیکسن

Ekkehard's "Walthari Lied,"

تاریخی نظمیں و ڈراما مصنفہ ہروٹ سوٹھا، جو گینڈر شٹائم کی خانقاہ میں ایک راہبہ تھی، اور جس کی ایک نظم خصوصیت کے ساتھ قابل توجہ ہے۔

خانقاہوں میں ٹرنس، ہورس، ورجل، سلٹ، و سیسرو، کا کلام زیر مطالعہ رہتا تھا۔ آٹو نے کارل اعظم کے نمونہ پر شاہی بیت العلم بھی قائم کیا۔ اس نے لاطینی زبان بھی سیکھی، گو اس کے یہ خوبی بولنے پر قادر نہ ہو سکا۔ اس کے عہد میں جرمن ایک علمی زبان بن گئی۔ ایک اعلیٰ رزمیہ نظم ”سیچ“ کے عنوان سے تیار ہوئی، جس میں حضرت عیسیٰ کی سوانح عمری کو جرمن انداز میں بیان کیا ہے، اور جس کے مطالعہ سے اُس زمانہ کے جرمن رسم و رواج، طرز معاشرت، و خیالات کا حال آئینہ ہو جاتا ہے۔

آٹو نے تلج شہنشاہی حاصل کرنے کے بعد اٹلی و جرمنی کے قدیم سیاسی تعلقات کی از سر نو تجدید کی۔ یہ اتحاد متعدد حیثیتوں سے دونوں ملکوں کے لئے مضر ثابت ہوا۔ اس لئے کہ بجائے خود جرمنی میں اتحاد، اور مرکزی طاقت میں تقویت پیدا کرنے کے شہنشاہان جرمنی کی ساری قوت پاپا کے ساتھ خونریزی و مقابلہ و مناقشہ میں صرف ہونے لگی، اور اسکا سارا زور اٹلی پر لا حاصل حملہ کرنے میں منتشر ہو گیا،

جس کا نتیجہ آخر کار ہونہنٹافن نسل کے حق میں مہلک ہوا۔ فرانس اور انگلستان اپنے اپنے سلاطین کے زیرنگیں علیحدہ علیحدہ اپنے میں سیاسی اتحاد پیدا کرتے رہے، بخلاف اس کے جرمنی و آٹلی میں اب سے کچھ پیشتر تک انتشار و عدم مرکزیت قائم رہی۔

آٹوے ثانی (۹۷۳ تا ۹۸۲) گو ایک قابل شخص تھا، مگر انخطاط کی رفتار کو نہ روک سکا۔ بربروں نے سرحدی جوکیو نظام کو درہم و برہم کر ڈالا، اور مشرق میں جرمن پیشقدمی کا سبب کر دیا۔ اس کا جانشین آٹوے ثالث (۹۸۳ تا ۱۰۰۲) ایک سہ سالہ بچہ ہوا، اس کی ماں اور امالیق اس کی تربیت اس امید موبہوم کی بنیاد پر کرتے رہے، کہ وہ رومہ کو دارلحکومت قرار دیکر اس کی عظمت رفتہ پھر واپس لے آئیگا۔ اس نے منصب پایا کی اصلاح و رفع شورش کی غرض سے آٹلی کے متعدد سفر کئے۔ ۹۹۶ء میں اس نے اپنے ابن عم گرگوری پنجم کو پایا مقرر کیا۔ ۹۹۹ء میں اس نے یہ منصب اپنے امالیق جبرہٹ کو عطا کیا جو اسکے معاصرین میں سب سے بڑا عالم تھا، اور جس نے اپنا لقب سلوٹر ثانی اختیار کیا۔ ۱۰۰۰ء میں جرمنی کو امرا اور بربروں کے حوالہ کر کے آٹوے ثالث آٹلی روانہ ہوا، اور اومیناں ہل کو اپنا مسکن قرار دے لیا۔ آئندہ سال اس کی موت نے ایسے عہد حکومت کا خاتمہ کر دیا، جو اقتدار شہنشاہی و ملک جرمنی دونوں کے لئے یکساں منحوس تھا۔

ہنری ثانی (۱۰۰۲ تا ۱۰۲۴) الملقب بہ "ولی" نے کلیسا سے
رشتہ اتحاد قائم کر کے اور جرمنی پر زیادہ متوجہ ہو کر گرتے ہوئے
شاہانہ اقتدار کو ایک حد تک سنبھال لیا۔ اور اس کام کو
اس کے جانشین کونرڈ ثانی (۱۰۲۴ تا ۱۰۵۶) والی فرینکونیا نے
اس سے بہتر طریقہ پر جاری رکھا۔ اس نے شاہانہ اقتدار کو
ہر ممکن طریقہ پر تقویت دی۔ برگندی کے شاہ متوفی کے
وصیت کے بموجب اس مملکت کا بھی وارث وہی ہوا (۱۰۵۲)۔
وہ جرمنی کی ولایتوں پر بھی قابض ہو گیا، جن میں سے بعض
کو اپنے ذاتی تصرف میں رکھا، اور بعض کو اپنے اعزہ میں
تقسیم کر دیا۔ عظیم الشان جاگیرداروں کی قوت کو توڑنے کے لئے
اس نے یہ فرمان جاری کر دیا، کہ رعایا پر جنگی خدمت براہ راست
بادشاہ ہی کی واجب ہے۔ اس نے چھوٹے زمینداروں اور
پٹی داروں کی جائداد کو موروثی قرار دے دیا، جس سے امرا
بغیر کسی وجہ خاص کے انہیں بیدخل نہیں کر سکتے تھے اور اس
سے اس طبقہ میں خاص ہردلنزیری سے حاصل ہو گئی۔

علاقوں کے حدود کی توسیع، اور بنائے مملکت کے
استحکام سے، نیز ولایتوں کو اپنے قبضہ میں لا کر اور پٹی داروں میں
ہردلنزیری حاصل کر کے کونرڈ ثانی اپنے فرزند ہنری ثالث
(۱۰۳۹ تا ۱۰۵۶) کے عہد حکومت میں مرفہ الحالی کی بنیاد ڈال گیا
ہنری ثالث کو گو سلافیوں اور ہنگیریوں کے مقابلہ میں کامیابی
نہیں ہوئی، تاہم جرمنی کے سرکش امرا کو اس نے

کبھی اُبھرنے کا موقع نہ دیا۔ نظام جاگیرداری کے اصول کے مطابق ہر امیر دوسرے امیر پر بطور خود اعلان جنگ کر سکتا تھا، چنانچہ جس امیر کے پاس کافی فوج جمع ہو جاتی تھی وہ انتقام لینے کے لئے دوسرے امیر پر چڑھائی کر دیتا تھا۔ کلیسا نے اس بنا پر کہ کسی مسیحی کو خوں ریزی جائز نہیں دنیا میں امن الہی یوں قائم کرنا چاہا، کہ جنگ کی قطعاً ممانعت کر دی۔ لیکن یہ حکم جب تجربہ سے ناممکن العمل ثابت ہوا، تو اس نے یہ حکم دیا، کہ کم از کم چار شنبہ کی شام سے یکو دو شنبہ کی صبح تک ہر قسم کی جنگ و جدل موقوف رہے ہنری نے یہی نہیں کہ اس حکم پر اپنی منظوری کی مہر کر دی بلکہ امن عامہ میں خلل ڈالنے والے کو سزا دینا بھی اپنے ہی ہاتھ میں رکھا۔

بخلاف اپنے والد کے، ہنری ثالث نے مناسب کلیسا کی خرید و فروخت جائز نہیں رکھی بے شبہ استغنیوں کا فقر اس نے اپنے ہی ہاتھ میں رکھا، تاہم اس نے انتخاب کرتے وقت ہمیشہ صرف اہلیت و صلاحیت کو معیار رکھا۔ اس نے خانقاہ کلونی کی تحریک اصلاح میں تعمیم کرنا چاہی کہ کل کلیسائے جرمنی کی اخلاقی حالت اس کے مطابق ہو جائے اس نے خانقاہوں میں مدارس قائم کرائے۔ اور عام لوگوں کے لئے علیحدہ مدارس کھلوائے، بلکہ امرا کے بچوں کے لئے تو اس نے داخلہ مدارس لازمی قرار دینے کی بھی

تجویز کی۔

ہنری نے (۱۰۵۵ و ۱۰۴۶ میں) اٹلی کا دوبار سفر کیا۔ پہلے سفر میں اس نے تاج شہنشاہی سر پہنایا۔ پایا کی حکومت پھر سیاسی مناقشات کے جال میں پھنس کر ایک دنیوی منصب رہ گئی تھی۔ ہر فرق اپنی حسب ضرورت اپنا ایک علمدہ پایا منتخب کر لیتا تھا۔ چنانچہ جب ہنری اول بار اٹلی پہنچا، تو اس منصب کے اسے تین دعویدار ملے۔ ستری ورومہ کی مجالس مذہبی میں اس نے ان تینوں پایاؤں کو معزول کر کے پایا کا تقرر خود اپنا حق بتایا، اور اس عہدہ پر سوڈرگ والی بیسبرگ کو سرفراز کیا جس نے کلیمنٹ ثانی کا لقب اختیار کیا۔ ہنری نے اپنے بقیہ عہدہ حکومت میں اسی طرح تین اور پایاؤں کا تقرر کیا، اور ہمیشہ اس کی نظر انتخاب بہترین شخص پر پڑی۔ اٹلی میں اس نے منصب فروشی کو ہر طرح سے روکا۔ اور امیدواران منصب پایا جو کچھ اسے رشوت میں دینا چاہتے تھے، اسے سختی کے ساتھ واپس کر دیا۔ کلوئی اصلاحات کا دائرہ روز بروز وسیع ہو رہا تھا، اور چونکہ ہنری تہ دل سے انکا ہمدرد تھا، اس نے خود ان کی توسیع میں بہت کوشش کی، اور پایاؤں و دیگر مصلحین کے ساتھ مل کر اس امر کی کوشش کی، کہ کلیسا کو اس کا واجبی مرتبہ حاصل ہو۔

ہنری ثالث بالکل مطلق العنان فرمان روائی چاہتا تھا۔

امراء اس سے سخت ناخوش رہتے تھے، اس نے شہنشاہ میں جب اس کی وفات ہوئی، تو ان لوگوں کو اپنے اقتدار رفتہ کے از سر نو حصول کا خاص موقع ملا۔ اس کا شش سالہ بچہ ہنری چہارم ظاہر ہے، کہ کیونکر مقابلہ کر سکتا تھا شہنشاہوں نے عرصہ سے، اور ہنری ثالث نے علی الخصوص کلیسا کی بڑی مدد کی تھی، اور ان احسانات کے معاوضہ میں انہیں توقع تھی، کہ کلیسا ان کا ممنون رہیگا، اور وقت پر آرٹے آئیگا۔ لیکن جب آزمائش کی گھڑی سر پر پہنچی، اور صغیر السن ہنری چہارم کو امداد کی خاص ضرورت پڑی، تو ارباب کلیسا نے یکسر اس کا ساتھ چھوڑ دیا، اور اسقف روم کی تائید و حمایت کرنے لگے۔ اب تک شہنشاہوں کے ہاتھ میں پایا کا تقرر تھا، لیکن زمانہ کی گردش سے اب پایا، شہنشاہوں کا عزل و نصب اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے تھے۔ اور اقتدار دنیوی کے لئے شہنشاہ و پایا میں زور آزمائی اب شروع ہونے کو تھی۔

عین اس زمانہ میں جنوبی اٹلی میں ایک اور قوت وجود میں آ رہی تھی، جو آگے چلکر پایا کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ نویں صدی کے وسط سے اہل اسلام سسلی پر قابض ہو گئے تھے، اور اہل اٹلی کے بعض مقامات بھی ان کے تصرف میں آ گئے تھے۔ جنوبی اٹلی کا اہم حصہ اب تک شہنشاہ قسطنطنیہ کے زیر نگین تھا،

اور اسی کے عمال اس پر حکمران تھے۔ مشرقی ساحل پر اسکے یہ علاقے شمالاً کوہ گارگنو تک پھیلے ہوئے تھے، اور مغرب میں سکرٹو تک۔ اس علاقہ کے شمال میں بعض خود مختار یا نیم خود مختار ریاستیں قائم تھیں، مثل سکرٹو، اٹالنی، میلنر، کیپوا، بینونٹو، و اسپولیٹو وغیرہ کے جن پر اب تک نہ شہنشاہ جرمنی کا قبضہ ہونے پایا تھا، نہ شہنشاہ یونان کا۔ ان ریاستوں کے والی یا تو باہم جنگ آزمائی کرتے رہتے تھے، اور یا اپنے ہمسایہ یونانیوں اور مسلمانوں سے مصروف پیکار رہتے تھے۔ ان کی قلمرو میں سخت ابتری و بد نظمی شائع رہتی تھی، اور ان کا کوئی وجود سیاسی نہ تھا۔

۱۲۸۰ء میں کچھ نارمن، یروشلم کی زیارت سے واپس آ رہے تھے، کہ سکرٹو کے قریب ان کا جہاز تباہ ہو گیا۔ شاہ سکرٹو کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا، اور اُس نے مسلمانوں کے خلاف ان کی اعانت سے خاص فائدہ حاصل کیا۔ یہ لوگ جب مال غنیمت اور انعام و اکرام سے لدے پھندے اپنے وطن واپس پہنچے، تو ان کے ہموطنوں کے منہ میں پانی بھر آیا، اور اس وقت سے جنوبی اٹلی کے نارمن سپاہیوں نے اپنی خدمات فروخت کرنا شروع کر دیا، تقریباً ۱۲۸۰ء میں والی میلنر نے اور سا کا مقام ان لوگوں کو بطور جاگیر دیدیا، اور انہوں نے کچھ اور علاقے بھی بزور شمشیر فتح کر کے اس میں اضافہ کر لیا۔ اسکے بعد

ایک بار مال غنیمت کی تقسیم میں ان سے یونانیوں سے جھگڑا ہو پڑا چنانچہ انہوں نے اپولیا پر حملہ کر کے اُسے مسخر کر لیا۔ اور ایک جمہوری حکومت قائم کر لی۔ اس چھوٹی سی ولایت کا فاتح دلیم "فولاد بازو" تھا جس نے اپنا وارث اپنے بھائیوں کو چھوڑا جن میں سے ہر شخص فتوحات سے اس کے حدود کو دست دیتا رہا۔ ۵۳۰ء میں ان لوگوں نے پاپا لیونہم کے خلاف اعلان جنگ کیا مگر جب اسے اسیر کر لیا تو اس کے قدموں پر گر پڑے اور اس سے اپنی خطا معاف کرا کے اس کی زبان سے اس ولایت پر اپنی ملکیت کا استحقاق تسلیم کرا لیا۔ ۵۳۰ء میں ان میں کا قابل ترین شخص رابرٹ گسکرڈ والی اپولیا کا جانشین ہوا۔ دو برس کے بعد وہ پاپا نکوس شانی (۱۰۵۹ء تا ۶۱) کی خدمت میں حاضر ہوا اس کی اطاعت کا حلف اٹھایا اور اس کے معاوضہ میں اس کی بارگاہ سے "والی اپولیا، ویلیبیریا، ولسلی" کا لقب حاصل کیا۔ ولسلی اور ویلیبیریا کا ایک جزو اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں تھا اور اس جدید والی کو ان سے مقابلہ کرنا ضرور تھا۔ یہ جنگ آہستہ آہستہ کوئی ۳۰ سال تک ہوتی رہی بعد ہی مسلمانوں کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اور ولسلی میں نارمن حکومت قائم ہو گئی۔ رابرٹ نے حکمرانی بہت خوبی سے کی۔ امانی اس کے زمانہ میں اٹلی کا

ایک مشہور تجارتی شہر رہا۔ اور سکرنو کے مدارس سے اس کی شہرت میں خاص اضافہ رہا۔

قسطنطنیہ میں بغاوت کی خبر سنکر رابرٹ کو مشرق میں اپنے حدود قلمرو کی توسیع کا موقع ملا۔ ۱۰۸۱ء میں ایکیزس کوننس نے علم بغاوت بلند کر کے شہنشاہ سفورس سوم کو (خارج البلد کر دیا تھا، قسطنطین (فرزند شہنشاہ سابق میکائیل ہفتم) رابرٹ گسکرڈ کا داماد تھا۔ اس بہانہ سے، مگر غالباً دراصل خود اس تخت پر قبضہ حاصل کرنے کے لئے رابرٹ نے یونان پر فوج کشی کی۔ گرگوری ہفتم نے اسے دعائے خیر دی، اور وعدہ کیا، کہ وہ جتنی زمین فتح کرے گا، وہ سب اسی کی ملک جائز قرار دی جائیگی۔ ڈورازو جو ساحل اپیرس پر واقع تھا، سب سے پہلے فتح ہوا۔ اب ایکیزس نے ہنری چہارم شہنشاہ جرمنی کی خدمت میں زبرد خلیفہ ارسال کیا، اور التجا کی، کہ اسی وقت جنوبی اٹلی پر حملہ کر دے۔ ایکیزس نے وینیشیا والوں کو بھی یہ کہہ کر تھوڑا لیا، کہ وہ انہیں بہت سے تجارتی حقوق عطا کر دیگا، مثلاً بعض محاصل سے استثناء اور قسطنطنیہ میں ان کے لئے ایک محلہ مخصوص کر دیگا۔ تسخیر ڈورازو کے بعد رابرٹ نے اندرون ملک میں پیشقدمی کی۔ شہر پر شہر قلعہ پر قلعہ مسخر ہوتے چلے گئے، تا آنکہ اپیرس و تھسلی کا بہت سا ملک اس کے قبضہ میں آگیا۔ عین اس وقت

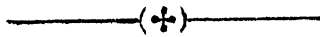
کریگوری ہفتم نے، جسے ہنری چہارم و باتا چلا آ رہا تھا، رابرٹ سے ملک مانگی۔ رابرٹ نے اپنی حلہ اور فوج کو تو اپنے فرزند بوینڈ کے سپرد کیا، اور خود جلد رومہ کی جانب مراجعت کی، یہاں سے جرمنوں کو نکال کر پایا کو اس نے نجات دی۔ لیکن تھسلی میں الیکزیز کی چال چل گئی۔ بڑی بڑی رشوتیں دے کر اس نے اکثر نارمن سرداروں کو توڑ لیا، اور ملک کے دوسرے حصوں سے اس نے تازہ فوج بھرتی کی۔ یہ خلاف اس کے بوینڈ کی فوج کی تعداد کچھ بیماری کی وجہ سے، کچھ ہزیمتوں سے بدل ہو کر اور کچھ اس سبب سے کہ ایک حصہ حریف سے مل گیا تھا رفتہ رفتہ کم ہوتی گئی، تا آنکہ الیکزیز نے اسے شکست دیکر ایڈرائٹک تک بھگا دیا۔ دُورازو پھر الیکزیز کے قبضہ میں آ گیا، اور بوینڈ ناکام اٹلی واپس آیا۔ اب رابرٹ گسکرڈ نے دوبارہ فوجبندی کی، لیکن اس عرصہ میں الیکزیز نے اپنے ساحلوں کو اس قدر مستحکم کر لیا تھا، کہ اب کے اُسے کامیابی نہ حاصل ہو سکی۔ آئندہ سال (۱۰۸۵) میں اس کی بیوقت وفات نے جنگ کا خاتمہ کر دیا، اور بوینڈ نے الیکزیز سے مصالحت کر لی۔

لیکن رابرٹ گسکرڈ کی وفات کے ساتھ اس کے کارنامہ فنا نہیں ہو گئے۔ اس نے اپنی فتوحات سے سسلی اور جنوبی علاقہ اٹلی کو متحد کر کے ایک ولایت بنادیا تھا

جو آگے چل کر دونوں سسلیوں کی متحدہ حکومت کے لئے
 سنگ بنیاد ثابت ہوئی۔ اس کا جانشین ^{۱۵۱۱ء} میں اسکا
 بھائی راجر ہوا، اس کے بعد ^{۱۵۱۳ء} میں اس کا فرزند
 راجر ثانی تخت نشین ہوا۔ اس راجر دوم میں جسے قابلیت
 و دانشمندی، و بلند نظری ترکہ میں ملی تھی، اپنی ریاست
 کو مملکت بنا دیا (۱۵۱۳ء)۔



باب (۸)



زمینداری

زمینداری اصطلاح میں اُن اقتصادی، عمرانی، سیاسی تعلقات و حالات کے مجموعہ کو کہتے ہیں، جو یورپ میں دسویں صدی سے تیرھویں تک قائم رہے۔ ان میں سے اقتصادی تعلقات کے لئے رعیت نامہ کی اصطلاح موجود تھی، جس کا مفہوم یہ تھا، کہ کاشتکار کا زمین پر صرف قبضہ ہوتا تھا، وہ اس کی ملک نہیں ہوتی تھی۔ زمین اس کے استعمال میں رہتی تھی، اور اس کے معاوضہ میں وہ اس کے اصل مالک یعنی زمیندار کو لگان دیتا تھا۔ زمین فی الحقیقت خدا کی ملک ہوتی تھی۔ مجازاً بادشاہ اُس کا مالک ہوتا تھا، وہ اُس پر بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کو قبضہ دلا دیتا تھا، اور پھر وہ اُسے چھوٹے چھوٹے

کاشتکاروں پر تقسیم کر دیتے تھے۔

عمرانی تعلقات کے انہار کے لئے رعیت کا لفظ تھا، جس کے معنی یہ ہیں کہ رعیت اپنے زمیندار کی دست نگر ہوتی تھی، اور زمیندار اُس کا آقا۔ سیاسی تعلقات کے لئے خود مختاری و مطلق العنانی کے الفاظ رائج تھے۔ جس سے مراد یہ ہے کہ اپنی جائداد کے معاملات میں ہر صاحب اراضی بالکل آزاد و خود مختار تھا۔ یعنی اپنے حدود ریاست کے اندر اُسے ہر طرح کے عدالتی و انتظامی، بلکہ ایک حد تک وضع قوانین کے بھی حقوق حاصل تھے، جن میں اُس کے اصل مالک کو مداخلت کا کوئی حق نہ تھا۔ گویا ہر صاحب اراضی اپنے حدود کے اندر، بجائے خود ایک چھوٹا سا بادشاہ ہوتا تھا۔

نظام زمینداری کے حقیقی اصول یہ تین چیزیں تھیں۔
پہلے اراضی، زمینداری، و خود مختاری۔

کابل اعظم کی وفات کے بعد دو صدیوں تک جو اتری و بدغلی پھیلی رہی، اتنے زمانہ تک یہ حالت قائم رہی خود اُسی کے زمانہ میں، حکومت میں پوری مرکزیت پیدا ہونے پائی تھی، یعنی رعایا کا براہ راست اسکی ذات کے ساتھ تعلق قائم نہ ہو سکا تھا۔ اس کا سارا زمانہ فرماں روائی اسی کوشش میں صرف ہوا تھا، کہ مرکزیت اور اپنی ذات کے ساتھ وابستگی پیدا کرے، اور مختلف صوبوں میں خود مختاری کی جو تحریک

شلیح ہو رہی تھی : اُسے مٹائے۔ اس کا نظام حکومت بجائے خود کمزور و ناقص نہ تھا، البتہ ضرورت صرف اس کی تھی، کہ اُسے چلانے والا کوئی زبردست شخصیت کا انسان ہو۔ اس کے جانشین چونکہ اس قدر قوی نہ تھے، اس لئے نویں اور دسویں صدی کے سرکش لوگوں اور امیروں کی کشمکش سے سلطنت پارہ پارہ ہو کر رہ گئی بادشاہ میں کافی قوت نہ تھی، پھر آخر نظم و مرکزیت کون پیدا کرتا، اور قوانین کا نفاذ کون کرتا؟ نتیجہ یہ ہوا، کہ لوگ بے خوف و خطر قانون شکنی کرنے لگے۔ ہر زبردست زیر دست کو ستانے لگا، اُس کے مال و جائداد پر قبضہ کرنے لگا، بلکہ اکثر قوی دست اشخاص کمزوروں کو زیر دستی اپنا غلام اور اپنی رعیت بنانے لگے۔ اس ظلم و ستم کے عہدہ کو جرمن جو دور شمیر، کہتے ہیں تو کچھ ایسا نہیں، اس لئے کہ واقعہً اُس زمانہ میں بالکل ”جس کی بیخ اس کی دیگ“ پر عمل تھا۔ حکومت کی طاقت معطل تھی، رعایا کو مجبوراً اپنی حفاظت خود کرنا پڑتی تھی۔ مورخ لکھتا ہے، کہ ”فرماں روا“ فرماں روائی سے مطلق عاری تھا۔ اور نقطہ امن کے جو فرائض اس کے ذمہ تھے، عملاً ان کی انجام دہی کے لئے پادریوں، امیروں، اور سرداروں کی پناہ میں آنا پڑتا تھا“ جب رعایا نے راعی کے فرائض خود اپنے ہاتھ

میں لے لئے، تو لامحالہ کثرت سے جدید مراسم دستور بھی وجود میں آگئے۔ انہیں کا مجموعہ نظام جاگیرداری کہلاتا ہے۔ کمزور مخلوق کو جب اس کا آسرا نہ رہ جاتا، کہ حاکم ظالموں کی دستبرد سے اسے بچا سکے گا، تو اکثر چارہ کار صرف یہ رہ جاتا، کہ وہ اپنے تئیں کسی بڑے پادری یا امیر کی حفاظت میں دیدے، اور اس کی رعیت بن جائے۔ یہ تغیرات سب نویں اور دسویں صدی کے دورِ بدنامی میں ہوئے۔ گو اس میں بھی شک نہیں، کہ اس سے پیشتر بھی بعض ایسے رسم و رواج یورپ کی بعض قوموں میں موجود تھے، جن میں اس نظام جاگیرداری کی کچھ جھلک نظر آتی ہے، (مثلاً جرمنوں کے ہاں "Comitatus" یا گال کے ہاں "Commendation") لیکن محض ان چیزوں سے نظام جاگیرداری کی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی، تاوقتیکہ نویں اور دسویں صدی میں یورپ میں اقتصادی، عمرانی، و سیاسی حیثیت سے بد نظمی نہ پیدا ہوئی ہوتی۔

کارل اعظم کے زمانہ میں عہدہ داروں کا عزل و نصب تمام تر اُس کی مرضی و خوشی پر منحصر تھا۔ اس کے کمزور جانشینوں کے زمانہ میں یہ ہوا، کہ اکثر عہدہ دار اپنے مناصب کو اپنی ذات کے لئے دائمی، بلکہ اپنے خاندان کے لئے موروثی سمجھنے لگے۔ اور یہ صرف ان کے زبانی دعوے ہی نہیں ہوتے تھے، بلکہ قوتِ سلطانی کے علی الرغم اپنے ان

دعاوی کا علاً نفاذ بھی کر لیتے تھے۔ چنانچہ اسی طرح رفتہ رفتہ مرکزی حکومت کے عدالتی، انتظامی، وقانون سازی کے اختیارات سب اس کے ہاتھ سے نکل گئے کارل اعظم اپنے خیر خواہ عہدہ داروں کو جاگیریں اور زمینیں عطا کرتا تھا۔ اس کے جانشینوں کے ہمد میں وہ عہدہ دار ان جائیدادوں کو اپنے خاندان کے ساتھ مختص کر کے علا ان کے پورے مالک بن بیٹھے گو برائے نام اب بھی یہ زمینیں سلطانی کہلاتی رہیں۔

اکثر جن کے پاس معافیاں چلی آتی تھیں، انہیں ان کی زمینوں سے بیدخل کر کے زبردستی رعیت بنالیا گیا۔ بہتوں نے یہ رنگ دیکھ کر اور اپنے تئیں خطرات میں مبتلا پا کر از خود اپنی زمینیں کسی بڑے زمیندار کے حوالہ کر دیں، اور اس کی پناہ میں آ گئے اس شرط پر کہ وہ انہیں اپنی رعیت کی حیثیت سے پھر وہی زمینیں عطا کر دے۔ یاد ہوگا کہ چھٹی اور ساتویں صدی کے شہنشاہوں کے زمانہ میں بھی، حکومت کی سخت گیریوں، اور ٹیکس کی زیادتیوں سے مجبور ہو کر لوگوں نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا۔ پہلے تمام زمینیں معافیوں کی حیثیت رکھتی تھیں، لیکن رفتہ رفتہ بارہویں صدی کے آخر میں یہ مسلم ہو گیا، کہ رعیت داری ہی کا اصول مناسب ہے اور سب کو کسی زمیندار کی رعیت بن کر رہنا چاہئے۔ تیرھویں صدی میں، مغربی و شمالی یورپ میں شاید ہی کوئی قطعہ زمین ہو، جو اس اصول کے اثر سے مستثنیٰ ہو۔ خلاصہ یہ کہ اب رعیت کے پاس

جتنی زمینیں تھیں، وہ یا تو غصب کی ہوئی تھیں، یا عطا کی ہوئی۔ اور یا وہ جن سے از خود دست برداری کر لی گئی تھی۔

زمینداری، جو بجائے خود نتیجہ تھی بد نظمی و بد امنی کا، کیونکہ ممکن تھا، کہ اس میں یکسانی و یک رنگی ملحوظ رہے۔ چنانچہ ہر صوبہ کی زمینداری دوسرے صوبہ کی زمینداری سے مختلف تھی۔ ایک عام ہلچل اور انتشار کے زمانہ میں جبکہ جس طریقہ میں سہولت نظر آتی، وہی اختیار کرتا۔ اس بنا پر زمینداری کو ایک مستقل و مرتب نظام سمجھنا صحیح نہیں، جیسی بد نظمی اس زمانہ میں شائع تھی، بعینہ اُسی طرح یہ نظام زمینداری بھی نظم سے خالی ہے یہی سبب ہے کہ کوئی کلیہ اس کے متعلق قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ ہر کلیہ میں اکثر مستثنیات ملیں گے۔ نوعی حیثیت سے اس کی تقسیم کرنا چاہئے۔ تو یہ بھی نہ بن پڑے گا، اس لئے کہ اس کے اقسام و اصناف بیشمار ہیں، اور اس کے اندر تنوع کی کوئی حد نہیں۔ غرض نظام کے اگر یہ معنی ہیں، کہ اس کے اندر کسی قسم کا نظم، ترتیب یکسانی و یک رنگی ہے تو زمینداری پر نظام کا اطلاق کسی ہنج سے ممکن نہیں۔

اس صورت حال میں اصلاح کا پہلا قدم اُس وقت پڑھا، جب انگریزوں نے اس کا اعلان کیا کہ وہ امن

عامہ کا محافظ ہے، اور جو کوئی اس میں خلل انداز ہوگا، وہ اپنی پاداش کو پہنچے گا۔ اس سے ذاتی نزاعات و خانہ جنگیوں کی کسی قدر روک تھام ہو گئی اور نویں و دسویں صدی کی طوائف الملوکی میں ایک حد تک اصلاح ہوئی۔ اب رسموں و دستوروں میں ایک حد تک نظام و انضباط پیدا ہونے لگا، زمینداری کے اصول زیادہ منضبط و مرتب ہونے لگے، ملک کی حالت فی الجملہ سدھرنے لگی، شورش و بد امنی میں تخفیف ہونے لگی، راستے زیادہ محفوظ و مامون ہو گئے، اور اسی لئے سفر میں سہولتیں پیدا ہونے لگیں۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ تجارتی کاروبار کو ترقی ہونے لگی، اور گیارھویں صدی کا زمانہ گزرنے کے ساتھ اس میں بھی اور پھیلاؤ پیدا ہوتا گیا۔

کلیسا بھی زمینداری کا ایک جبر بن گیا تھا۔ اس قتل و غارت، شورش و فساد کے زمانہ میں، قزاقوں و رہزنوں کے ہاتھ نہ کلیسا کا ادب ملحوظ رکھ سکتے تھے، نہ کلیسا کا احترام۔ اس لئے عام اشخاص کی طرح کلیسا اور خانقاہیں بھی اس پر مجبور تھیں، کہ ظالموں کی دستبرد سے کسی زبردست کے سایہ میں پناہ لیں۔ چنانچہ اکثر پادری و راہب شیخ خانقاہ یا بزرگ کلیسا، اپنی خانقاہ یا اپنے کلیسا کو کسی زمیندار کی ملک میں قرار دیکر خود اس سے دست بردار ہو جاتے جو پھر انہیں وہی چیزیں بہ اخذ لگان

دے دیتا۔ ایسے کلیساؤں و خانقاہوں کی حیثیت قانون کی نظر میں محض رعیت کی تھی، اور ان پر سارے وہی فرض عاید ہو جاتے تھے جو عام رعیت پر ہوتے تھے۔ اصولاً زمینیں اب بھی کلیسا کی ملک تھیں، اور کوئی انہیں مذہبی مقاصد سے الگ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن عملاً یہ کیفیت تھی، کہ گیارھویں صدی تک عہدہ داران کلیسا چونکہ علی العموم متاہل ہوتے تھے، اور ان کی جاگیریں موروثی ہوتی تھیں، اس لئے یہ ضرور تھا کہ ان کی اولاد کی پرورش و پرداخت انہیں جاگیروں سے ہو۔ لیکن چونکہ یہ ضروری نہ تھا، کہ ان کی اولادیں بھی انہیں کی طرح متوسلین کلیسا میں سے ہوں، اس لئے اکثر یہ جائیدادیں مذہبی ہاتھوں سے نکل کر دنیا داروں کے پاس چلی جاتیں۔ پادریوں کے لئے ازدواج کی جو ممانعت ہوئی، اس کی ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی، کہ کلیسا کی زمینیں کلیسا کی ملک سے باہر نہ جانے پائیں۔

زمین، جائیداد، منصب، عہدہ، ان میں سے جو شے بھی عطا ہو سب کے لئے عام اصطلاح ”جاگیر“ کی تھی۔ زمیندار وہ شخص تھا، جو یہ جاگیردار عطا کرتا تھا، اور رعیت اُس شخص کو کہتے تھے، جو مورد عطا ہوتا تھا۔ شلگی پٹہ اس کو کہتے تھے، کہ رعیت اپنی زمین کسی دوسرے شخص کو لگان پر دے، گویا یہ تیسرا شخص رعیت در رعیت

ہوتا تھا۔ رعیت بنانے کی ایک خاص رسم ادا ہوتی تھی جس کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ جو شخص رعیت بننا چاہتا ہے، وہ زمیندار کے سامنے برہنہ سر و دست بستہ آئے جھکے، تلوار اپنی کمر سے کھول کر اُسے پیشکش کرے اور کچھ بندھے ہوئے فقرے کہے جن کا منشا یہ تھا کہ وہ آج سے اُس کا خادم ہوتا ہے اور آئندہ تمام فرائض خدمت ادا کرے گا۔ اس پر زمیندار اُس کا سر زمین سے اٹھاتا تھا اور اس کا حلف و فاداری قبول کر کے کسی خاص عمل سے (مثلاً ایسی تلوار، علم یا انگوٹھی وغیرہ عطا کر کے) اُسے جاگیر سے سرفراز کرتا۔

زمیندار پر فرض ہوتا تھا کہ اپنی رعیت کا سینہ سپر رہے۔ اس کے دشمنوں سے بدلہ لے، اس کی حمایت کرے اور اُسے اُس کے حقوق دلائے۔ اس کے مقابلہ میں رعیت کے ذمہ بھی مختلف خدمات و فرائض عائد رہتے تھے۔ ان میں سے جنگی خدمت، بعض حیثیت سے اہم ترین، اور اُس زمانہ کے خیالات کے لحاظ سے شریف ترین تھی۔ دوسری قسم کی خدمات (مثلاً محنت مزدوری، یا روپیہ پیسہ سے) ذلیل سمجھی جاتی تھیں۔ کارل اعظم کے زمانہ میں فوجی خدمت ہر آزاد مرد پر فرض تھی۔ اُس کی فوج عبارت ہوتی تھی، پوری مسلح رعایا سے۔ جب سے رسالہ کا وجود قائم ہوا۔ اور زرہ بکتر پہننے کا رواج پڑا، ہر شخص کے لئے گھوڑا رکھنا

اور اتنا سامان بہم پہنچانا دشوار ہو گیا۔ پھر دور دراز ممالک پر فوج کشی کے وقت بھی یہ ضرور تھا کہ کچھ لوگ وطن میں رہ کر کاشت کریں۔ کارل اعظم کو یہ پورا حق حاصل تھا کہ جس وقت جس مدت، اور جس صوبہ کے لئے چاہے فوج طلب کر سکے۔ لیکن رفتہ رفتہ رعیت نے عذرات پیہم کر کے اس میں دو قیدوں کا اضافہ کرا لیا تھا۔ ایک یہ کہ وہ سال بھر میں صرف مہ دن فوج کا کام کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اپنے وطن سے بہت زیادہ فاصلہ پر نہ جائیں گے۔

زمیندارانہ فوجیں براہ راست بادشاہ طلب نہیں کر سکتا تھا بلکہ وہ اپنے بڑے زمینداروں کو طلب کرتا تھا کہ وہ اتنے اتنے سپاہی اپنے ہمراہ لے کر آئیں یہ لوگ اپنے پٹے داروں کو طلب کرتے تھے اور وہ اپنی رعیت کو و ہنجیں مسلسل۔ ظاہر ہے کہ اس طرح کی جمع کی ہوئی فوج اگر فراہم ہو بھی جاتی تو کس کام آ سکتی تھی۔ لیکن ان کے بے مصرف ہونے کے باعث جنگ تو ٹل نہیں سکتی تھی اس لئے بادشاہوں نے بجائے ان کے تنخواہ دار سپاہیوں سے کام لینا شروع کیا اور ان کی مستقل فوج قائم کی۔ دوران جنگ میں رعیت کے فرائض حسب ذیل ہوتے تھے:-

(۱) آقا کا گھوڑا اگر بیکار ہو جائے، تو رعیت اپنا گھوڑا

پیش کرے -

(۲) آقا جس وقت خطرہ میں ہو رعیت کو چاہئے کہ اپنی جان پر کمیل کر اُس کے بچانے کی کوشش کرے۔

(۳) آقا اگر گرفتار ہو جائے تو خود رعیت کو اس کا فدیہ بنکر جانا چاہئے۔

زمیندار کو روپیہ حاصل کرنے کے متعدد مواقع حاصل رہتے تھے۔ زمیندار جب اپنے بڑے لڑکے کو نائٹ بناتا یا اپنی لڑکی کی شادی کرتا یا خود کہیں گرفتار ہو جاتا ان میں سے ہر موقع پر اُسے پورا حق حاصل تھا کہ رعیت میں جتنی رقم دینے کی سکت ہو اس سے وصول کرے۔ ان ارقوم کے لئے نذرانہ کی اصطلاح تھی اور یہ مستقل طور پر بندھ جاتی تھیں۔ کوئی شخص جب مر جاتا اور اس کا فرزند اُس کی جائداد کا وارث ہوتا تو وہ اپنی ایک سال کی آمدنی نذر کرتا اسی طرح مذہبی مناصب میں بھی دستور تھا کہ جب کسی شخص کو اول اول اسقفیت کا عہدہ ملتا تو اپنے پہلے سال کی آمدنی نذر کر دینا اس کا فرض تھا۔ رعیت میں کوئی شخص جب مر جاتا تو اُس کی جائداد زمیندار کی ملک ہو جاتی جس کا اختیار تھا کہ جسے چاہے اُسے عطا کرے کوئی رعیت اگر اپنی زمین کا دوسرے سے تبادلہ کرنا چاہتا تو پہلے زمیندار کی خدمت میں نذرانہ پیش کر کے اس کی

اجازت حاصل کرتا۔ کسی رعیت پر اگر غداری کا الزام عائد ہوتا، تو زمیندار کو اس کی زمین ضبط کر لینے کا پورا حق حاصل رہتا۔ انگلستان میں بادشاہ رعایا کے بلوغ و ازدواج کا بھی ذمہ دار رہتا۔ یعنی کوئی رعیت اگر نابالغ اولاد چھوڑ کر مرجاتی، تو اُس کے سن بلوغ تک بادشاہ ہی اُس کا نگران رہتا، اور اُس کی جائداد و آمدنی سب بادشاہ ہی کے ہاتھ میں رہتی۔ اور پھر اس کی شادی بادشاہ ہی کی منظوری سے ہو سکتی تھی، جس کے لئے ایک معقول رقم نذرانہ کی پیش کرنا پڑتی زمینداروں کو ایک نہایت ظالمانہ حق رسد رسانی کے متعلق حاصل تھا۔ یعنی جن مقامات سے زمیندار مع اپنے حشم و خدم، بلکہ مع اپنے لشکر کے گزرتا، وہاں کے باشندوں پر اس سارے انبوه کے لئے رسد پہنچانا لازمی تھا۔ اور صرف سامان خوراک ہی نہیں بلکہ سامان بار برداری کے لئے گھوڑوں اور گاڑیوں کا انتظام بھی رعیت کے سر تھا۔

رعایا سے انواع و اقسام کے لگان وصول کئے جاتے، زمین کا لگان، لگان، مکان کا لگان، آتشخانہ کا لگان، سکائے بیل، بھیڑ وغیرہ خانگی جانوروں پر لگان۔ غرض لگان کی بیسیوں قسمیں تھیں۔ اس کے علاوہ رعیت کی تمام پیداوار غلہ، گھاس، مرغیوں، شہد، موم، غرض ہر شے

میں زمیندار کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ زمیندار کے مملوکہ جنگلوں اور چراگاہوں میں جانوروں کے چرنے، اُس کے جنگلوں سے لکڑیاں لانے، اور اس کے چشموں سے مچھلی پکڑنے، ان سب کے لئے الگ الگ لگان دینا ہوتا تھا۔ کاشتکار فصل تیار ہو جانے پر ایک مدت معین تک نہ غلہ فروخت کر سکتے تھے، اور نہ شراب تیار ہو جانے پر شراب۔ اس لئے کہ اتنی مدت تک ان پر زمیندار کا تصرف کامل رہتا تھا۔ رعیت پر فرض تھا، کہ زمیندار کے تنور میں روٹیاں پکائیں، اس کی چکی میں غلہ پیسیں، اُس کے شرابخانہ میں شراب تیار کریں، اور ان میں سے ہر عمل کے لئے انہیں ایک خاصہ معاوضہ، نقد کی نہیں بلکہ جنس کی صورت میں ادا کرنا ہوتا تھا۔ زمیندار پورا حجاز ہوتا تھا، کہ رعیت کے غلہ، شراب، یا جس شے پر چاہے، قبضہ کر لے، اور جب اور جس طرح چاہے اُسکی قیمت ادا کرے۔

رعیت پر یہ بھی واجب تھا، کہ سال میں ایک مدت معین کے لئے زمیندار کے ہاں کام کرے۔ زمیندار کے کھیتوں کی کاشت کرنا، اس کی فصل کی خبر رکھنا، اُس کے لئے شراب بنانا، اس کے لئے گھوڑے اور گاڑیاں بہم پہنچانا۔ اُس کے ہاں جلانے

کے لئے لکڑی چیرنا، اُس کے تعمیرات کے لئے اینٹ پتھر فراہم کرنا، اُس کے مکانات و عمارات کی مرمت کرتے رہنا، اس کے قلعوں کی تعمیر کرنا، اُس کی سڑکوں اور پلوں کو درست رکھنا، وغیرہ، غرض اسی طرح بیسوں فرائض رعیت کے سر تھے۔

زمیندار کو رعیت کے تمام فصل خصوصاً کا بھی اختیار تھا۔ تمام مقدمات اُس کے یا اُس کے عہدہ داروں کے سامنے پیش ہوتے تھے۔ جرائم پر جو جرمانے ہوتے تھے۔ ان کی رقوم وہی وصول کرتا تھا۔ ہر جرم کے لئے تادان یا جرمانہ کی ایک مخصوص رقم مقرر رہتی تھی اور اس لئے فصل خصوصاً زمیندار کے لئے بجائے خود ایک بڑا ذریعہ آمدنی تھا۔ زمیندار کی عدالت سال میں تین بار قائم ہوتی تھی۔ شروع شروع ہر موقع پر کل رعیت کا حاضر ہونا ضروری تھا۔ لیکن آگے چل کر رعیت نے اس سے پریشان ہو کر کچھ فیس کے معاوضہ میں حاضری کی قید سے اپنا پیچھا چھڑا لیا۔

زمیندار کے خاص و اہم ترین حقوق حسب بالا تھے۔ قدرتی طور پر زمینداروں کا فائدہ اسی میں تھا کہ جہاں تک ممکن ہو، ان حقوق کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے برخلاف اس کے رعیت کی آرزو یہ رہتی کہ جہاں تک ممکن ہو ان میں کمی اور ان کی آزادی و

خود مختاری میں اضافہ ہوتا رہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ رعیت کے ہاتھ پیر ہر طرح بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ اور زمیندار کے اختیارات اس قدر وسیع تھے کہ وہ جب چاہتا تو ان کی زندگی کو دوبھر بنا دیتا۔ ملک بڑے بڑے علاقوں اور تعلقوں میں منقسم رہتا جن پر زمینداروں کی حکومت قائم رہتی یہ زمیندار خود اور کوئی کام تو کیا کرتے محض نگرانی تک بھی نہ کر سکتے۔ ان کا سارا کام ان کے مختار و کارندے کرتے۔ یہ مختاری کا عہدہ اکثر ایک جاگیر ہو جاتا۔ مگر کبھی کبھی اس کے لئے زمین کا کچھ حصہ الگ کر دیا جاتا۔ مختار کو کوئی مخصوص تنخواہ نہ ملتی۔ بلکہ اُس کا فرض ہوتا کہ خود جائداد میں سے اپنی تنخواہ نکال لے وہ جائداد سے کیا رعیت ہی کے حقوق پامال کر کے اپنی تنخواہ نکالتا۔ زمیندار کے لئے ایک مخصوص مستقر ہوتا تھا لیکن بڑے زمیندار اس کے پابند ہو کر نہیں رہتے تھے وہ پھرتے ہی رہتے تھے اور ان کی بجائے یہی مختار صاحب وہاں مقیم رہتے۔ اس مکان کے اطراف زمیندار کی ذاتی اراضی بہت ہی ہوتی۔ اور چونکہ رعیت پر زمیندار کے ہاں مزدوری واجب تھی زمیندار کو اپنی اراضی کی کاشت میں کبھی دقت نہ ہوتی۔

قابل کاشت اراضی کے حصہ بخرہ ہو کر جو حصہ جس کاشتکار کے پاس آتا وہ اس کاشتکار کے خاندان کے ساتھ

مخصوص ہو جاتا۔ کاشتکار چھوٹے چھوٹے گھروں میں ایک دوسرے کے متصل رہتے، اور انہیں کا مجموعہ موضع کہلاتا تھا۔ گاؤں کے تمام لوگ گنوار کہلاتے۔ اور ان کی دو قسمیں تھیں، آزاد و غلام، یا احرار و عبید۔ لیکن خود ان دو تقسیموں کے اندر بیسیوں تقسیمات اور تھیں۔

اس وقت کی کل آبادی تین طبقتوں میں رکھی جا سکتی ہے۔ ایک کاشتکار، یا اہل دیہات، دوسرے کاروباری اشخاص یا اہل شہر، تیسرے امراء جو ان دونو طبقتوں کے گویا آقا و مختار ہوتے تھے۔

قدیم زمانہ شہنشاہی کی غلامی اب رعیت داری کی شکل میں تبدیل ہو گئی تھی، اب غلام خرید و فروخت ہونے کے بجائے کاشت پر لگا دئے جاتے تھے۔ اب وہ شادیاں کر سکتے تھے، اور حسب قواعد زمینداری انہیں کوئی قطعہ اراضی کاشت کے لئے مل جاتا تھا۔ شروع شروع زمیندار کو رعیت پر تشخیص لگان کے اختیارات کامل حاصل رہتے تھے، لیکن رفتہ رفتہ وہ محدود ہوتے گئے۔ رعیت ایک بندھی ہوئی رستم سالانہ لگان کی دیتی تھی، اور اگر اس کا کوئی فرد کسی دوسرے علاقہ میں شادی کرنا چاہتا، تو اس کے لئے اُسے نذرانہ دینا ہوتا۔ وہ اپنی جائداد کو اپنی خوشی سے

کسی طرح اگ نہیں کر سکتا تھا۔ بلکہ اس کی وفات پر لازمی طور پر اُس کی جائیداد زمیندار کے قبضے میں جاتی تھی۔ رعیت کو اختیار نہ تھا، کہ اپنی زمین چھوڑ دے۔ تاہم بہت سی رعیت اپنے زمینداروں سے بھاگ کر اور اپنے تئیں آزاد ظاہر کر کے دوسری جگہ ملازمت قبول کر لیتی تھی اور گو جب پتہ چل جاتا تھا تو یہ لوگ پھر اپنی سابق جگہ پر بہ جبر واپس لائے جاتے تھے، لیکن خدمت کلیسا میں شریک ہو جانے سے یہ لوگ آزاد ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ حصول آزادی کے اور بھی بعض طریقے تھے، مثلاً ایک صورت یہ تھی کہ رعیت باقاعدہ دست برداری لکھوے، اپنا تمام مال و اسباب چھوڑ جائے، اور اس علاقہ سے باہر چلی جائے۔ اسی طرح آقا بھی اس کا مجاز تھا، کہ ایک مخصوص رقم لیکر رعیت کو آزاد کر دے۔ اور چونکہ اس میں آقا کا مالی نفع کافی ہوتا تھا، اس لئے یہی صورت عام ہو گئی۔ اس میں زمیندار کا کوئی نقصان تو ہوتا نہ تھا، اس لئے کہ رعیت آزاد ہو کر بھی بہر حال اُسی رعیت ہی رہتی تھی، اور اُس کی زمین کی کاشت اس پر فرض رہتی تھی۔ بلکہ سراسر نفع ہی ہوتا تھا، اس معنی میں کہ معقول رقم زر نقد میں مل جاتی تھی لیکن زمیندار جس طرح رعیت کو آزاد کر لیا مجاز تھا، اُسی طرح آزادوں کو

غلام بنالینے میں بھی مختار تھا۔ بلکہ اب آزادی و غلامی زمین کی نوعیت کے ساتھ مخصوص ہو گئی تھی، بعض زمینیں آزاد کہلاتی تھیں اس لئے کہ شروع سے اس کے کاشتکار آزاد رہتے تھے اس کے مقابلے میں بعض زمینیں غلاموں کے ساتھ وابستہ چلی آتی تھیں۔ اب اگر پہلی قسم کی اراضی کا کوئی کاشتکار قسم دوم کی اراضی کو حاصل کرتا تو وہ بھی سوا اپنی آزادی کو کھو کر غلام بن جاتا۔ آزاد کاشتکاروں پر پابندی صرف اتنی تھی کہ انہیں ایک مقررہ لگان سالانہ زر نقد یا غلہ کی صورت میں ادا کرنا پڑتا تھا ان کی زمینیں موروثی ہوتی تھیں۔ انہیں اپنی جائداد پر پورا تصرف و اختیار حاصل رہتا تھا۔ اور انہیں مشمول ہونے سے کوئی امر مانع نہ تھا۔

شہری آبادی 'یا طبقہ' اہل شہر کا ذکر کسی آئندہ باب میں آئیگا۔ خود شہروں کا وجود زمینداری کے وجود سے مندرجہ ہوا ہے، لیکن زمینداری سے ان کے تعلقات غیر منفک رہے ہیں، وہ گویا اس "نظام" کے عناصر ترکیبی تھے، اور ان سے بہ حیثیت "مفردات زمینداری" کے کام لیا جاتا تھا۔ شہر پر بہ حیثیت مجموعی زمیندارانہ فرائض عائد رہتے تھے۔ مگر جوں جوں شہروں میں تمول و اثر بڑھتا گیا۔ زمینداروں کے ہمہ گیر اقتدار میں رخنہ پڑتا گیا۔ درحقیقت جن چیزوں نے زمینداری کا استیصال کیا، ان میں سے ایک شہروں کا وجود بھی تھا۔

امیروں کے گروہ سے بالکل الگ اور ممتاز طبقہ روساء کا تھا۔ یہ طبقہ بجائے خود دو جماعتوں پر مشتمل تھا، دنیوی و دینی، یا ملکی و مذہبی۔ ملکی امیروں کا شعلہ خاص سپہگری تھا۔ اس طبقے میں صرف وہی لوگ شامل ہو سکتے تھے جو فکر معاش سے مطمئن اور آلات حرب وغیرہ کے لئے سرمایہ رکھتے ہوں خود محنت کر کے معاش حاصل کرنا منافی امارت تھا۔ غالباً صدیوں تک یہ ہوتا رہا، کہ جس شخص کے پاس کافی روپیہ ہوا وہ امار کی صف میں داخل ہو گیا، لیکن تیرھویں صدی سے یہ مرتبہ موروثی ہو گیا، اور اب امار و غیر امار کے درمیان پوری تفریق قائم ہو گئی۔ عالی خاندانی بھی امیر کے لئے ایک لازمی شرط قرار پا گئی، اور آگے چل کر صرف یہی ایک شرط باقی رہ گئی۔ اب امارت کا معیار دولت نہ رہی، اور امار و عوام کے درمیان باہمی ازدواج ممنوع قرار پا گیا، جرمنی و فرانس میں یہ دستور رہا، کہ امیر گھرانے کے تمام لڑکے حق امارت رکھتے تھے۔ لیکن انگلستان میں حق امارت صرف فرزند اکبر کے ساتھ مخصوص رہا۔ اپنے ہچمٹوں میں ازدواج صرف اسی کے لئے واجب تھا۔ اس کے باقی بھائیوں کو اختیار تھا، کہ جہاں چاہیں شادی کر لیں۔ یہی سبب ہے کہ بخلاف دیگر ممالک کے صرف انگلستان ہی ایسا ملک ہے، جس میں امار و

عوام کے درمیان بہت سی چیزیں مشترک رہی ہیں۔
دسویں صدی سے گھوڑے پر سوار ہو کر جنگ کرنا
دستور پڑ گیا تھا۔ جس شخص میں اتنی قدرت ہوتی کہ
گھوڑا اور آلات حرب و ضرب رکھ سکے وہ امرا کے
طبقے میں شریک ہو جاتا۔ اب پیدل سپاہی صرف عوام
رہ گئے تھے۔ اسی گھوڑے کی سواری کے دستور سے
الفاظ "Chivalry" اور "Chivalier" مشتق ہیں۔ فارس
کا جسم و گھوڑا دونوں زرہ بکتر و پاکھر وغیرہ سے بالکل
ڈھکے ہوئے رہتے "ہائٹ" (فارس) کے سر و چہرے پر خود
اور جسم پر زرہ ہوتی، اور ڈھال تلوار و نیزے سے مسلح
رہتا۔ ان اسلحہ میں برابر اضافہ ہوتا گیا، تا آنکہ کچھ عرصے
کے بعد انسان پیدل رہ کر ان کا وزن ہی نہیں سنبھال
سکتا تھا۔ فارس عموماً اپنی سواری میں معمولی گھوڑا رکھتا
تھا، لیکن لڑائی کے وقت انہی اسلحہ کے وزن کے خیال
سے اُسے قوی و مضبوط گھوڑا رکھنا ضروری تھا۔ ہر
سوار کی اردلی میں ایک پیادہ بھی رہتا تھا، جو اس کے
اسلحہ اور گھوڑے کی نگہداشت رکھتا تھا۔

پہاگروں کے اس گروہ نے اپنے اوپر کچھ خاص دستور
و فرائض عائد کر لئے۔ اور اب گویا ایک ایسی مخصوص
جماعت ہو گئی۔ جس میں داخلہ کے لئے ان شرائط کا بجا لانا
ضروری تھا جو نوجوان امیرزادہ اس میں داخل ہونا چاہتا

اُس کے لئے ضروری تھا کہ وہ پانچ سے سات برس تک فن سپہگری کی تعلیم پائے۔ عموماً وہ کسی فارس کی شاگردی میں دیدیا جاتا تھا جس کی خدمتگزاری کو وہ باعث فخر خیال کرتا۔ اور یہ خدمت گزاری کچھ بھی معیوب نہیں خیال کی جاتی تھی اس مدت شاگردی کے خاتمے پر شاگرد غسل کر کے اسلحہ سے آراستہ ہوتا۔ اُس وقت اُس کا استاد اس کی کمر میں تلوار آویزاں کرتا، اس کے شانے کو تھپکتا، اور اسے فارس کے لقب سے خطاب کرتا۔ یہ دستور ابتدا میں تھا۔ بارہویں صدی سے پادریوں نے اس کے ساتھ اور بیسیوں رسوم بڑھا دیئے، جو خالص مذہبی نوعیت کے تھے ازاجملہ یہ کہ شاگرد اُس روز روزہ رکھے، تمام رات عبادتگزاری کرے، صبح نماز میں شریک ہو، اور قربانگاہ پر اپنی تلوار رکھ کر پادری صاحب سے برکت حاصل کرے، اور وہ اسے فارس کے لقب سے پکاریں۔

زمانے کی جنگجویی کی جھلک امراء کے مساکن و طاعب دونوں میں اچھی خاصی نظر آتی ہے۔ امراء بجائے مکانات کے قلعوں میں رہتے تھے ان کے مکانات ایسے مواقع پر واقع ہوتے تھے جو آبائی قلعہ بند ہو سکیں بیرونی حصار کی محافظ خدقیں، اور مضبوط دیواریں وغیرہ ہوتی تھیں، اور اندرونی قلعہ کی نمایاں خصوصیات ایک

بلند منارہ، جو دیدبان کے کام آسکے، اور ایک مستحکم قلعہ، جو سخت محاصرے کو برداشت کرنے کے لئے بجائے خود کافی ہو، یہ دو ہوتے تھے، امراء کے مشاغل تفریح عموماً سیر، صید، لگنی، و مصنوعی لڑائیاں ہوتی تھیں۔ ”مصنوعی لڑائیاں“ کہنے کو ”مصنوعی“ ہوتی تھیں، لیکن واقعہً ان کے نتائج اکثر مہلک ہوتے تھے۔ ایک بار صرف ایک مصنوعی لڑائی میں ۶۰ فارس کام آئے۔

زمینداری، اور زمیندارانہ آئین و مراسم کا کلیسا پر بھی نہایت گہرا اثر پڑا۔ لاٹ پادری، پادری، اسقف، غرض سارے کلیسا نے اپنے مقبوضات ملکی کی بناء پر اپنے تئیں زمیندارانہ تعلقات سے متاثر پایا۔ کلیسا کی تعلیم شروع سے یہ تھی کہ خیر و خیریت نہ صرف ایک اہم فرض ہے، بلکہ یہ کہ اس کا مستحق کلیسا سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ چنانچہ لوگ نہایت فراخ دلی کے ساتھ کلیسا کی روپیہ پیسے سے خدمت کرتے رہتے تھے، اس امید پر کہ حشر میں کلیسا کی شفاعت کام آئیگی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کلیسا، کلیسا کے مدارس، خانقاہیں وغیرہ نہایت متمول ہو گئی تھیں اور کلیسا کے قبضے میں بڑی بڑی جائدادیں آچکی تھیں گویا ہر اسقف، پادری، و لاٹ پادری بجائے خود اپنے علاقہ کا زمیندار تھا۔ پھر بلحاظ تمول و نیز بہ لحاظ اثر و عظمت، بزرگان کلیسا کا شمار طبقہ امراء میں ہوتا تھا، اور یہ لوگ شل ملکی سرسوں کے سمجھے جاتے تھے اس کے علاوہ ان کے علم و فضل کی بنا پر فرمانروا

وقت انھیں اپنے مشیروں اور اعلیٰ عہدہ داروں میں بھی رکھتا تھا ان کی خانقاہوں و استقفیوں کی دولت کے شہرے سنکر نو عمر امیرانہ کو اُن کے والدین انہیں کی صحبتوں میں رکھنے لگے۔ لیکن بائیمہ آئین زمینداری کے شکنجے سے یہ آزاد نہ رہ سکے ہر ملک کے حاکم نے اعلان کر دیا کہ یہ مذہبی جامدادیں بھی عام زمیندارانہ حیثیت سے اُس کے ماتحت رہیں گی۔ اس بنا پر ہر پارسی یا اسقف رعیت ہو گیا، اور اُس پر فرض ہو گیا کہ عام رعیت کی طرح اپنے آقا کی وفاداری کا حلف اٹھائے اور اس کے معاوضہ میں اپنی جامداد کا پٹہ حاصل کرے گویا ارکان کلیسا پر علاوہ مذہبی خدمت کے عام رعیت کے ملکی فرائض بھی عائد ہوتے تھے۔ کلیسا کے اس دو گانہ حیثیت نے آگے چل کر پاپائیت اور شہنشاہی کے آگ کو بھڑکا دیا۔ ارکان کلیسا کے لئے ناممکن تھا کہ ایک ہی وقت میں دو آقاؤں کی خدمت گزاری کریں۔

زمینداری کا شباب دسویں سے تیرمویں صدی تک رہا اس کے بعد مذہبی زوال شروع ہوا۔ بارود کے ایجاد نے طریق جنگ کو سرے سے بدل دیا۔ گولی بارود کے مقابلہ میں فارس کے اسلحہ و قلعے سب بیکار تھے قرون وسطیٰ کے اختتام پر سلاطین کی قوت میں مرکزیت و اضافہ پیدا ہوتا جاتا تھا، اور احرار اپنا اقتدار کھوٹے جاتے تھے بلکہ سچ یہ ہے کہ زمینداری کے اجزاء پر گندہ ہی پر سلاطین

نے اپنے اقتدار و عظمت کی عمارت قائم کی۔ شہروں کی ترقی بھی زمینداری کی قوت کو توڑنے میں معین ہوئی اس لئے کہ شہروں کی ترقی کے ساتھ ہی ساتھ شہریوں میں آزادی بھی آتی گئی، اور وہ روز بروز زمینداروں سے مستغنی ہوتے گئے۔ محاربات صلیبی، و بادِ عظیم، اور عام سلسلہ جنگ، یہ تمام چیزیں بھی زمینداری کا زور توڑنے میں معین ہوئیں، اس لئے کہ اب زمینداروں کو اپنے کام کے لئے رعیت کی کافی تعداد ملتی نہ تھی۔ آزاد مزدوروں کی جتنی مانگ بڑھتی گئی، اُسی قدر ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا، تا آنکہ تقریباً سب کے سب بجائے رعیت بنے رہنے کے آزادی کے ساتھ مزدوری پیشہ بن گئے۔ آئین زمینداری کا خاتمہ پندرھویں صدی میں ہوا، گو فرانس میں اس کے آثار انقلاب کے وقت تک باقی رہے، اور یورپ کے نظام معاشرت میں اب بھی اس کی کافی جھلک نظر آتی ہے۔

باب (۹)

ریاست مذہبی کا نشو و نما

کلیسا کے وجود کی ابتدائی دو صدیوں میں، اس میں کسی قسم کا نظم و انضباط نہ تھا۔ ہر پادری اپنی جگہ پر خود مختار اور دوسرے سے بے تعلق تھا۔ لیکن اتحاد و ارتباط کی تحریک اسی وقت سے پیدا ہو گئی تھی، اور روز بروز اس میں ترقی ہو رہی تھی کلیسا کے سامنے شہنشاہی کے نظم ملکی و سیاسی کا عظیم الشان نمونہ موجود تھا، جس کی وہ غیر محسوس طور پر تقلید کرتا جاتا تھا جس طرح ملکی افسر صوبہ دار ہوتا تھا، اسی طرح ہر صوبہ میں ایک سب سے بڑا مذہبی حاکم تسلیم کیا جانے لگا، جس کا مستقر صوبہ کا دار الحکومت ہوتا تھا، جس کے اختیارات تمام صوبہ پر محیط ہوتے تھے، اور جسے اصطلاح میں لاٹ پادری کہتے تھے گویا مذہبی حیثیت سے بھی ملک مختلف صوبوں میں منقسم تھا، اور صوبہ دار دار الحکومت کا

پادری اس صوبہ کا لاٹ پادری ہوتا تھا۔

پھر جس طرح ملکی حیثیت سے سب صوبہ داروں کے اوپر اُن سے بالا تر ایک افسر ہوتا تھا، اسی نمونہ پر سب لاٹ پادریوں کے اوپر ایک بڑا لاٹ پادری مقرر ہوا۔ اس کے لئے چوتھی صدی میں بطریق کی اصطلاح قائم ہوئی۔ ان بطریقوں کے دارالحکومت حسب ذیل تھے :- یروشلم، انطیوخ، آیسس، قیصریہ، ہرقلیہ، کورنٹیو، اسکندریہ، رومہ۔ چھٹی صدی میں صرف حسب ذیل رہ گئے :- یروشلم، انطیوخ، اسکندریہ، قسطنطنیہ۔ رومہ۔

اس ریاست مذہبی کی تاریخ کے بیان میں دو چیزوں کو الگ الگ رکھنا چاہئے۔ ایک رومہ کے پادری کا سب پادریوں کا افسر ہونا، دوسرے اس کا دنیوی اقتدار و استیلاء۔ ۵۵۰ء تک یہ دونوں چیزیں بالکل الگ رہیں، اس کے بعد دُغم ہو گئیں اسقف رومہ کی چوتھی صدی سے دو حیثیتیں جدا ہو گئی تھیں ایک یہ کہ وہ اسقف رومہ تھا دوسرے یہ کہ مضافات رومہ کے علاقہ کا لاٹ پادری تھا دیکھنا یہ ہے کہ ان دو حیثیتوں کے علاوہ اُس نے ایک تیسری حیثیت سارے کلیسا کی افسری کی کیونکر پیدا کر لی جو قدرتی موثرات اس امر میں معین ہوئے وہ یہ تھے۔

اسقف رومہ، مغرب میں ایک ہی بطریق تھا، اس لئے کوئی اس کا حریف و مقابل تھا ہی نہیں، رومہ تمام شہنشاہی کا دارالحکومت تھا، اس لئے یہاں کے پادری کو تمام

وینا کے پادریوں پر بھی ایک طح کی افضلیت حاصل تھی۔ ہر شخص کی نظر بہ آسانی، اس کی اور شہنشاہ کی مماثلت پر جاتی تھی۔ روم کا کلیسا تمام دیار مسیحیت کے حاجتمندوں اور مظلوموں کی مال سے اعانت کرتا رہتا تھا اس خزانہ کا کلید بردار خود اسقف روم ہوتا تھا اس لئے لامحالہ اُسے عالم مسیحی کا محسن تسلیم کیا جاتا تھا اہم مختلف فیہ مذہبی مسائل میں اسقف روم ہمیشہ قدامت کی پاسداری کرتے تھے، اس لئے یہ خیال بھی عام افغان میں قائم ہو گیا تھا، کہ یہ لوگ شرعیات حقہ کے حقیقی محافظ ہیں۔ مشرقی اساقفہ میں، نہ صرف سیاسی، بلکہ مذہبی مسائل کے باب میں بھی عموماً مناقشات گرم رہتے تھے۔ اگر ایسے مواقع پر وہ لوگ اسقف روم کو حکم بناتے تھے۔ رفتہ رفتہ اسقف روم نے اس محاکمہ کا حق اپنے لئے مخصوص کر لیا۔ مجلس سارڈینا (۱۷۴۴ء) میں یہ تجویز ہوا کہ جو لیس اسقف رومہ کو اُس کا مجاز کیا جائے، کہ کوئی پادری اگر اپنے متعلق مجلس کے فتویٰ سے غیر مطمئن ہو تو اس کے سامنے مداخلت کر سکے۔ اس تجویز پر اختلاف ہوا، اس بنا پر کہ یہ اختیار جو لیس کو کبھی پیشتر نہیں حاصل تھا۔ اور مشرقی پادریوں نے تو کمدیا کہ ”یہ ایک مقامی مجلس کا فتویٰ ہے۔ تمام کلیسا کے لئے کیونکر واجب العمل ہو سکتا ہے“ پھر یہ جدید اختیار اگرچہ صرف جو لیس کو شخصی طور پر دیا گیا تھا، لیکن اس کے جانشینوں نے بھی اس پر اپنا حق جتایا اس لحاظ سے مجلس کا فتویٰ

مذکورہ بالا اختیارات اسقف رومہ کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے مجلس نیا (۳۲۵) نے جو کارروائی کی تھی اس کے لحاظ سے تمام بطریقوں (یعنی رومہ، اسکندریہ، انطیوخ، آفیس، قیصریہ، و ہر قلیہ کے اسقف) کی باہمی مساوات لازم آتی تھی مجلس قسطنطنیہ (۳۸۱) نے یہ فیصلہ کیا کہ اسقف رومہ کے بعد اسقف قسطنطنیہ کا مرتبہ تمام اساقفت میں افضل ہے، اسلئے کہ خود قسطنطنیہ کا مرتبہ رومہ کے بعد ہی ہے اس مجلس نے محض یہ لحاظ آداب یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسقف رومہ کا عہدہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ معزز ہے مجلس کالکیڈن (۴۵۱) نے یہ فتویٰ صادر کیا کہ گو اسقف رومہ کا مرتبہ نہایت معزز ہے اس بنا پر کہ رومہ قدیم دارالحکومت ہے تاہم اسقف قسطنطنیہ کا مرتبہ بھی اس سے کم نہیں۔ اس لئے کہ قسطنطنیہ شاہ کاسکس اورینٹ کا مستقر ہے، لیو اعظم، اسقف رومہ نے اس فیصلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی، اس کا استدلال یہ تھا یہ سچ ہے کہ قسطنطنیہ موجودہ دارالحکومت ہے، لیکن کسی شہر کی سیاسی اہمیت کو اس کے پادری کے مذہبی تعزز سے کیا واسطہ؟ مذہبی افضلیت کا معیار یہ ہونا چاہیئے کہ کس حواری نے کلیسا کی بنا ڈالی ہے۔ کلیسا کے رومہ اس حواری کا بنا کر وہ ہے جو تمام حواریوں کا رئیس تھا، یعنی پطرس اور چونکہ وہ سب حواریوں سے افضل تھا، اسکی فضیلت اس کے جانشینوں پر منتقل ہو آئی۔ اسلئے اس کے

جانشین (رومہ کے) پادری اپنے تمام ہمشیموں سے افضل و ممتاز ہیں اور پطرس کے نام لیوا ہونے کی بنا پر اسقف رومہ کو سارے کلیسا کی سرکاری و افسری حامل ہے۔ یہ استدلال جو برابر اس وقت سے آج تک افضلیت اسقف رومہ کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے، اُس کے سب سے پہلے پیش کرنے کا سہرا لیو کے سر ہے۔

چھٹی صدی کی ابتدا میں رومہ کے ایک زاہد ڈائیسیس اگزیرکوس نے دو کتابیں شائع کیں، جن میں سے ایک، مختلف مجالس کنیسہ کے فتاویٰ کا مجموعہ تھا، اور دوسری کتاب پاپاؤں کے مکاتیب و مختلف مسائل پر اقوال تھے ڈائیسیس، پاپاؤں کے اقوال، اور مجالس کنیسہ کے فتاویٰ کو ایک درجہ پر رکھتا تھا، اور چونکہ اس کی دونوں تالیفات مغرب میں نہایت مقبول ہوئیں، ان کے سبب سے پاپا کے اقتدار میں کافی اضافہ ہوا۔

یہ تمام اسباب بالا تو پاپا کے اقتدار میں معین ہو ہی رہے تھے، سب سے بڑھکر اس میں معین وہ کوششیں ہوئیں، جو اس نے مغرب میں بربریوں کو مسیحی بنانے میں کیں۔ اساقف رومہ مسلسل اس سی میں مصروف رہے، کہ ایرین جرمنوں کو راسخ الاعتقاد مسیحی بنائیں، اور جب کلڈوٹوک نے مذہب حقہ کو قبول کر لیا، تو انہوں نے فرانکوں سے خاص اتحاد پیدا کر لیا۔ انگلستان میں شیورع مسیحیت کی جو کوششیں گریگوری اعظم نے کیں، ان کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے۔ پاپا کے یہ نئے

مید، اینگلو سیکسن اس کے بڑے ہی پُر جوش معتقد ثابت ہوئے۔ ان کے ذریعہ سے آئرستان، اسکاچستان، اور اُن تمام جرمن قبائل تک، جو اُسقف رومہ کی سرکاری کے منکر تھے، اور یا تو محض برائے نام مسیحی تھے، یا سرے سے غیر مسیحی تھے مذہب حق کی تعلیمات کو پہنچا دیا، جن کا ایک جزو اُسقف رومہ کی سیادت و افضلیت بھی تھی۔ گیارہویں صدی کے آخر میں اسکاچستان کی ایک اینگلو سیکسن ملکہ مارگرٹ نے کلیسا سے اسکاچستان کو تاملتہ کلیسائے رومہ کا تابع و ماتحت بنا دیا صرف کلیسائے آئرستان و کلیسائے سینٹ پٹرک، رومہ کی محکومی سے آزاد و خود مختار رہ گئے تھے تا آنکہ ہنری دوم (۱۱۵۴ تا ۱۱۸۹) نے آئرستان کے ایک حصہ کو فتح کر کے اسے رومہ کا ماتحت بنا دیا۔

آئرستان کے راہبوں نے انگلستان و اسکاچستان میں تبلیغی کوششیں کیں، اُن کا ذکر کسی گزشتہ باب میں آچکا ہے۔ لیکن ان کی کوششیں صرف انہیں ممالک تک محدود نہیں رہیں ان کی بہت سی تبلیغی جماعتیں، جو عموماً تیرہ اشخاص پر مشتمل ہوتی تھیں، یورپ کے علاقوں میں گئیں، اور فریسی و دیگر جرمن قبائل کے درمیان خاص طور پر کوششیں کیں، کہ ان میں اس وقت تک مسیحیت برائے نام تھی، ان کا نظام کلیسا بہت ہی غیر منضبط تھا، اور یہ لوگ اُسقف رومہ کے تابع نہ تھے آئرستان کے مبلغوں کو اپنی جدوجہد کے اظہار کے لئے

یہ بڑا میدان ملا۔

ایک مغربی سیکسن، وینفرڈ، جو آگے چل کر جونی فیس کے نام سے مشہور ہوا، وہ شخص تھا جس نے جرمنوں میں نظام کلیسا کو مضبوط کیا، اور اسے اُسقفِ رومہ کے ماتحت کیا۔ اس کی ولادت تقریباً ۱۱۰۰ء میں ہوئی، تربیت ایک خانقاہ میں پائی اور تیس برس کی عمر میں اسے پر و ہمت کا درجہ ملا۔ ۱۱۳۰ء میں وہ رومہ گیا، اور وہاں پاپا کا یہ فرمان اسے ملا، کہ وسط یورپ کے جرمنوں میں سچیت و رویت پھیلائے۔ یہ کوئی پانچ برس تک جرمنی میں بویریا سے فیریا تک دورہ کر کے اس کام میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہا۔ ۱۱۵۳ء میں وہ پھر رومہ آیا اور اس بار پاپا نے اسے مشنری پادری بنا کر وہ تمام مراتب اسے عطا کئے، جو خاص رومہ کے پادریوں کے لئے مخصوص تھے گویا اس وقت سے پاپا جرمنی کو کلیسائے رومہ کے ماتحت سمجھنے لگا۔

جونی فیس نے اپنے کام میں پہلے کارل مارٹل اور اسکے بعد پیپن سے امداد حاصل کی اُسے انگلستان سے اشخاص بھی ملے اور زرو مال بھی، جس سے اُس نے جرمنی میں متعدد خانقاہیں تیار کرائیں۔ ۱۱۵۰ء میں مینر کا لاٹ پادری مقرر ہوا اُس نے محاسن منعقد کیں، جن سے کلیسا کا انتظام و انضباط زیادہ پختہ و درست ہوتا گیا، جن میں بدعتوں کا استیصال اور وہم پرستیوں و ضعیف الاعتقادوں کی اصلاح کی جاتی تھی۔ اور

جن کے ذریعہ سے اُسقف روم کے اقتدار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ اہل کلیسا کی معاشرت کی پاکیزگی و اصلاح پر بھی زور دیا جاتا تھا۔ ۱۲۵۷ء میں اُس نے مینز کے لاٹ پادری کے منصب سے استعفا دیدیا، اور اپنے بہت سے رفقاء کو لیکر تبلیغ مذہب کیلئے پھر فریسیا گیا، جہاں اُسے (۱۲۵۷ء یا ۱۲۵۸ء) میں درجہ شہادت نصیب ہوا۔ لیکن اُس وقت تک وہ اپنا مقصد زندگی پورا کرچکا تھا۔ سارا کلیسائے جرمنی مضبوط و منظم ہو کر کلیسائے روم کی ماتحتی میں آچکا تھا۔ اور اب کلیسائے جرمنی سے سیحیت تمام باقی جرمن قبائل، (مثلاً سیکن، ڈین، اہل اسکنڈینیویا اور الب کے مشرق تک سلاویوں) کے درمیان شائع ہوئی۔ اُس طرح اُسقف روم کی افضلیت و سرداری، تمام یورپ میں شائع ہو گئی، اور سیحیت کا ایک لازمی جزو تسلیم کی جانے لگی اس واقعے کو ہم رومن کتھولک تنخیر مغرب سے تعبیر کر سکتے ہیں اس لئے واقعہ یہ ایک بڑی فتح تھی، اور اس حکمت عملی کا نتیجہ، جس کے نتائج تک اُس وقت پاپاؤں کی نظر بھی نہیں پہنچی تھی۔

بولی فیس کی کارگزاریوں کے متعلق سخت اختلاف آرا ہے۔ ایک جماعت اُسے جرمنوں کے درمیان حواری کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ دوسرا گروہ یہ کہتا ہے کہ اُس نے کلیسائے جرمنی کی گروں میں طوق غلامی پہنا دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں مقابلہ شرک و محکومیت روم کا تھا۔ یا تو شرک و بت پرستی کو گوارا کیا جاتا، اور یا رومہ کی محکومی و ماتحتی کہ

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں کون دوسری شق کو نہ قبول کرتا ! چنانچہ یہی بونی فیس نے کیا۔ فرینکوں اور جرمنوں کا کلیسا نہایت ذلیل حالت میں تھا کلیسا کی جائدادیں اکثر دنیا داروں کے ہاتھ میں تھیں، باہم کسی طرح کا ربط و اتحاد تھا، نہ انضباط و انتظام مہر پروہت اپنی اپنی جگہ پر مطلق العنان تھا۔ کثرت سے آوارہ و بد معاش، پروہتوں و زاہدوں کے بھیس میں لوگوں سے حصول زر کرتے پھرتے تھے۔ عوام کے خیالات و اعمال میں شرک و بت پرستی کے کافی اثرات باقی تھے۔ گویا مسیحیت و شرک میں محض برائے نام فرق تھا۔

ظاہر ہے کہ یہ مذہب اور یہ کلیسا ناممکن تھا کہ فرینکوں کو ان کے موجودہ معزز مرتبہ پر عرصے تک قائم رکھ سکے بونی فیس ہی کے مساعی سے اس بد نظمی و استری کا خاتمہ ہوا اُس نے یہ قاعدہ مقرر کیا کہ بلا وجہ موجد کوئی راہب خانقاہ کے باہر نہ جائے آوارہ گرد پادری اپنے صوبہ کے لاٹ پادری کے ماتحت قرار دیئے گئے۔ خانقاہوں میں پوری پابندی کے ساتھ قواعد و ضوابط نافذ کئے گئے۔ تمام پروہتوں پر معاشرت میں سینٹ بینڈیکٹ کی تقلید فرض کی گئی۔ دنیا داروں کے لئے کلیسا کی جائداد پر قابض رہنا ناجائز قرار دیا گیا۔ غرض یہ کہ کلیسا میں مہرپلو سے اصلاح ہوئی، اور فرینکوں کے درمیان اصلاح شدہ مذہب کی اشاعت ہوئی۔ یہ سارے کام بونی فیس نے انجام دیئے اور ان کے لئے اس کی جتنی مدد و ستائش کی جائے

بالکل سجا ہے۔

یہاں تک پاپا کے نہیں اقتدار پر گفتگو تھی۔ اس کے دنیوی و ملکی اقتدار کی تاریخ بیان کرنا اتنا آسان نہیں، اس سلسلہ میں جس میں دو باتیں دیکھنا ہیں۔ ایک یہ کہ پاپا کو رومہ اور اس کے علاقوں میں اقتدار ملے کیونکر حاصل ہوا، دوسرے یہ کہ سارے دیار مسیحیت کی سرکاری اسے کیونکر ملی۔

پادریوں کو روز افزوں ملکی اختیارات قسطنطین ہی کے زمانہ سے حاصل ہونے لگے تھے۔ یہ لوگ حج ہوتے تھے، لوگوں کے اخلاق کے محافظ ہوتے تھے، مجسٹریوں کی نگرانی اور حکومت بلدیہ میں ان کا حصہ تھا۔ یہ اختیارات عام پادریوں کے تھے۔ اُسٹف رومہ کو ان سے کہیں زیادہ حقوق حاصل تھے، یہاں تک کہ سارے علاقہ رومہ میں وہ سب سے بڑا شخص تسلیم کیا جانے لگا۔ شہنشاہ قسطنطنیہ کی مذہبی مداخلت اُسے اپنے معاملات میں سخت ناگوار ہوتی رہی، یہاں تک کہ شہنشاہ کی پیہم بے اعتنائیوں کو دیکھ کر وہ بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ مسئلہ پرتش تصاویر میں اسے پوری طح کھل کھیلنے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ جب شہنشاہ لیو سوم نے تصاویر پرستی کی مخالفت کی، تو پاپا گریگوری ثانی نے علی الاعلان کہا، کہ کلیسا کے عقائد و اعمال کے متعلق تصفیہ کا حق پاپا ے رومہ کو ہے، نہ کہ شہنشاہ کو۔ گریگوری ثالث (۷۳۱ء - ۷۴۱ء) نے ایک قدم اور بڑھایا، اور خود شہنشاہ کے خلاف فتویٰ دیا۔

پاپا اور لومبرڈوں سے جب مخالفت ہوئی تو پاپا نے پہلے

کارل مارٹل، اور پھر پین کے پاس (۵۳ء و ۵۴ء میں) اگر درخواست کی، کہ لومبرڈون کے شر سے محفوظ رہے پین نے اس درخواست کے ادھر دو مرتبہ اٹلی پر حملہ کیا، لومبرڈوں کو مجبور کیا، کہ اپنے علاقہ کا جنوبی ٹکڑا (۵۵ء میں) پاپا کی نذر کر دیں۔ پاپا کے دنیوی اقتدار کی یہیں سے بنیاد پڑتی ہے، اب وہ مشرقی شہنشاہوں سے آزاد ہو گیا تھا، اور اس کی حیثیت روم، اور اس کے اطراف میں دینی و دنیوی دونوں طرح کے حاکم کی تسلیم کی جانے لگی، جس کا بلا دست صرف پین تھا۔

کسی گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے کہ پاپا نے کارل اعظم کی تخت نشینی کر کے شہنشاہ مشرق سے بالکل کھلم کھلا بغاوت کر دی تھی۔ اب اس نے لڈوگ پارسا کو ترغیب دی، کہ وہ اپنی تخت نشینی دوبارہ اس کے ہاتھ سے کرائے۔ ۳۳۵ء میں اس نے لوتھر اور پھر اس کے فرزند لڈوگ ثانی کو تخت نشین کیا ان تمام نظیروں کے قائم ہو جانے سے شہنشاہ کو تاج پہنانے کا حق پاپا کے لئے مسلم ہو گیا اور صدیوں تک مسلم رہا۔

یہاں تک ریاست مسیحیہ کے تذکرہ میں ہم نے شخصیتوں سے تعرض نہیں کیا۔ کیو اول، گرگوری اول، گرگوری ثانی، گرگوری ثالث و نکولس اول (۸۵۸ء تا ۹۰۷ء) بالکل بجا طور سے اس ریاست کے بانی سبانی تسلیم کئے جاتے ہیں، اس لئے کہ پاپا کے اقتدار و حقوق کو دنیا سے تسلیم کرانے والے حقیقتہً یہی لوگ ہوئے ہیں ان میں سے علی الخصوص نکولس اول بڑے زور کا شخص ہوا ہے۔

جس کی شخصیت کی طاقت تمام یورپ کو مسلم تھی۔ اس نے اپنے عہد ریاست کے اعمال و افعال کا اصول اس حقیقت کو رکھا، کہ یہ ساری شہنشاہی کے معاملات کا ذمہ دار ہے، یہ اس کا منتظر نہیں رہتا تھا، کہ کوئی معاملہ اس کے سامنے پیش ہو بلکہ جس کسی معاملہ میں اسے مداخلت کی ضرورت محسوس ہوتی تھی، یہ خود ہی اس میں دخل دینا شروع کر دیتا تھا۔ نکلوس کے زمانہ میں پاپا کو جو عروج و اقتدار حاصل ہوا، وہ اس سے پیشتر کبھی نہیں نصیب ہوا تھا، اور اس کے بعد بھی اس کی نظیر کچھ گریجوی ہفتم کے زمانے کے اور کبھی نہیں ملتی۔ بے شبہ دسویں صدی میں کچھ عرصے کے لئے ایسا معلوم ہونے لگا تھا، کہ روم کے مقامی مناقشات سے یہ ریاست نصرانیہ فنا ہو جائے گی۔ پاپا کو اب جو سیاسی اقتدار حاصل تھا اس کے لحاظ سے ہر بڑے آدمی کے دل میں اس کی طمع پیدا ہو گئی تھی اور اس کے مرتبہ و عظمت کو بالکل پس پشت ڈال کر اسے آوارہ عورتوں اور بدچلن مردوں کا گویا چکلہ بنا دیا گیا۔ دنیوی مرتبہ و اعزاز کے آگے نہایت ودینداری کو طاق نسیاں پر رکھ دیا گیا، اور پاپا اسے بالکل بھول گئے کہ انہیں دوسروں کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ لیکن آٹو اول، آٹو ثالث، وینہری ثالث نے اس شرم انگیز حالت سے نجات دلائی اور پاپاؤں کو یہ یاد دلا دیا، کہ وہ محض دنیوی حاکم نہیں، بلکہ سارے کلیسائے روم کے دینی پیشوا بھی ہیں۔ گیارھویں صدی میں پاپائیت نے اپنے گزشتہ ادعائے ہمہ گیری کو ملحوظ رکھ کر اپنے حقوق و اقتدار پر پھر زور دیا۔ اب اصلاح کلونی کی تحریک شروع

ہو گئی تھی، بابا بھی انہیں خیالات سے متاثر ہوئے بلکہ انہیں کو اپنے آئندہ رفتار عمل کے لئے دلیل راہ بنالیا۔ مجلس پیویا (۱۰۱۸) میں بینڈیکٹ ہشتم نے عمدہ داران کلیسا کے لئے تاہل ناجائز قرار دیدیا۔ اسی طرح بجز پادریوں کے انتخاب کے اور کسی ذریعہ سے کوئی منصب حاصل کرنا بھی ممنوع ہو گیا۔

ہنری ثالث نے باباؤں کا عزل و نصب بالکل اپنے ہاتھ میں رکھا اور ان کے ساتھ بالکل اپنی رعایا کا سا برتاؤ کیا۔ لیکن اس کے آخری زمانے میں لیونیم (۱۰۴۸-۱۵۴۸) نے حصول آزادی کی تحریک کی، جو آئندہ انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔ اس کا تقرر ہنری سوم نے کیا تھا، لیکن اس نے اس تقرر کو ناجائز سمجھا، تا وقتیکہ روم کے پادریوں اور عام خلقت نے اپنے انتخاب سے اس کی توثیق نہ کر دی وہ اٹلی فرانس و جرمنی میں مسلسل سفر کرتا رہا اور دوران سفر میں انعقاد مجالس، فضل خصوصیات، تصفیہ معاملات سب کچھ نہایت آزادانہ و غیر سؤلانہ شان کے ساتھ کرتا رہا۔ وہ صرف اسی پر قانع نہ رہا بلکہ آزادی حقوق میں اس نے ایک قدم اور آگے بڑھایا۔ اب تک ہر پادری محض متوسل کلیسا ہی نہیں بلکہ سرکاری عمدہ دار بھی ہوتا تھا، اور بعض ملکی خدمات انجام دینے پر مجبور رہتا تھا، اس کے علاوہ وہ شہنشاہ کی رعیت بھی، بہ حیثیت اس کے زمیندار اعظم ہونے کے ہوتا تھا، اس لئے کلیسا کی زمین کا وہ لگان بھی ادا کرتا تھا۔ اور شہنشاہ محصول ہنری

کا لیتا تھا، خواہ وہ کلیسا کی ہو یا کسی کی، ان حالات کی بنا پر کوئی پادری اپنے عہدہ پر مقرر نہیں ہو سکتا تھا تا وقتیکہ وہ اطاعت شہنشاہی کا حلف نہ اٹھائے، اور اس کے بعد شہنشاہ سے کلیسا کی اراضی کا ٹپہ نہ حاصل کرے۔ ان تمام مراتب و مراحل میں پاپا کو کسی قسم کا اختیار حاصل نہ تھا۔ لیونہم نے دیکھا کہ یہ شے اُس کے اغراض اور کلیسا کے حقوق کے کس قدر منافی ہے۔ چنانچہ اس نے مجلس ریس (۱۰۴۹) میں یہ فتویٰ شائع کر دیا، کہ پادریوں کے تقرر کا حق صرف پاپا کو ہے۔ گو اس نے اس تجویز کے نفاذ پر زور نہیں دیا۔

رفتہ رفتہ ریاست مذہبی کا اثر بڑھنا شروع ہوا۔ پاپاؤں نے دیکھا، کہ انہیں کیسے نادر مواقع حاصل ہیں۔ اپنے اثر کی جہانگیری کا جو خواب وہ دیکھ رہے تھے، اب اس کی تعبیر نظر آنے لگی۔ پاپا اور شہنشاہ اب پوری طرح ایک دوسرے کو حریفانہ نظروں سے دیکھنے لگے۔ دلوں میں بخار مدت سے بھرا ہوا تھا، اب موادِ خوب پک گیا، اور صرف اس کا انتظار باقی رہ گیا، کہ ذرا چھیڑ ہو جائے پھر مادہ پھوٹ نکلے یہ موقع اُس وقت حاصل ہوا۔ جب ہنری سوم نے ایک شش سالہ بچہ کو اپنا وارث چھوڑ کر وفات پائی۔ ہڈ برانڈ، ایک پاپا کا عہدہ دار اُس وقت ملک کا سب سے زیادہ ذی اثر و زبردست شخصیت کا آدمی تھا، قسمت کی خوبی، کہ تحت نشین بچے کا اتالیق و نگہبان پایا مقرر ہوا۔

باب (۱۰)

پاپائی اور شہنشاہی کے درمیان کشمکش

۱۰۵۶ء - ۱۲۵۴ء

جرمنی میں ہنری چارم کے زمانہ خرد سالی میں تخت نشین ہو جانے سے دربار پوپ کو وہ موقع ہاتھ آگیا جس کا وہ غنط تھا۔ ہنری سوم کی اصلاحات کے زمانہ سے (۱۰۵۶ء) پاپاؤں کی قوت بہت ہی جلد جلد بڑھتی جا رہی تھی، پس ہلڈ براؤن کو متواتر کئی پاپاؤں کے مشیر رہنے کیوجہ سے یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ ان سب کی کوششوں کو اسی ایک مقصد کی طرف منعطف کر دے۔

نقولاس دوم | نقولاس دوم (۱۰۵۹-۱۰۶۱) کا عہد ایسوجہ سے مشہور ہوا کہ اُس نے رابرٹ گسکرڈ سے مخالف ۱۰۵۹-۱۰۶۱ کر یا اور پوپ کے انتخاب کے لئے ایک طریقہ

معین کر کے بذریعہ فرمان اُسے شایع کیا۔ اُسوقت تک پوپ کے انتخاب میں بہت بڑی بیضابطگیاں ہوا کرتی تھیں۔ اصولاً یہ سمجھا جاتا تھا کہ پوپ کا انتخاب پادریوں اور روم کے باشندوں کی طرف سے ہوتا ہے، مگر فی الواقع بارہا ایسا ہوا ہے کہ شہر کے مختلف فریقوں نے پوپ کے انتخاب پر قابو حاصل کر لیا ہے، اور اکثر خود شہنشاہ بھی پوپ کو نامزد کر دیا کرتا تھا۔ ہڈبرائٹ صاف طور پر یہ سمجھتا تھا کہ انتخاب کو عام لوگوں کے اختیار سے نکال لینا چاہئے اسی کے خیالات کے موافق ۱۵۵۷ء میں نقولاس نے باجلاس کونسل یہ فرمان شایع کیا کہ آئندہ سے صرف روم کے ان سات اساقف کو جو کارڈنل کے لقب سے مُلقب ہوتے ہیں پوپ کو نامزد کرنے کا حق حاصل ہوگا اور روم کے پادریوں کو لازم ہوگا کہ اُسی شخص کو قبول کر کے اسی کا انتخاب کیا کریں۔ عام لوگوں کو انتخاب میں کچھ دخل نہ ہوگا البتہ اس منتخب شدہ پوپ کی نسبت شہنشاہ کو غالباً توثیق کا حق حاصل ہوگا مگر استرداد کا حق نہیں ہوگا۔

”کارڈنل“ ایک خطاب تھا جو روم اور اُس کے قرب و جوار کے بہت ہی قدیم و اہم کلیساؤں کے پادریوں کو دیا جاتا تھا خود روم کے تمام کلیسا روم کے اسقف کے ماتحت تھے اور ان کے کار فرما پر سبیطر اور ڈیکن کلاتے تھے۔ انہیں میں کارڈنل پر سبیطر اور کارڈنل ڈیکن وہ لوگ تھے جو بڑے کلیساؤں سے تعلق رکھتے تھے۔ سات کارڈنل اساقف ایسے تھے

کارڈنل

جو اسقف روما کی مجلس شوریٰ کا کام دیتے تھے اور اُس کی عدم موجودگی میں جب وہ شہر سے کہیں باہر ہو اُس کے حدود اسقفی کے تمام معاملات کے یہی سات شخص ذمہ دار ہوتے تھے اور نیز اس کے اہم فرائض منصبی میں اُس کے مبین و مددگار ہوتے تھے اب انہیں سات شخصوں کے اندر پوپ کے منتخب کرنے کا حق محدود کر دیا گیا۔ یہ لوگ پالستیرینہ، پورٹو، اوسٹیا، شکیلوم، کانڈیاسلو، ابلینو، سابینو کے اساتذہ تھے۔ کارڈنوں کے حلقہ انتخاب کے قائم ہونے کی ابتداء یہیں سے ہوئی۔ یہ فرمان انتخاب اس کارنامہ کا زرین ورق تھا جس نے پوپ کو ملکی حکمرانوں کے اقتدار سے آزاد کر دیا۔

جرمنی میں یہ فرمان اسوجہ سے نامنطو ہوا کہ اس میں شہنشاہ کے حقوق تسلیم نہیں کئے گئے تھے۔ فی الحقیقت جرمنی کے اساتذہ کی ایک مجلس نے تقولاس کو معزول کر دیا اور اُس کے انتقال کے بعد پاپائے روما کے مقابلہ میں ایک دوسرے شخص کو پوپ منتخب کر لیا۔ ملکہ ایگنس کسن بادشاہ کی متولیہ مقرر ہوئی تھی لیکن اُس میں انتظام ملک کی یاقوت نہ تھی، انجام یہ ہوا کہ لوگ بادشاہ کو بھگالے گئے اور کولون کا اسقف اعظم متولی مقرر ہو گیا۔ اب حکومت نے نئے پوپ الگزینڈر دوم سے زیادہ مصالحت آمیز برتاؤ شروع کیا اور بالآخر اس کا پوپ ہونا تسلیم کر لیا۔

ہنری چارم | ۱۵۶۸ء میں ہنری چارم کے رشد و بلوغ کا اعلان ہوا اور اُس نے عنانِ سلطنت خود اپنے ہاتھ میں لی۔ وہ ایک مستثنیٰ قابلیت کا شخص تھا اور اگر اُس کی تربیت اچھی ہوئی ہوتی اور اس میں اخلاقی استقامت موجود ہوتی تو اُسکی تایخ کچھ اور ہی ہوتی، لیکن جس مرتبہ پر وہ تھا اُس کی قدر اُس نے کماحقہ نہ جانی۔ اُسے اصلاح کا مطلق خیال نہ تھا۔ وہ اپنا وقت شکار کھیلنے اور عورتوں کی صحبت میں ضایع کیا کرتا تھا اور اُن عورتوں پر زبردستی کرنے کے لئے کلیساؤں کو بوٹتا اور ملکی عہدوں کو فروخت کیا کرتا تھا۔ وہ ایک تکلم پسند و متکبر شخص تھا اور بڑے درجوں کے ڈیوک بہت جلد اُس سے کنارہ کش ہو گئے۔ سیکسنی اُس کے احوار ناشائستہ سے سخت آزرده ہو کر بناؤ پر آمادہ ہو گئی۔ آخر کار ۱۵۶۹ء میں جب اُس نے اپنی ملک کو طلاق دینی چاہی تو بہت ہی نازک حالت پیدا ہوئی، ”ڈاٹ“ نے اس امر کی منظوری دینے سے انکار کر دیا، اور الگزبند دوم کے پاس اُس کی باقاعدہ شکایت کی گئی۔ پوپ نے اُس کی مجلس شوری کے ارکان کو خارج از ملت کر دیا اور خود اُسے روما میں حاضر ہونے کا حکم دیا، لیکن اُس کے تھوڑے ہی دنوں بعد پوپ کے مر جانے سے کچھ دنوں کے لئے اس نزاع کا خاتمہ ہو گیا۔

ہلڈبراند جو کئی پاپاؤں کے عہد میں تخت کے پس پرہ

اصلی طاقت تھا اب خود پوپ بنا دیا گیا اور ظاہریہ معلوم ہوتا ہے کہ عام لوگوں کی خواہش سے ایسا ہوا۔ بظاہر نقولاس کے فرمان انتخاب کا اس اعتبار سے لحاظ نہیں کیا گیا کہ امیدوار پوپ کی نامزدگی کارڈنل اساتذہ کی طرف سے ہونا چاہئے تھی مگر یہاں عام لوگوں نے ہلڈ برانڈ کو اپنے استفا بنائے جانے کا مطالبہ کیا اور روما کے پادریوں نے اُسے پوپ منتخب کر دیا۔ بعد انتخاب اُس نے گریگوری ہفتم کا خطاب اختیار کیا۔ ہلڈ برانڈ کو شخصی طور پر کچھ زیادہ حرص و ہوس نہیں تھی بلکہ پوپ ہونے کی حیثیت سے اس عہدہ کی نسبت اُس کی

گریگوری ہفتم
۱۰۷۳-۸۶

جو رائے تھی اُسی پر اس کے تمام کام بنی تھے۔ وہ کوئی مذہبی عالم نہیں تھا بلکہ ایک مرتبہ تو ایک دوست کی مدافعت میں قریب تھا کہ اُس پر لاندہی تک کا الزام لگ جائے وہ معاملات کو عملی نظر سے دیکھنے والا شخص تھا اور اپنے مقدس عہدہ کی بڑی خدمت اُس نے یہی کی کہ اُس کے دنیاوی مفاد کا بہت خیال رکھا۔ وہ معاملات ملکی کا ایک ماہر و مدبر شخص تھا۔ جو کام کسی طرح نکل نہ سکتا ہو وہ اُسے سمیر یا بر محل و عہدہ و وعید سے نکال لیتا تھا۔ اگر وہ دیکھتا کہ بے دینوں اور لاندہیوں سے اس کا کام نکل سکتا ہے تو وہ اُن سے کام لینے میں بھی دریغ نہ کرتا۔ اقتدارات پوپ کے سوا ہر مسئلہ میں وہ رعایت و مصالحت کرنے

کے لئے آمادہ رہتا تھا۔

اس زمانہ تک شہنشاہی کو روئے زمین پر خدا کی
سلطنت اور شہنشاہ کو اس سلطنت کا سرگروہ سمجھا کرتے
تھے۔ گریگوری نے اس خیال کے باطل ہونے کا اعلان
کر دیا۔ شہنشاہی اس لئے خدا کی سلطنت نہیں ہو سکتی کہ
خدا کی سلطنت کونسی ہے | اُس کی بنا قہر و غلبہ پر ہے
شہنشاہی یا کلیسا ۹ | برخلاف ازین کلیسا کی بنا محض
حق پر ہے جس سے کبھی خطا نرزد

نہیں ہو سکتی۔ غرض گریگوری کی اصل حجت یہ تھی کہ کلیسا خدا کی
سلطنت ہے اور پوپ جو کہ رئیس کلیسا ہے اسے تمام دنیا
پر اختیار مطلق حاصل ہے۔

گریگوری کی علی ذہانت نے اُس کو سمجھا دیا کہ کلیسا
ایک متحد جماعت ہونی چاہئے جس کا نظم و نسق پوری طرح عمل
ہو اور وہ تمام و کمال پوپ کے ماتحت ہو۔
کلیسا کے لئے ایک مرکزی کلیسا کا اتحاد اگر حاصل ہو سکتا
قوت کی ضرورت تھا تو اسی طرح کہ تمام قوتوں کا
مرکز ایک ہی شخص واحد ہو۔

کلیسا بس ایک ہی رائے کا تابع ہو جائے۔ یہ امر اسی صورت
میں ممکن تھا کہ ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی طریق عبادت
ہر جگہ جاری ہو جائے اور تمام پادری براہ راست رئیس کلیسا
یعنی اسقف روم کے تابع فرمان ہو جائیں۔ اسی بنا پر اُس نے

تمام استغفوں سے اس امر کی خواہش کی کہ سب اُس کی اساتذہ پوپ کی وفات کی وفات کی وفات کا حلف اٹھاتے ہیں۔ آقا کی فرمان برداری کا حلف

اٹھاتے ہیں۔ اُس نے پادریوں کو آزادانہ حق اس امر کا عطا کیا کہ وہ بذات خاص اسی کے پاس مرافعہ کیا کریں، اور اس حق کے کام میں لانے کی انہیں جرأت بھی دلائی۔ اُس سے لامحالہ اساتذہ کے اقتدارات کم اور خود اس کے اختیارات زیادہ ہو گئے۔ کلیساؤں کی مجلس عالیہ کے اختیارات اُس نے مرافعہ اس طریق پر لے لئے کہ ہر مسئلہ کا فیصلہ یا وہ بذات خود کیا کرے گا یا اُس کے

وکلا فیصلہ کریں گے۔ اُس کے عہد حکومت میں اُس کے وکلا وہی کام کرتے تھے جو کارل اعظم کے زمانہ میں کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا کام یہ تھا کہ جس سلطنت میں وہ بھیجے وکلائے پوپ جائیں وہاں کے تمام معاملات کی نگرانی پوپ کی جانب سے انجام دیں۔ کلیسا کی

مجلس عالیہ کے کاموں کو اپنے زیر اثر رکھیں اور تمام ممالک کو پوپ کے ساتھ وابستہ کر دیں۔ یہ لوگ گویا اُس کے دست و پا تھے۔ اُس نے اس اعلان کے ساتھ مجلس شوریٰ کو قطعاً اپنے تابع کر لیا کہ وہ مجلس شوریٰ کے بغیر ہر ایک کام کر سکتا ہے مگر مجلس کا کوئی کام اُس کی منظوری کے بغیر بکار آمد

نہیں ہو سکتا۔ اس زمانہ کے چند اہل قلم بھی جو قوانین کلیسا پر خاصہ فہم رکھتے تھے اس امر میں پوپ کے طرفدار ہو گئے۔ اُن اشخاص کا اصول مسئلہ یہ تھا کہ پوپ کو اقتدار مطلق حاصل ہے۔ اور انہوں نے گرگوری کے خیالات کے موافق قانون کلیسا کی اشاعت و ترقی میں پوپ کے فتوؤں کو مجلس شوریٰ کے احکام سے زیادہ موثق و مستند قرار دیا تھا۔

گرگوری ہفتم اور حکام دنیاوی | گرگوری نے ابتدا ہی سے اپنے خیال پر عمل شروع

کر دیا تھا۔ مسئلہ میں اُس نے حکمرانانِ اندلس کو لکھا تھا کہ زمانہ قدیم سے سلطنتِ اندلس سینٹ پیٹر کے حدود حکومت میں داخل رہی ہے اور اگرچہ وحشی قوموں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تھا مگر کسی وقت بھی اس کا تعلق روم کے استقف سے منقطع نہیں ہوا تھا۔ مسئلہ میں اُس نے سالون شاہ ہنگری کے نام ایک خط میں اس بنا پر اس ملک کا دعویٰ کیا کہ بادشاہ اسٹیفن نے یہ ملک سینٹ پیٹر کو دیدیا تھا اور حقیقتہً اپنے قبضہ سے نکال کر اُس کی طرف منتقل کر دیا تھا۔ اسی قسم کے دعوے اُس نے روس، پرائس، بوہیمیا، سارڈینا، کارسیکا اور سیلسنی کے اقتدار کے متعلق بھی کئے۔ اُس نے ایر دلماتیا کو اپنا ماتحت بنا کر اُسے خطاب شاہی سے سرفراز کیا۔ فرانس کی نسبت وہ کہتا تھا کہ اُس پر ایک معینہ خراج ادا کرنا لازمی ہے۔ اُس نے ڈنمارک پر بھی

دعویٰ کیا مگر وہاں کے بادشاہ نے کامیابی سے اُس کی مزاحمت کی۔ ولیم فاتح سے وہ اس امر کا متنبی تھا کہ ملک انگلستان کو اُس کے توابع میں شمار کرے۔ ولیم نے اُس کی سیادت علیا کے تسلیم کرنے سے تو انکار کر دیا لیکن انگلستان سے پیئر کی مقررہ رقم دینے پر راضی ہو گیا۔

روما کی ایک مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۱۷۱ء میں گرگوری نے پادریوں کے لئے شادی کرنے کی بھی ممانعت کر دی اور ایسے ساتھ اوقاف مذہبی کی خرید و فروخت کو خواہ کسی صورت میں ہو ناجائز قرار دیدیا۔ اُس نے ہر ایک اسقف اور رئیس خانقاہ کو یہ دہلی دی کہ اگر وہ کسی دنیاوی شخص کے ہاتھ سے اپنا منصب قبول کریں گے تو وہ خارج از ملت سمجھے جائیں گے، نیز ہر ایک شہنشاہ بادشاہ یا کوئی اور دنیاوی فرمانروا شہنشاہ ہو یا بادشاہ، جو اس قسم کے عہدوں پر کسی کو نصب کرے گا وہ بھی خارج از ملت قرار دیا جائے گا۔

جرمنی سے نزاع | تمام فرمانرواؤں اور خاص کر شہنشاہ پر یہ ایک بہت ہی بڑا حملہ تھا کیونکہ

جرمنی کے پادری شہنشاہ کے خاص معاونین میں سے تھے اور ان کی بڑی بڑی جاگیریں تھیں اگر پوپ اس مقصد کے پورا کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو شہنشاہ کی ساری قوت خاک میں ملٹی ہوتی۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ ہنری کو اُس نے (دسمبر ۱۱۷۱ء)

حکم دیا کہ روما میں حاضر ہو کر اس امر کی جواب دہی کرے کہ گریگوری نے جن بعض اشخاص کو خارج از ملت قرار دیدیا ہے انھیں وہ اپنے دربار میں کیوں رکھتا ہے اور اُس کے ساتھ ہی یہ بھی دیکھی دی کہ اگر آنے سے انکار کرے گا تو وہ خود بھی اُسی لعنت کا مستوجب قرار دیدیا جائیگا ہنری نے پوپ کے اس فعل کو اعلان جنگ کے شل سمجھا اور خود سوانہ جواب دیا۔ دارمز کی مجلس شوریٰ میں ہنری نے پوپ پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے خلاف ضابطہ انتخاب کر لیا ہے اور اُسے معزول قرار دیا۔

پوپ کے طرفدار | اب جنگ چھڑ گئی۔ گریگوری یہ اعتماد کر سکتا تھا کہ جنوب اٹلی کے نارمن،

لمبارڈی کی جماعت عاتہ، شکنی کی ملکہ ملڈا، سیکن، جرمنی کے بدول امرا، فرقہ کلونیاک کے لوگ جو اُس زمانہ میں تمام شہنشاہی کے اندر روز بروز ترقی کرتے جا رہے تھے یہ سب اسکے طرفداروں ہنری کے طرفدار میں ہونگے۔ ہنری کے طرفداروں میں اُس کی وفادار رعایا کا وہ گروہ کثیر تھا

جس پر پوپ کے استغلال کا کچھ اثر نہیں پڑا تھا علاوہ ازیں پادریوں کا ایک بڑا گروہ جن کے دل میں حب وطن بھری ہوئی تھی لیکن جو اوقات کی خویہ و فروخت کرنے کے الزام سے غالباً بری نہ تھے، نیز اطالیہ کی شہنشاہی جماعت یہ سب کے سب اُس کے ہوا خواہ تھے۔

گرگوری کی معزولی کی نسبت ہنری کا (جنوری ۱۵۷۰ء) خط بہت ہی دلیرانہ و گستاخانہ تھا۔ اُس نے یہ لکھا تھا کہ اُس نے گرگوری کی بد اطواریوں کا بہت تحمل کیا کیونکہ وہ چاہتا تھا الزامات اور رفع الزامات کہ کرسی امامت کی عزت باقی رہ جائے، لیکن گرگوری نے

سمجھا کہ وہ اس سے ڈرتا ہے۔ اسی بنا پر اُس نے یہ جرات کی کہ ہنری کو انتزاع سلطنت کی دھمکی دی گویا یہ سلطنت خدا کی دی ہوئی نہیں بلکہ گرگوری کی دی ہوئی ہے۔ ہنری گویا عہدہ فرمانروائی حضرت مسیح کی طرف سے ملا ہے مگر گرگوری نے پوپ کا منصب بغیر مرضی خدا کے حاصل کیا ہے۔ جن ذیلیوں سے وہ اس منصب پر پہنچا ہے وہ چالاکی، رشوت دہی، جبر و تعدی عوام الناس کی ہمدردی اور زیادتی ہے۔ درانحالیکہ وہ امن کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے مگر اُس نے خود امن میں خلل ڈال دیا ہے۔ اُس نے بادشاہ پر جو خدا کا مقرر کردہ ہے، حملہ کیا۔ حالانکہ تمام اولیائے کرام کی تعلیمات کے موافق خدا کے سوا نہ کوئی بادشاہ کو معزول کر سکتا ہے نہ اس سے باز پرس کر سکتا ہے۔ کلیسا نے آج تک کسی بادشاہ یہاں تک کہ جو کین کے سے مرتد و بے دین شخص کو بھی معزول نہیں کیا اور یہی مناسب سمجھا کہ اس کے معاملہ کو خدا کے فیصلہ پر چھوڑ دے۔ سنٹ پیٹر جو کہ اصلی و حقیقی پوپ تھا وہ سب کو حکم دے گیا ہے کہ خدا سے ڈرتے رہیں اور بادشاہ کی تعظیم و تکریم کریں

لیکن گریگوری کو مطلق خدا کا خوف نہیں ہے۔ لہذا اب اُسے لازم ہے کہ سینٹ پیٹر کی کرسی کو خالی کر دے۔ ہنری اور اُس کے یہاں کے اساتذہ گریگوری پر لعنت کا اعلان کرتے ہیں۔ پس اب پوپ کی کرسی پر کسی اور کو بیٹھنا چاہئے جو اپنے منظم کو دین کی عبا کی اندر نہ چھپائے۔ ہنری باتفاق اپنے اساتذہ کے گریگوری کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کرسی کو فوراً خالی کر دے۔

گریگوری کا (فروری ۱۵۲۷ء) جواب بھی ایسا ہی متکبرانہ و پر زور تھا۔ وہ پیٹر اور پال اور تمام اولیائے کرام کو گواہ قرار دیتا ہے، کہ رومن کلیسا نے پوپ کا منصب بزور اُسے دیا ہے، اُس نے اپنی خوشی سے اس عہدے کو قبول نہیں کیا ہے۔ یہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ تمام عالم عیسوی اُس کی حفاظت میں دیدیا گیا ہے۔ چونکہ ہنری نے اپنے ناگفتہ بہ غور میں کلیسا سے بغاوت کی اس لئے پوپ، سینٹ پیٹر اور خدا کی مدد پر بھروسہ کر کے ہنری کو مفسول کرتا ہے، اس کی تمام رعایا کو اُس کی اطاعت سے بری کئے دیتا ہے، اور چونکہ ہنری کو اپنے دعویٰ پر اور پوپ کی نافرمانی کرنے پر اصرار ہے اس لئے پوپ اُسے ملت سے بھی خارج قرار دیتا ہے۔ اُسے امید ہے کہ سینٹ پیٹر کی توجہ سے پوپ کی لعنت اُس پر (ہنری) پھٹ پڑے گی تاکہ تمام دنیا کو معلوم ہو جائے کہ پیٹر ایک ایسا بنیادی پتھر

ہے جس پر کلیسا کی بنا قائم ہے اور دوزخ کے دروازے بھی اس پتھر کے سامنے کچھ کام نہیں آسکتے۔ اس قسم کی باتوں کا گریگوری کی زبان سے نکلنا درحقیقت ایک نئی بات تھی، آج تک نہ کسی پوپ نے ایسے دعوے کئے تھے نہ شہنشاہ سے کبھی ایسی زبان درازی کی تھی۔ اب پہلی مرتبہ علانیہ یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ شہنشاہی بھی کلیسا کے تابع میں ہے۔

پوپ کی اس کارروائی سے اُمراء جرمنی کو یہ جرات ہو گئی کہ مقام ٹیریر میں (بمابہ اکتوبر ۱۹۱۷ء) انھوں نے ایک مجلس منعقد کی اور اس میں بادشاہ کو شرکت کی اجازت نہ دی۔ اس مجلس نے کچھ شرائط پیش کئے جو اقرار نامہ اپنی جم کے نام سے مشہور ہیں اور ہنری کو کچھ پس و پیش کے بعد آخر اسے قبول کرنا پڑا۔ اس نے یہ اقرار کیا کہ وہ مقام اسپیر میں ٹھہرا رہے گا اور سال آئندہ کی فروری کے قبل ہی قبل پوپ سے صلح کر لے گا، تمام شاہی امتیازات کو ترک کر دیگا گویا بادشاہی سے دست بردار ہو جائے گا اور فروری ۱۹۱۸ء ہنری چہارم کی معزولی میں مقام آگسبرگ میں اس کونسل کے سامنے حاضر ہوگا جس کا

صدر پوپ ہوگا۔ اس سے بڑھ کر گریگوری کی خوشی کی کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ جرمنی میں جا کر وہاں کی قومی کونسل کا صدر ہو اور بادشاہ کے الزامات کی سماعت کرے لیکن ہنری کو کسی طرح یہ منظور نہ تھا کہ ایسا ہو سکے گریگوری

درحقیقت جرمنی میں جانے کے ارادے سے روانہ ہو گیا لیکن لمبارڈی سے گزرنے کے لئے ابھی بدرقہ کے انتظار ہی میں تھا کہ یہ خبر سن کر گھبرا گیا کہ ہنری، اسپیر سے بھاگ نکلا اور اس کڑا کے کے جاڑون میں کوہ آپلس کے پار اتر کر لمبارڈی میں پہنچ گیا ہے، جہاں لوگوں نے بہت ہی محبت سے اُسکا خیر مقدم کیا ہے، گرگوری اس وہم میں پڑ گیا تھا کہ نہ مسلم ہنری صلح کے ارادہ سے آیا ہے یا جنگ کی نیت سے۔ اس لئے وہ قلعہ کینوسا میں ٹھہر گیا کہ دیکھے کیا ظہور میں آتا ہے۔

قلعہ کینوسا

اُسے اطلاع دی کہ وہ صلح کرنے اور معافی مانگنے کے لئے آیا ہے۔۔۔ پوپ نے ملاقات کرنے سے انکار کر دیا اور کلا بھیجا کہ وہ جرمنی میں واپس چلا جائے اور اس اقرار نامہ کے مطابق جو اُس نے اپنے اُمرا کے ساتھ کیا ہے مقام آگسبرگ میں حاضر ہو۔ لیکن آخر بہت ہی عجز و الحاح کے بعد پوپ نے اُس کی بات مان لی، اپنے پاس آئیکلی اجازت بھی دی اور لعنت سے بھی اُسے پاک کر دیا۔

ہنری نے گرگوری کو چکا دیا | ہنری کو خفت تو بے انتہا اٹھانی پڑی لیکن وہ اپنا کام کر گزرا

اخراج عن ائمت کی منعت سے اُسے آزادی مل گئی اور اس طرح اُس نے اپنی بدخواہ رعیت کو اپنے خلاف ہر قسم کی قانونی حجت سے محروم کر دیا۔ گرگوری کی سب سے بڑی فتح یہ ہوتی

کہ وہ جرمنی میں جا کر قومی مجلس کی صدارت کرتا اس سے بھی اُسے باز رکھا۔ اُس کے مقابلہ میں گرگوری نے اپنی قوت و شوکت کا اظہار اس طرح کیا کہ شہنشاہ کو عذر خواہوں کی طرح اپنے دروازہ پر کھڑا رکھا۔ شہنشاہ سے اس ذلت کا اثر اگرچہ پوری طرح کبھی رفع نہیں ہوا لیکن حقیقت میں پوپ کا نشانہ بھی خطا کر گیا۔ لوگ اُس کو ضرورت سے زیادہ سخت گیر و بے رحم سمجھنے لگے۔ اگرچہ اس وقت دنیا یہی سمجھی کہ پوپ کو فتح حاصل ہوگئی لیکن حقیقت میں فتح ہنری کو حاصل ہوئی کیونکہ اسی وقت سے ہنری کی طاقت بڑھنے اور گرگوری کی طاقت گھٹنے لگی۔

یہ بات بہت جلد کھل گئی کہ ہنری اپنی عذر خواہی اور عہد و پیمان میں راستباز نہیں تھا کینوسا کی طرف جب وہ آ رہا تھا تو راستہ ہی میں وہ گرگوری کے خلاف سازشیں کرتا ہوا آیا اور جرمنی میں پہنچتے ہی اُس نے اندفاع کی تدبیریں شروع کر دیں۔ اُس کے معاونین خاصکر ”سیکسن“ اور ”سوامین“ برابر اُس کی مخالفت کرتے رہے۔ یہ لڑائی برسوں ہوتی رہی اس اثنا میں پوپ نے پھر ہنری سے قطع تعلق کر کے اسے ملعون قرار دیدیا اور دو بادشاہ بھی اُس کے مقابلہ میں بنائے گئے مگر آخر کار قسمت نے یادری کی اور جرمنی میں ہنری فقیہ ہو گیا۔ اب اُس نے ایک شخص کو پوپ کا منصب عطا کر کے گرگوری کو معزول کرنے کے لئے اٹلی پر فوج کشی کر دی۔ تین برس کے جدال و قتال کے بعد وہ روم پر

گرگوری ہفتم کو روما سے بھاگنا | قابض ہو گیا اپنی اور اپنی ملکہ
پڑا اور اس کا انتقال ہو گیا | کی تاجپوشی کی رسم ادا کی اور
۱۰۸۵ء
محصور کر لیا۔ گرگوری نے اس

دوران میں اپنے ایک بڑے ہوا خواہ رابرٹ گسکارڈ کو
ملک پر طلب کیا تھا وہ اب ایک لشکرِ جرار لے ہوئے آ پڑا،
ہنری کو روما سے نکال دیا، پوپ کو بچا لیا، اور اپنی نارہن
فوج کو شہر کے لوٹنے کی اجازت دیدی۔ اس ظلم کو دیکھ کر
تمام لوگ اس درجہ برہم ہوئے کہ گرگوری کا اب شہر میں ٹھہرنا
مشکل ہو گیا۔ وہ انہیں نارمنوں کو ساتھ لے ہوئے جنوب
کی طرف نکل گیا اور شہر میں سرتنوں میں انتقال کر گیا۔

گرگوری ہفتم کیا کیا کام کر گیا | گرگوری نے دعوے بہت
بڑے بڑے کئے مگر ان کو

بنا نہ سکا۔ اُس نے ولیم فاتح اور فلپ اولی (شاہِ فرانس)
کے ساتھ مراعات کا اظہار کیا اور ان دونوں کو بدستور
پادریوں کے نصب کرنے کے حقوق حاصل رہے۔ ہنری چہام
نے اکثر اعتبار سے اس کے خلاف اپنے دعاوی کو قائم رکھا
اندلس میں گرگوری کے سفیروں سے بدسلوکی کی گئی اور
وہ خود بھی غریب الوطنی کی حالت میں دنیا سے چل بسا
مگر اس طریقہ کی بنا اُسی نے ڈالی کہ تمام ممالکِ یورپ
میں پوپ کی طرف سے وکیل بھیجے جانے لگے۔ اُس نے

مجلس شوریٰ کے اقتدار پر اپنے اقتدار کو مقدم رکھا۔ عام پادریوں کو یہ اختیار دیئے کہ وہ پوپ کے پاس مرافعہ کیا کریں، اُس نے اساتذہ کی خود مختاری کو توڑ دیا۔ اُس نے پادریوں کا مجرد رہنا لازم مذہبی سے قرار دیا۔ اسی نے کارڈینالوں کا حلقہ انتخاب قائم کر کے اقتدارت پوپ کو دنیاوی مداخلت سے خواہ شہنشاہ کی ہو خواہ اہل روم کی، آزاد کر دیا۔ مختصر یہ کہ پوپ کے دعویٰ اختیار مطلق کو اُس نے، منضبط کر دیا اور زمانہ آئندہ کے لئے اُس کی ایک روش معین کر دی۔

اربن دوم | اربن دوم (۱۰۸۷-۱۰۹۹) نے لڑائی جاری رکھی اور اچھے نتائج حاصل کئے۔ اُس نے بوریہا کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور لمبارڈی کو ہنری سے جدا ہو جانے پر آمادہ کیا۔ خود ہنری کے بیٹے کونارڈ نے اپنے باپ سے دغا کی، اور پوپ کے فریق سے مل گیا اور اس فریب و دغا کے حیلے میں یہ لمبارڈی کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ ۱۰۹۹ء میں اربن دوم نے اٹلی اور فرانس میں فاتحانہ شان سے سفر کر کے اپنی فتح کا جشن منایا۔ آخر عمر میں ہنری چہارم کی زندگی کو اس کے دوسرے بیٹے ہنری کی بغاوت نے تلخ کر دیا۔ اُس نے لڑا کر باپ کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا لیکن تخت پر بیٹھے ہی ہنری پنجم (۱۱۰۶-۱۱۲۵) نے پوپ کے فریق سے قطع تعلق کر لیا۔ اپنے باپ کے مشیروں کو اور باپ کی حکمت عملی کو اپنا مقصود قرار دیکر پوپ سے فساد و نزاع

پھر تازہ کر دی۔ کتنی ہی دفعہ اتفاق باہمی کی کوششیں کی گئیں مگر آخر یہ مرحلہ (۳۳۱) کانٹارڈیٹ (صلح) وارمز سے وارمز کی کانٹارڈیٹ (صلح) ملے ہوا۔ اس صلح کے شرائط

حسب ذیل قرار پائے شہنشاہ نے یہ روا رکھا کہ پادریوں کو اختیار روحانی پوپ کی طرف سے عطا ہوا کرے جس کی علامت انگشتی و عصا ہو۔ دوسری طرف یہ قرار پایا کہ تمام اساقف اور روسائے خانقاہ قانوناً شہنشاہ یا اس کے نمائندوں کی حضوری میں منتخب کئے جایا کریں لیکن اختلاف کی صورت میں فیصلہ شہنشاہ کرے۔ پادریوں کو جاگیر دینا اور ملکی و عدالتی عہدوں پر فائز کرنا شہنشاہ سے متعلق ہو۔ اُس کی علامت وہ شاہی عصا تھا جیسا عام جاگیرداروں اور دنیاوی حاکموں کے پاس ہوا کرتا تھا۔

ہنری پنجم نے مشرقی سرحد کی وحشی قوموں کی نسبت آٹو اعظم کی حکمت عملی کو پھر تازہ کیا کہ نیمبرگ کے اسقف آٹو کو تبلیغ دین کی ہمت دلائی جس کے جوش مساعی نے پورمینیہ کی قوم سلیوز کو عیسائی کر کے جرمنوں کے ساتھ ملا دیا۔ اُمرا کی جو مخالفت اُس کے ساتھ تھی وہ اس امر کی طرف منبر ہوئی کہ اُس نے جرمنی کے شہروں کو جنگی قوت و دولت برابر بڑھتی جاتی تھی اپنا طرفدار بنا لیا تاکہ اُن کو اُمرا کے مقابلہ میں کھڑا کر دے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل شہر کی قوت و ہمت کو مبہم طور پر اُس نے سمجھ لیا تھا

اور اسی لئے اُن لوگوں کے متفق کرنے میں اہتمام بلیغ سے کام لیا۔ ہنری پنجم کے مرنے کے بعد اُس کی جانشینی لوٹھر سیکسنی؟ کے لئے امیر سیکسنی لوٹھر کا انتخاب ہوا۔ اُس کے ۱۱۲۵-۱۱۳۸ منتخب ہونے کی بڑی وجہ یہ ہوئی کہ اُس نے پوپ کے طُفداروں کے خاطر خواہ شرائط منظور

کر لئے تھے اور اس بات کا اقرار کر لیا تھا کہ اپنے عہد دولت میں منافع کلیسا کا لحاظ رکھے گا۔ بلکہ اُس نے پوپ سے یہ بھی درخواست کی کہ وہ اس کے انتخاب کی تصدیق کر دے۔ ۱۱۳۸ء میں دو پوپ منتخب ہو گئے، جس سے یہ

اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں یہ منصب ہی درہم برہم نہ ہو جائے ان دونوں منتخب شدہ اشخاص میں سے انٹوسنٹ دوم (۱۱۳۰-۱۱۴۳) فرانس پہنچا جہاں اُس نے خانقاہ کلیرواکس کے رئیس برنارڈ کی (جو یورپ بھر میں بڑا ہی ذی اثر شخص تھا) حمایت حاصل کر لی۔ برنارڈ ہی کے اثر سے فرانس و لوٹھر اور انٹوسنٹ دوم جرمنی دونوں ملکوں کے بادشاہ انٹوسنٹ کے معین و مددگار

ہو گئے۔ بلکہ لوٹھر (شاہ جرمنی) نے تو اہلی میں آکر بزور شمشیر شہر روم میں انٹوسنٹ کے قدم چما دئے۔ انٹوسنٹ نے اُس کے صلے میں لوٹھر کو تاج شہنشاہی سے سرفراز کیا اور حکومت سکسنی کا خلعت بھی اُسے عطا کیا۔ اس فوجی جاگیر کے قبول کر لینے سے لوٹھر بھی پوپ کی جاگیر دار رعایا میں داخل ہو گیا۔

اب پوپ کو یہ خواہش پیدا ہوئی کہ شہنشاہ پر جو فتح اُسکو حاصل ہوئی ہے اُس کو جہاں تک ہو سکے عظیم اشان کر کے دکھائے۔ چنانچہ لوٹھر کی طبیعت کو اطاعت و انقیاد کی طرف مائل دیکھ کر پوپ نے ایک تصویر بنوائی جس میں شہنشاہ اُس کے سامنے گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے اور پوپ کے ہاتھ سے تاج شہنشاہی لے رہا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ اس تصویر سے یہ ظاہر ہو کہ شہنشاہ کا تاج شہنشاہی پوپ کا عطا کیا ہوا ہے۔

انٹوسنٹ کے مخالف پوپ، انا کلیٹ دوم کی اعانت پر روبر دوم (ایرسل) اس شرط سے آمادہ ہو گیا کہ اُسے سلی کا بادشاہ بنا دیا جائے۔ روم پر انٹوسنٹ کے قابض سلی میں قیام پاوشاہت (۱۱۳۵) ہو جانے کے بعد بھی روبر لوٹھر کا اسے تسلیم کر لینا (۱۱۳۹) اُس کی مخالفت کرتا رہا۔ اس ہم کے سر کرنے کے لئے

انٹوسنٹ نے لوٹھر کو طلب کیا لیکن لوٹھر کی جنگ کا انجام بہت برا ہوا اور انٹوسنٹ کو مجبور ہو کر روبر سے صلح کر کے اُس کی بادشاہی کو تسلیم کر لینا پڑا۔

کونارڈ سوم لوٹھر کے مرنے کے بعد ہونٹافن کے خاندان میں سے کونارڈ سراسر خلاف قاعدہ اسکی جانشینی کے لئے منتخب ہو گیا۔ لیکن وہ اس قابل نہ تھا کہ ملک کو سنبھال سکے۔ در اخالیہ ملک میں بے انتظامی

پھیل رہی تھی اس پر بھی وہ جنگ صلیبی میں جانے کو آمادہ ہو گیا۔ اُس کی غیبت میں ملک کے اندر ظلم، خانہ جنگی، سیاسی تفرقہ اندازی اور بھی زیادہ ہو گئی۔ ۱۱۹۰ء میں وہ جنگ سے پھرا اور اس عہد کی پریشانیوں پر یہ اضافہ کیا کہ امیر سیکسنی، ہنری (شیردل) سے جو نہایت مقتدر تابعان شاہی میں تھا جنگ چھیڑ دی۔ غرض اس کے عہد حکومت کا خاتمہ بہت بری طرح ہوا۔

فریڈرک اول | اس کے بعد اس کا بھتیجا فریڈرک اول جو باربروسا کے نام سے مشہور ہے شاہی

کے لئے منتخب ہوا (۱۱۵۲-۱۱۹۰) چونکہ یہ بادشاہ بویریا اور سویٹیا دونوں خاندانوں سے تعلق رکھتا تھا جن میں آپس میں

عداوت چلی آتی تھی، اور جو گلف (Gulf) حامیان پوپ (Guelf) اور گبیلین (Ghibelline) شہنشاہ (Ghibelline) کہلاتے تھے،

اس سبب سے لوگوں کا خیال تھا کہ ان دونوں خاندانوں کی عداوت و نزاع اُس کی وجہ سے رفع ہو جائے گی۔

لیکن اگر وہ اس دشمنی کو رفع نہ کر سکا تو اس میں اسکا کچھ قصور نہ تھا۔ وہ ہر طرح پر یہ چاہتا تھا کہ اپنے مخالفوں

سے موافقت کر لے۔ چنانچہ ہنری (شیردل) کو اُس نے بویریا کا ملک واپس کر دیا۔ اور دوسرے طریقوں سے بھی

اُس کے ساتھ مراعات کی اور حقیقت یہ ہے کہ ہنری کیلئے شکایت کا کوئی پہلو نہ چھوڑا سوا اس کے کہ بادشاہی

فریڈرک کے دو مسلک سیاسی

اس کو نہ مل سکی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ امور سیاسی میں فریڈرک

کے دو مسلک تھے ایک بادشاہ جرمنی ہونے کی حیثیت سے، دوسرے تمام عالم کا شہنشاہ ہونے کی حیثیت سے۔ وہ چاہتا تھا کہ تمام ملک کا انتظام یکساں کر کے اور ظلم و تعدی کا استیصال کر کے جرمنی کو ایک متحدہ سلطنت بنا دے۔ شہنشاہ کی حیثیت سے اُس کا صرف یہ ایک مُنتہائے خیال تھا کہ اہل روم کی سی قدیم شہنشاہی پھر قائم کر دے۔ روم کے سلاطین عظام کو وہ اپنی فرمانروائی کا نمونہ سمجھتا تھا۔ گیارہویں صدی میں قوانین روم کا مطالعہ پھر رواج پانے لگا اور فریڈرک اسے خود اپنے کام میں لانے لگا۔ اس نے اپنے دربار میں ایسے لوگوں کو جمع کیا تھا جو جُستین کے مسودات میں مہارت رکھتے تھے اور انہیں کی صحبت میں فریڈرک میں وہ خیالات پیدا ہو گئے جنکو اُس نے اپنی شہنشاہی میں عمل میں لانیکی کوشش کی۔ ان مُعْتَمَدوں کے دلوں پر اہل روم کے مطلق العنان قانون کا سکہ بیٹھا ہوا تھا اور انہوں نے فریڈرک کے سامنے پیش کرنے کے لئے ایسے اصول منتخب کئے جن سے اقتدار اعلیٰ کی ہوا اور بھی اس کے دماغ میں بھر گئی۔ انہوں نے اس سے کہا کہ بادشاہ کی مرضی ہی عین قانون ہے اور شہنشاہ ہی تمام دنیا کا مطلق العنان حکمران

ہے۔ مگر فریڈرک کی مطلق العنانی کا سبب اصل شخصی قوت و اقتدار کا شوق نہیں تھا، بلکہ اپنے عہدہ و منصب کا جو تصور اُس کے ذہن میں تھا یہ مطلق العنانی اسی منطق کا ایک نتیجہ تھی۔

۱۵۴۰ء میں فریڈرک کوہِ آلیس کے پار ہو کر لمبارڈی میں داخل ہوا اور رائٹلنگین کے مشہور و معروف میدان میں خیمہ زن ہو کر ایک ”ڈاٹ“ (قانونی مجلس) کے اجتماع کا اعلان کیا اور لمبارڈی کے تمام شہروں میں یہ حکم بھیجا کہ اپنے اپنے کانسٹبلوں (رئیسوں) کو شہنشاہ کی خدمت میں بھیجیں۔ اکثر شہروں نے اُس پر عمل کیا لیکن ملان اور اُس کے بعض طیفوں نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ اُس زمانہ میں ملان کی ملامت حرکتوں کی وجہ سے اُس کے اور دوسرے چھوٹے چھوٹے شہروں کے درمیان جگڑے پڑے ہوئے تھے۔ اسی سلسلہ میں پیویا نے فریڈرک سے ملان و ٹارٹونا کے خلاف فریاد کی۔ اور جب ٹارٹونا نے اُس کے احکام کی بھی کچھ پروا نہ کی تو فریڈرک نے اُس کا محاصرہ کر لیا اور اسے تباہ و تاراج کر کے چھوڑا۔ ملان اس وقت اس سبب سے بچ گیا کہ فریڈرک، روما کی طرف متوجہ ہو گیا۔

روما والے اس بات کو بھولے نہ تھے کہ ایک زمانہ میں انھیں کا شہر عروسِ ابلاد تھا، وہ ہر طرح کی حکومت سے خواہ وہ شہنشاہ کی ہو یا پوپ کی، بیچیں رہتے تھے۔ انہیں

خواہش یہ تھی کہ شہر کو اگلی سی قوت و آزادی پھر حاصل ہو جائے اور وہ شہر کو اُس کے اگلے زمانہ کے سے سرمایہ ناز مرتبہ پر واپس لانے کا خواب دیکھا کرتے تھے۔ یہی سبب تھا کہ وہ اکثر پوپ کی مخالفت کیا کرتے۔ پوپ کی سیادت ان کے سیاسی خیالات اور آرزوؤں سے متضاد واقع ہوئی تھی۔ چنانچہ ۱۷۸۹ء میں عامہ غلامت اور ادنیٰ درجہ کے روسا نے خروج کر کے، پوپ کو نکال دیا اور بنیال خود شہر میں قدیم زمانہ کا سانظم و نسق پھر قائم کیا۔ اس کے دو برس بعد بریسیا کا قسٹس آرنالڈ، روامیں آیا اور بہت جلد شہر میں سب سے بڑا صاحب اثر شخص بن گیا۔ یہ شخص فرانس میں رہا تھا اور مکملہ اعظم اسیلارڈ آرنالڈ ساکن بریسیا کے خیالات کو سن کر انہیں اختیار کیا تھا اور چاہتا تھا کہ ان خیالات پر عمل ہوتے ہوئے دیکھے۔ روام کی (۱۷۸۹ء کی) بغاوت کا حال سکر اس کی پسلی پھڑکی اور اُسے اپنی مطلب برآری کے لئے موزوں سمجھ کر پکتے ہوئے شعلے کی طرح اس طرف دوڑ پڑا۔ اس کا نظام عمل کسی قدر طول طویل تھا۔ امرا کے مقابلہ میں اُسے عوام الناس سے ہمدردی تھی۔ اُس کے دماغ میں وہی خیال سمایا ہوا تھا جو کلیسا میں کئی دفعہ ظاہر ہو چکا تھا اور غمگین سینٹ فرانس کے مرکزی اصول اصلاحی میں شامل ہونے والا تھا یعنی

صاحب جائداد ہونا گناہ ہے۔ اُس نے یہ اعلان کر دیا کہ زمین پر اُمرا کا قبضہ نہ رہنا چاہئے بلکہ اُسے جائداد مشترک ہونا چاہئے۔ ہر شخص کو حق ہے کہ زمین کی ایک مقدار معین کو کام میں لائے۔ چونکہ شخصی قبضہ گناہ ہے اسلئے کلیسا کو لامحالہ بے جائداد رہنا چاہئے۔ مگر وہ اس سے ایک قدم اور آگے بڑھ گیا اور یہ اعلان کیا کہ فرداً فرداً بھی ہر شخص کو محتاج رہنا چاہئے۔ اُس نے پادریوں پر گناہگار اور دنیا دار ہونیکا الزام لگایا۔ اُس کی نظر میں پادریوں کے دامن پر یہ بڑا دہبہ تھا کہ ملکی انتظامات میں وہ اسقدر زیادہ شریک رہتے تھے۔ اس کا قول تھا کہ »وہ پادری جو صاحب جائداد ہیں وہ اساتذہ جو حشم و خدم رکھتے ہیں، وہ راہب جو کسی قسم کی ملکیت رکھتے ہیں ان میں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا« کلیسا میں کامل اصلاح کی ضرورت تھی اور اُس کی ابتدا پوپ سے ہونا چاہئے تھی۔ آرنالڈ نے یہ مطالبہ کیا کہ کلیسا کو اپنے تمام مقبوضات سے ہاتھ اٹھا لینا اور محتاجی کی حالت میں رہنا چاہئے۔ اس کا قول تھا کہ مسیح کا مقرر کیا ہوا قانون یہی ہے۔ اس کے وعظ سے جوش میں آکر بازاری ہنگامہ کرنے والوں نے خانقاہوں کو لوٹنا شروع کر دیا کیونکہ جب پادریوں کا صاحب جائداد ہونا ہی جائز نہیں تھا تو اُن کی جائدادیں فوراً اُن سے چھین لینا چاہئے تھیں

۱۵۳۵ء میں نقولاس بریک اسپیر پوپ کی جگہ کے لئے

منتخب ہوا اور اس نے ہیڈریس چارم کا لقب اختیار کیا۔
ہیڈریس چارم | انگریزوں میں یہی ایک شخص ہے جو سینیٹ پیٹر
 ۱۱۵۳-۱۱۵۹ کی کرسی پر بیٹھا ہے۔ اُس نے جرأت کر کے
 شہر کے جمہوری فریق کے ساتھ تنازع شروع
 کر دیا، وینکس (محل پوپ) پر قبضہ کر لیا اور اُسکے گردا گرد
 خندق کھدوا کر قلعہ بند ہو گیا، تمام شہر پر حکم تعلق جاری
 کر دیا (یعنی ماسم مذہبی کی بجائے آوری بند کر دی) اور جب تک
 آرنلڈ شہر سے نکال نہ دیا گیا اس حکم کو برطرف نہیں کیا۔ آرنلڈ
 کے نکل جانے سے شہر والوں کا سب سے بڑا سرغنہ
 جاتا رہا۔

بس اسی موقع پر فریڈرک باربروسا اٹلی میں آیا پوپ
 اُس کی ملاقات کو گیا، آرنلڈ پر الزام قائم کئے اور اُس کے
فریڈرک اول روما میں | قتل کا مطالبہ کیا۔ فرقہ جمہوریہ
 نے بھی اپنی سفارت فریڈرک
 کے پاس بھیجی اور یہ کھلا بھیجا کہ شہنشاہی کی تمام قوت
 اہل روما کی بدولت ہے اور یہاں کے سب لوگ اُسے
 اپنا شہنشاہ بنانے کے خواہشمند ہیں صرف یہ شرط ہے
 کہ وہ اس بات کا حلف اٹھائے کہ شہر اور عمدہ داران شہر
 کے حقوق کا احترام کرے گا اور ایک کثیر رقم انھیں
 ادا کرے گا۔ اُن کی اس گستاخی پر فریڈرک براہم ہو گیا،
 اور کھلا بھیجا کہ کارل اعظم اور آٹو اول نے فاتحانہ قوت سے

خطاب شہنشاہی حاصل کیا تھا۔ روم کی شان و شوکت ایک گزرا ہوا قصہ ہے، اُس کی ساری شہمت و قوت اہل جرمنی کی طرف منتقل ہو گئی ہے، مفتوح قوم کو اپنے آقا کے سامنے شرائط پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ لیکن ہیڈرین چاہے اس امر پر آمادہ تھا کہ فریڈرک سے کچھ اس سے بہتر شرائط کر لے وہ شہنشاہ کو تاج شہنشاہی پہنانے پر راضی تھا بشرطیکہ شہنشاہ روم میں اُس کی جگہ اُسے واپس دلا دے اور آرنلڈ کو اُس کے حوالے کر دے۔ اسی قرار داد کے موافق فریڈرک کو تاج پہنایا گیا اور سارا شہر بزور مغلوب کر لیا گیا۔ آرنلڈ گرفتار ہو گیا اور ہیڈرین کے حکم سے انبار ہیزم پر ایک محلہ کی طرح سے جلا دیا گیا۔

فریڈرک اور ہیڈرین کے تعلقات بھی پوری طرح قابل المیہ نہ رہے۔ دونوں کی پہلی ہی ملاقات کے موقع پر فریڈرک نے ہیڈرین کی رکاب تھامنے سے یہ کلمہ انکار کر دیا کہ بادشاہوں کے لئے یہ امر زیبا نہیں ہے۔ ہیڈرین اس سے بہرم ہو گیا اور اُس نے امن عطا کرنے کے لئے فریڈرک کو بوسہ نہیں دیا۔ یہ نزاع آخر رفع کر دی گئی مگر محض عارضی طور پر حقیقت شہنشاہ اور پوپ کے دعاوی ہی میں ایسی نقیض واقع تھی کہ دونوں میں صلح کا رہنا ممکن نہ تھا۔

بڑا انسان میں جو واقعہ گزرا اُس نے دونوں گروہوں کی افتاد طبیعت کو ظاہر کر دیا اور یہ دکھا دیا کہ کس قدر جلد طوفان

برپا ہونے والا ہے۔ لندن کا اسقف اعظم اسکل روم میں آیا
 بڑا انسان کا واقعہ ہوا تھا، اور جب وہ برگنڈی کے راستہ
 سے واپس جانے لگا تو اسے لوگوں نے

۱۱۵۷

لوٹ مار کر گرفتار کر لیا اور قید میں رکھا،
 فریڈرک کو اگرچہ یہ خبر پہنچی مگر اُس کو رہائی دلانے کی کوئی
 فکر اُس نے نہیں کی اور نہ ان لوگوں کو سزا دی جنہوں نے
 یہ ظلم کیا تھا۔ فریڈرک کی اس بے پروائی کا ایک ہی سبب
 ہو سکتا ہے کہ وہ اسکل کی اس بات سے آزرده تھا کہ
 کلیسائے اسکندینیویا کو آزادی کی ہوس دینے لگی تھی اور اسکل اس معاملہ
 میں اُس کی مدد کر رہا تھا۔ یہ ایسی ہوس تھی جس کے پردے
 میں بلاشبہ قومی منافرت بھی چھپی ہوئی تھی کیونکہ اسوقت تک
 کلیسائے اسکندینیویا، ہمبرگ کے اسقف اعظم کے ماتحت تھا
 اور اُس کے علاقہ اسقفی کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا۔ اس مذہبی
 اثر کے توسط سے فریڈرک کو یہ امید تھی کہ اسکندینیویا میں
 وہ سیاسی اقتدار حاصل کر لے گا جس سے اُسکی شہنشاہی
 میں اضافہ ہو جائے گا۔ فریڈرک کی اس حریصانہ چال کا نکتہ
 بحر اسکل اس کی حمایت پر بہرہ رسا نہیں کر سکتا تھا۔ علاوہ اسکے
 اسی زمانہ میں پوپ اور ولیم (والی سلی) سے ایک معاہدہ
 ہوا تھا جس میں حقوق شہنشاہی کا ذرا بھی لحاظ نہیں کیا گیا
 تھا، اس معاہدہ پر بھی فریڈرک کو اپنی آزر دگی کا ظاہر کرنا
 منظور تھا۔ فریڈرک جب (۲۲-۲۸- اکتوبر ۱۱۵۷ء) بڑا انسان

میں تھا تو پوپ کے دو وکیل اُس کے پاس ایک خط لیکر آئے جس میں شہنشاہ کے اس فعل پر صاف صاف ملامت کی گئی تھی کہ اُس نے اسکل کو رہائی دلانے اور اُس کے قید کرنے والوں کو سزا دینے میں بے پروائی برتی۔ یہ دونوں شخص جب اول اول فریڈرک کے سامنے آئے تو انہوں نے پوپ اور کارڈنلوں کی طرف سے اس کو سلام پہنچا کر یہ بھی کہا کہ ”پوپ کا سلام پدرانہ اور کارڈنلوں کا سلام برادرانہ ہے“ سلام کا یہ انداز عجیب و غریب تو ضرور سمجھا گیا لیکن فریڈرک اس پر کچھ ناراض نہیں ہوا۔ اس کے دوسرے دن شہنشاہ نے مراسم دربار کے موافق دونوں شخصوں سے ملاقات کی اور انہوں نے ہیڈرین کا خط پیش کیا۔ شہنشاہ کی بے اعتنائی پر ملامت کرنے کے بعد پوپ نے یہ اعتراف کیا کہ اسکا سبب اُس کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ہیڈرین کا خیال یہ تھا کہ اس سے کوئی امر شہنشاہ کے خلاف نہیں ہوا بلکہ وہ ہمیشہ اس سے اپنے فرزند عزیز کی طرح سے ہمیشہ ہمارا ہے۔ اُس نے فریڈرک کو یاد دلایا کہ اب سے دو برس پہلے کلیسائے مقدس نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا اور کیسی شفقت پدرانہ کے ساتھ پیش آیا اور اُسے خوشی خوشی تلج شہنشاہی پہنا کر سب سے بڑا رتبہ و اعزاز عطا کیا۔ اس کے بعد لکھا تھا کہ ”ہم نے جو ہر نوع سے تمہاری حاجت برآری کی اسکا ہمیں مطلق افسوس نہیں بلکہ اگر یہ ممکن

ہوتا کہ تم اس سے بھی بڑا انعام (جاگیر Benificia) ہمارے ہاتھ سے پاسکتے تو بھی ان خدمتوں کے لحاظ سے جو تمہارے ہاتھ سے میرے اور کلیسا کے متعلق انجام پاسکتی ہیں، اس کے عطا کرنے میں ہمیں مسرت ہی ہوتی ہے۔ اس کے پڑھتے ہی ایک آگ سی لگ گئی۔ فریڈرک کے حضور میں جو والیان ملک و امرا موجود تھے غضبناک ہو کر وکلاء پوپ سے اُلجھ پڑے کہ یہ دعوے کس بنا پر کئے گئے ہیں۔ اس کے جواب میں ان میں سے ایک بول اٹھا کہ پوپ سے نہیں تو پھر آخر کس سے شہنشاہ نے یہ شہنشاہی پائی ہے؟ اگر شہنشاہ مداخلت نہ کرتا تو اس جواب نے اس وکیل کی جان ہی لی ہوتی کیونکہ آٹو وان وٹس باک اسپرچمپٹ پڑا اور قریب تھا کہ اسے جان سے مار ڈالے۔ وکلاء کو حکم ہوا کہ فوراً اٹالیہ کو واپس چلے جائیں اور پوپ کے کسی کام کے لئے کوئی مزید کارروائی نہ کریں۔

ہیڈرین نے جو لفظ (Benificia) کا لکھا تھا اس کے معنی انعام یا جاگیر کے ہوں یا نہ ہوں یہ بحث چندان بکار آمد نہیں اہم بات یہ تھی کہ اُس نے تاج شہنشاہی کے متعلق صاف صاف ایسے الفاظ لکھے تھے گویا اس کا دنیا نہ دینا بالکل اُس کے اختیار میں تھا۔ یہ بات فریڈرک کو اس سے کم ناگوار نہ ہوئی جبقدر انعام و جاگیر کا لفظ ناگوار ہوا کیونکہ اس کا اعتقاد یہ تھا کہ تاج شہنشاہی

کا تعلق جرمنی سے ہے۔ جرمنی کا بادشاہ تاج شہنشاہی کا حق رکھتا ہے، پوپ کا حق بس اتنا ہی ہے کہ اُسے تاج پہنا دے۔

فریڈرک نے اُس کے بعد اپنی رعایا میں ایک اعلان نامہ شائع کیا جس میں پوپ کے اُن دعوؤں کا ذکر تھا قیصر کی منادی جو اُس کے خط میں مرقوم تھے اور اُس کی رد میں یہ اعلان کیا تھا کہ اُسے تاج شہنشاہی

صرف خدا سے عطا ہوا ہے اور والیان ملک سے انتخاب عمل میں آیا ہے۔ مسیح نے یہ تعلیم دی ہے کہ دنیا کی حکومت دو تنواریوں سے ہوگی، ایک روحانی، دوسری دنیاوی۔ پیٹر نے حکم دیا ہے کہ تمام لوگوں کو خدا کا خوف اور بادشاہ کی تعظیم کرنی چاہئے۔ پس جو شخص یہ کہے کہ شہنشاہی پوپ کا دیا ہوا انعام ہے یا اُس کی جاگیر ہے وہ سینیٹیٹر کا مخالف اور جھوٹ بولنے کا گناہگار ہے۔

اب ہیڈرین چارم نے جرمنی میں پادریوں کو ایک گھلا خط روانہ کیا، جس میں معاملات کا رخ بدل جانے ہیڈرین کی تاویل پر بہت ہی تعجب و غصہ کا اظہار کیا تھا۔ یہ خط بڑی ہی حکمت عملی

پر مبنی تھا جس سے غرض یہ تھی کہ جرمن پادریوں کو اپنا طرفدار بنالے لیکن کچھ لوگ ان میں سے اپنے شہنشاہ کے سچے ہوا خواہ بھی تھے، انہوں نے ہیڈرین کو ایک

خط لکھا اور اس میں فریڈرک کے جواب کی تائید و توثیق کی۔ اس کا مضمون وہی تھا جو فریڈرک کے اعلان نامہ کا تھا اور یہ دعویٰ تھا کہ شہنشاہی پوپ کا دیا ہوا انعام (جاگیر) نہیں ہے بلکہ یہ انعام فریڈرک کو خدا کی طرف سے عطا ہوا ہے۔ فریڈرک پوپ کی بنوائی ہوئی اس تصویر سے بھی اب تک آزرده تھا جس میں یہ دکھایا گیا تھا کہ لو تھر گھٹنوں کے بل جھکا ہوا ہے اور پوپ کے ہاتھ سے تاج لے رہا ہے۔ اُس نے کہا کہ پوپ چاہتا ہے کہ ایک مقتدرانہ اصول قائم کرے اور اُس کی بنا محض ایک تصویر پر ہو۔ اب ہیڈرین نے ایک خط فریڈرک کو لکھا اس میں یہ بیان کیا کہ جو لفظ میں نے لکھا تھا اُس کے معنی انعام کے نہیں ہیں بلکہ وہ (Bonum) اور (Facia) سے مرکب ہے۔ جس سے مراد وہ کام ہے جو محبت و شفقت سے کیا جائے۔ ہیڈرین نے فریڈرک کو تو کسی طرح خاموش کر دیا لیکن جنگ کا خاتمہ نہیں ہوا۔ اتنا ہوا کہ جنگ ملتوی ہو گئی۔

اس کے بعد فریڈرک نے لمبارڈی کے شہروں کی طرف توجہ کی جو سو برس بلکہ اس سے بھی زائد سے بحال خود پڑے ہوئے تھے اور اپنا انتظام آپ ہی کر لیتے تھے۔ ایک آزادانہ حکومت بلدی کی بنا قائم کر کے انہوں نے حالات و وقت میں اصلاح و ترقی کر دی تھی۔ اب

ملان کو سب سے پہلے زیر کر لیا لیکن پھر بھی یہ طے پا گیا کہ اہل شہر جس طرح اپنے لئے حکام کو منتخب کر لیا کرتے ہیں ایسا ہی کیا کریں لیکن ان کا منظور کرنا شہنشاہ کے اختیار میں رہیگا۔ ران کا گلیٹن کے میدان میں ایک دوسری رانکا گلیٹن کی اوڈٹ (مجلس قانونی) کے منعقد ہونیکا اعلان دوسری مجلس فرانسٹ کیا گیا اور تمام شہروں کو حکم دیا گیا کہ اپنے اپنے عمدہ داروں کو مجلس مذکور میں روانہ کریں۔

فریڈرک کا مقصود یہ تھا کہ اہل شہر کے دماغوں سے آزادی کا خیال دور کر دے۔ جس زمانہ میں وہ اٹلی میں آیا ہوا تھا انہیں دنوں میں بولوگنا کے مقننین سے وہ ملتا رہا اور انہیں لوگوں سے قانون رومن کے اہمات مسائل اس نے حاصل کئے تھے۔ پرانے زمانہ کے دستور پھر جاری کئے گئے اور فریڈرک نے شاہی امتیازات کے متعلق اپنے دعووں کو پھر تازہ کیا (جس میں امارات ڈیوک و کاؤنٹ، سرحدات، ضرب سکہ، تحصیل محاصل و چنگی و رسوم وغیرہ سب شامل تھے) اُس نے یہ اعلان کر دیا کہ آئندہ سے شہر کے تمام بڑے عمدہ دار اسی کی طرف سے مقرر کئے جائینگے اور رعایا کو انہیں کی توثیق کرنا ہوگی۔ تمام شہروں کے وکلا نے شہنشاہ کے حقوق کا ایک ڈھانچہ تیار کرنے میں اعانت کی اور اُس کو ملحوظ رکھنے پر اتفاق کیا۔ اُس نے اب ایک قدم اور آگے بڑھایا کہ ان لوگوں نے جو اقرار کئے ہیں انہیں عمل میں لائیں۔

چنانچہ اُس نے تمام ملک میں اپنے نائب روانہ کئے کہ اُس کے عمدہ داروں کو ہر شہر میں نصب کریں۔ ملان والوں نے یہ دعویٰ کیا کہ اس قرارداد کے بموجب جو شہنشاہ میں اور اُن میں پہلے ہو چکی ہے وہ لوگ رانکا گلیٹن کے معاہدہ کے اندر داخل نہیں ہیں، اس لئے انہوں نے بادشاہ کے قاصدوں سے مزاحمت کی اور شہر کے دروازے اُن کے لئے بند کر دیئے۔ فریڈرک نے اُن کے دعووں کو قبول نہیں کیا اور (اپریل ۱۵۹۱ء) شہر کا محاصرہ کر لیا۔ شہر نے تقریباً تیس برس تک مدافعت کی۔ ملان کی تاجراجی آخر فروری ۱۶۱۲ء میں اُس میں تاب مقاومت باقی نہیں رہی۔ اُن لوگوں نے ہر طرح سے چاہا کہ فریڈرک کو راضی کر لیں مگر اُن کی داد و فراہ سے اُس نے کان بہرے کر لئے۔ شہر کی دیواریں ڈھادی گئیں، شہر والے نکال دئے گئے اور امرا میں بہت سے لوگ یرغمال کے طور پر گرفتار کر لئے گئے۔

ہیڈیرین نے اپنے بنیادی اسی اثنا میں پوپ اور شہنشاہ کے دعاوی پیش کئے درمیان از سر نو نزاع پھوٹ پڑی تھی۔ ۱۵۹۱ء میں ہیڈیرین

نے فریڈرک سے بہت ہی وسیع مطالبات کئے جس میں مثلاً ا کی اراضی پر اُس کا قابض ہونا، پوپ کے علاقوں سے جاگیرانہ محصول کا فریڈرک کے ذریعے سے وصول ہونا اور روما میں کامل اختیارات شاہی کا رکھنا داخل تھا۔ شہنشاہ نے ان مطالبات

سے انکار کر دیا اور پوپ نے جھگڑے اور فساد پر کمر باندھ ہی۔
سلی کے روجر اور یونانی شہنشاہ سے کمک لیکر اُس نے
لبارڈی کے شہروں سے سازش کر لی۔ ۱۱۵۹ء میں ہیڈرین
 کا انتقال ہو گیا اور کارڈنوں نے اُس کے بجائے رولف بنڈلی
الگزینڈر سوم کا انتخاب کیا جس نے الگزینڈر سوم کا لقب اختیار
 کیا، یہ وہی شخص ہے جس نے بزناسان میں
ہیڈرین کی طرف سے گفتگو کی تھی۔ اس جھگڑے کو اُس نے
 اب اپنے ہاتھ میں لیلیا اور اپنا وقت حلیفوں کے مہیا کرنے
 میں صرف کرنے لگا لیکن فریڈرک نے بھی ایک پوپ
 مقابل بنالیا اور الگزینڈر سوم کی مخالفت میں اسے اس حد تک
 کامیابی ہوئی کہ پوپ کو مجبور ہو کر روم سے بھاگنا پڑا اور
 اُس نے فرانس میں جا کر پناہ لی (۱۱۶۱ء)۔ معلوم ہوتا تھا کہ
 میدان فریڈرک کے ہاتھ رہا۔ تمام شہروں میں اُس کے عہدہ دار
 متعین تھے، لان تباہ و تاراج اور پوپ شہر بدر ہو چکا تھا۔
 لیکن یہی نظر مندی مقدمہ شکست ثابت ہوئی، اُس نے
 بہتصنع تمام زمانہ قدیم کے شہنشاہوں کا انداز اختیار کر لیا تھا۔
 اُس کی مطلق العنانی شہروں کے حق میں ظلم بجائی تھی اور اسی
 سبب سے سب بے چین ہو رہے تھے کہ انتقام لینے کا کوئی
 موقع مل جائے۔ پس الگزینڈر سوم ان مخالفین کا سرغنہ بن گیا۔
 ۱۱۶۵ء میں وہ روم میں واپس آیا اور شہنشاہ کو دین سے
 خارج کیا، اُس کی تمام رعایا کو جو فریڈرک سے وفاداری کا

حلف کر چکی تھی اس پابندی سے آزاد کر دیا۔ الگوٹڈر تدابیر
 ملکی کا ماہر شخص تھا۔ لمبارڈی کے شہروں کا اسطرح آزاد
 رہنا اسے بھی ناگوار تھا، لیکن چونکہ وہ اس کی مدد کر سکتے
 تھے اسلئے اس نے انھیں اپنا حلیف و شریک بنا رکھا تھا۔
 تقریباً پندرہ برس تک یہ کاروان شخص فریڈرک کی مخالفت
 کا پیشرو بنا رہا اور شہنشاہ پر آخری فتح زیادہ تر اسی کی
 کاردانی و تدابیر سے حاصل ہوئی۔ اسکے دوسرے برس (۱۱۶۶)
 فریڈرک پھر ایک لشکر جوار کے ساتھ، اٹلی میں آیا تاکہ بائیو
 کو سز دے اور نئے پوپ، پیس چالس کو پوپ بنا کر
 سینٹ پیٹر کی کرسی پر بٹھائے۔ ایک محاصرے کے بعد اسنے
 روما کو فتح کر لیا، پیس چالس کو پوپ کا منصب دیا گیا اور
 اس کے چند روز بعد شہنشاہ اور شہنشاہ بیگم کو دوبارہ
 کلیسائے سینٹ پیٹر میں تاج پہنایا گیا۔ تھوڑے زمانے کے
 بعد وبا پھوٹ پڑی اور فریڈرک کے لشکر میں اتنے سانے
 ہوئے کہ وہ گھبرا کر جرمنی کو بے جلت تمام چلا گیا۔ جس رفتار
 سے وہ واپس جا رہا تھا اسی رفتار سے اسکے عقب میں شہریکے
 بعد دیگرے بغاوت کرتے جاتے تھے۔ وہ بڑی مشکل سے
 اپنی جان بچا کر نکل آیا۔ شہروں نے اب (۱۱۶۷ء میں)
 اتحاد بلاو لمبارڈی | باہم اتفاق کر لیا جو اتحاد بلاو لمبارڈی کے
 نام سے مشہور ہے۔ ان سب نے متفق
 ہو کر ملان کو پھر تعمیر کیا اور وہی اس اتحاد میں سب کا

پیشرو بن گیا۔ پیویا ابھی تک شہنشاہ کے ساتھ پیمانہ وفا پر قائم تھا۔ پس متحدین نے اس کو ترک دینے کے لئے ایک نیا شہر اس کی سرحد پر بسادیا، اور پوپ کے اعزاز میں اس کا نام الگوٹڈیا رکھا۔ اللہ تک فریڈرک اس قابل نہ ہو سکا کہ دوبارہ اٹلی میں داخل ہو سکے۔ اس زمانہ میں شہنشاہ نے بنفس نفیس الگوٹڈیا کا محاصرہ کیا اور اسکی کچھ فوجوں نے ٹسکینی و امبریا کو پامال کر ڈالا۔ الگوٹڈیا بہت ہی مستحکم شہر تھا اور محاصرہ مہینوں جاری رہا۔ آخر صلح کے پیام آنے لگے اور چونکہ جاڑوں کا زمانہ قریب تھا فریڈرک پیویا کی طرف چلا گیا۔ شہنشاہ نے بار بار جرمنی کے والیوں کو کمک کے لئے طلب کیا لیکن ہنری (شیردل) نے سمجھ لیا تھا کہ شہنشاہ کو نیا دھکانے کا یہی موقع ہے اور اسنے کمک بھیجنے سے انکار کر دیا۔ مئی ۱۱۷۱ء میں مقام لگنائو پر متحدین کی فوجوں نے فریڈرک پر حملہ کیا اور یقینی و قطعی فتح حاصل کی۔ تھوٹری دیر تک تو یہ خیال جنگ لگنائو رہا کہ خود شہنشاہ بھی اس جنگ میں مل گیا ہے۔ فریڈرک اب سمجھ گیا کہ موقع نازک ہے۔

شکست ہو چکی ہے، اس لئے وہ اہل شہر کے ساتھ انہیں کے خاطر خواہ شرائط پر صلح کرنے کے لئے آمادہ ہو گیا۔ اس نے دھکالہ میں وینس میں جا کر کلیساے سینٹ مارک میں الگوٹڈر سوم سے ملاقات کی اس کے پاؤں پر گر پڑا، اپنی غلط کاری کا اعتراف کیا اور پوپ سے درخواست کی کہ اسے لعنت سے

پاک کروے۔ پوپ اس کے کہنے کو مان گیا اور التوائے جنگ کا اعلان کر دیا گیا۔ اس کے چھ برس بعد مقام کانستینس میں معاہدہ صلح پر دستخط ہو گئے، جس کے رو سے اہل شہر کے معاہدہ کانستینس مطالبات بیشتر ان کے حسب
۱۸۳۱ دعوہ تسلیم کر لئے گئے۔ شہنشاہ

کی سیادت تسلیم کی گئی مگر وہ محض برائے نام تھی، اور حقیقت میں شہروں کی آزادی منظور کر لی گئی تھی۔ اس واقعے سے فریڈرک کی سخت توہین ہوئی لیکن اس سے کوئی مفر نہ تھا۔ جرمنی میں لگتے (حامیان پوپ) نے اسے ایسا دبانا شروع کیا کہ اسے خود پوپ سے مدد مانگنے کی ضرورت ہوئی اور اب سوا اسکے کہ نتائج جنگ نے جو فیصلہ کر دیا تھا اسی پر صبر کرے اور کچھ کر نہیں سکتا تھا۔

۱۸۴۱ء میں "گبلائن" (حامیان شہنشاہ) اور "گلف" (حامیان پوپ) کے جھگڑوں میں بہت نازک وقت آ پڑا کیونکہ اسی زمانہ میں ہنری (شیرول) نے متحدین لمبارڈی کے مقابلہ میں فریڈرک کو جنگ میں لگک بھیجنے سے انکار کر دیا تھا۔ جرمنی میں واپس آکر فریڈرک نے اسے سزا دینے کا ارادہ کیا اور حکم دیا کہ ہنری اسکے روبرو حاضر ہو اور جب ہنری نے انکار کیا تو اسکو معزول کر کے شہر بدر کر دیا۔ ہنری نے مقابلہ کیا لیکن جنگ میں شکست کھا گیا اور رحم کی درخواست کی۔ فریڈرک نے اسکے تمام اختیارات سلب کر لئے لیکن اتنی فیاضی کی کہ اسکی ذاتی جاگیر اس کے پاس برقرار رہنے دی۔

سلسلی کے فتح کرنے میں اگرچہ فریڈرک کو کامیابی نہیں ہوئی تھی لیکن اسکے ملحق کر لینے کا سامان اسنے یہ کیا کہ اپنے بیٹے ہنری ششم کی نسبت وہاں کی ولیہ عہد کانستینس کے ساتھ کر دی۔ پوپ نے پہلے ہی یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ عقد شہنشاہی کو بہت ہی طاقتور کرے گا، اور سلسلی و جنوبی اطالیہ پر قبضہ ہوجانے سے شہنشاہ علاقہ پوپ کی اراغی پر جہاں کہیں چاہیگا حملہ کر سکیگا، پوپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ شہنشاہ کو اتنا بڑا تسلط اسپر حاصل ہوگا پس اسنے سلطنت سلسلی و شہنشاہی کے اس اتحاد مجوزہ میں رخنہ اندازی کرنے پر کمر باندھ ہی۔ اس نے اب شہنشاہ سے بگاڑ شروع کر دیا۔ کوٹوں کے اسقف اعظم اور جرمنی کے ان امرا کو جو شہنشاہ سے ناراض تھے ابھار کر فریڈرک کے خلاف سازش میں شریک کیا، اسی زمانہ میں یہ خبر مغرب میں پہنچی کہ یرد شلیم کو عربوں نے فتح کر لیا ہے چونکہ اس زمانہ کے خیال کے موافق سب سے بڑا کام یہی سمجھا جاتا تھا کہ اس سرزمین کو دشمن کے قبضے سے چھڑالیا جائے اس لئے پوپ اس بات کے لئے ہر قسم کی رعایت کرنے کو موجود تھا کہ فریڈرک کو جنگ صلیبی پر روانہ کر سکے، پس ایک معاہدہ ایسا کیا گیا جس سے بظاہر فریڈرک کی فتح معلوم ہوتی فریڈرک اقول تھی، وہ اب محاربت صلیبی پر جانے کو آمادہ ہو گیا کی جنگ صلیبی ملک جرمنی کا انتظام ہنری ششم کے ہاتھ میں دیدیا اور اسنے شاہ جرمن کا لقب اختیار کیا، فریڈرک

۱۱۸۹ء کی فصل بہار میں روانہ ہوا لیکن فلسطین تک نہ پہنچ سکا۔ بلکہ

۱۰۔ جون ۱۷۹۰ء کو سلیشیا کے ایک کوہستانی چشمہ میں ڈوب کر مر گیا۔
 اطالیہ میں الگوئڈر سوم نے یہ دیکھا کہ اگرچہ فریڈرک پر اس نے
 فتح پالی ہے مگر اس کا تمام تر نفع اسی کو نہیں حاصل ہوا ہے۔ تمام
 اٹلی کو اپنے ماتحت رکھنے کی قدرت اسے نصیب نہیں ہوئی ہے۔
 اٹلی کی تقسیم غنائم المبارڈی کے شہروں نے اور سسلی کی سلطنت
 نے اپنا اپنا مطلب نکال لیا، اور اپنی اپنی

خود مختاری قائم کر لی ہے، فریڈرک کی مخالفت کے دوران میں شہنشاہ
 نے کتنے ہی نئے پوپ بنادیئے تھے۔ آخر یہ نمبہی افتراق ۱۷۹۰ء
 میں جا کے اس وقت ختم ہوا جب کیلکسٹس سوم نے یہ دیکھ کر
 کہ شہنشاہ نے الگوئڈر سے صلح کر لی اب میرا قدم جمنا ممکن نہیں،
 اطاعت اختیار کر لی۔ آئندہ انتخاب پوپ کے اختلافات کو روکنے
 کے لئے لیٹران کی مجلس نمبہی نے ۱۷۹۰ء میں یہ ضابطہ مقرر کیا
 کہ کارڈنلوں میں سے دو تہ جس کے لئے رائے دیں وہی شخص
 پوپ سمجھا جائے گا۔ اس ضابطے میں شہنشاہ کی منظوری کا کچھ
 ذکر نہ تھا اور نہ عامۃ الناس کا کچھ حق تھا نہ روم کے پادریوں کا کچھ
 دخل تھا۔ جب سے اب تک سارا اختیار کارڈنلوں کے ہاتھ میں
 الگوئڈر سوم نے پوپ ہونیکی حیثیت سے جو کام کئے ہیں
 وہ نہایت قابل قدر ہیں۔ اس کا اقتدار تمام مغرب میں اس طرح
 مسلم تھا کہ اس سے پیشتر کسی پوپ کو یہ بات نصیب نہیں ہوئی
 الگوئڈر سوم کی اتھی۔ اور اسکے عین بعد کے جانشینوں میں سے
 کوئی ایسا بھی اب نہ ہوا کہ جو ترقیاں اس نے کی تھیں
 بلند پائیکی۔

انہیں کو بحال رکھ سکے۔ البتہ اس صدی کے تمام ہونے سے پہلے
 انٹوسنٹ سوم ایک شخص ہوا جو سب پاپاؤں سے زیادہ شانہ
 شان و شوکت رکھتا تھا، اور اس سے سابق کے پوپ جن باتوں کا
 خواب دیکھا کرتے تھے ان سب کو اسنے حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس سے
 پیشتر روما میں ابھی ایک اور فساد ہونا باقی تھا۔ اہل شہر میں آزادی
 کی روح پھر پیدا ہو گئی تھی اور توسی اس سوم (۸۵ - ۱۱۸۱) اور اربان سوم
 (۸۷۴ - ۱۱۸۵) نے اپنی مقتدایت کا زمانہ زیادہ تر جلاوطنی میں بسر
 کیا۔ مگر کلیمنٹ سوم (۹۱ - ۱۱۸۷) کو روما کی حکومت از سر نو حاصل کرنے
 میں کامیابی حاصل ہو گئی اور تمام اقتدارات اسے مل گئے۔ شہر میں
 ایسا استحکام اس سے پہلے کسی پوپ کو کم حاصل ہوا ہوگا۔ لیکن
 ایک نیا خطرہ پیش تھا۔ ہنری ششم کے ساتھ کانستینس ولیہ
 عہد سسلی کی شادی ہو جانے سے ہر لحاظ یہ اندیشہ لگا رہتا تھا
 کہ شہنشاہ کا اثر جنوب میں بھی پھیل جائے گا اور ملک سسلی
 اور تمام اٹلی کا جنوبی حصہ اسکی سلطنت میں شامل ہو جائے گا
 اور اس صورت میں پوپ دونوں طرف سے آفت میں گھر جائیگا۔

ہنری ششم | ہنری ششم کے ابتدائی سلطنت کے دن
 بہت ہی تشویش انگیز رہے۔ فریڈرک کا مشرق
 ۱۱۹۰ - ۱۱۹۷

کو روانہ ہونا تھا کہ ہنری (شیردل) شاہی عہد و پیمان کو توڑ کر ہنری ششم
 پر جھپٹ پڑا۔ ولیم (والٹی سسلی) کے مرنے کی خبر نہایت قریب ہی
 زمانے میں جرنی میں پہنچی اور اسکے چند ہی روز بعد فریڈرک کے مرچکی
 درد انگیز خبر آ گئی۔ ہنری ششم نے ہنری (شیردل) سے صلح کر لی

ملک کے ضروری کاموں کا جو اسکی غیبت میں ہونے والے تھے نظام کر دیا اور خود فوراً اٹلی کو روانہ ہو گیا۔ روم میں اسے تاج پہنایا گیا اور وہاں سے وہ سسلی کے ملک پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ ہوا، لیکن سسلی والے کسی شخص ٹینکرڈ کا اپنی بادشاہی کے لئے پہلے ہی انتخاب کر چکے تھے پس وہاں ہنری کے بنائے کچھ نہ بنا۔ درحقیقت انجام نہایت مشتبہ معلوم ہوتا تھا کیونکہ اس کے خلاف میں بہت ہی طاقتور دشمن متفق ہو چکے تھے۔ انگلستان کا شیردل رچرڈ، جرنی کا خاندان گلف (دعای شہنشاہ) جن کا سرغنہ ہنری (شیردل) تھا سسلی کا ٹینکرڈ یہ سب ملکر بظن غالب ہوئے اسٹافن والوں کا زور توڑ دینے کے لئے کافی تھے مگر یہ خطرہ مسلسل حسن اتفاقات سے ٹل گیا۔ رچرڈ جنگ صلیبی سے واپس آ رہا تھا کہ راہ میں قید ہو کے ہنری کے حوالے کر دیا گیا۔ ہنری (شیردل) کا بیٹا شہنشاہ کی ایک چچا زاد بہن پر فریفتہ ہو گیا اور اس سے عقد کرنے کے خیال سے ہنری سے صلح کر لی۔ خود ہنری (شیردل) اب بڑھا ہو چکا تھا اور اس بات سے وہ اور بدول ہو گیا کہ اسکے بیٹے نے شہنشاہ کی اطاعت اختیار کر لی ہے، پس وہ بھی نزاع و فساد سے کنارہ کش ہو کر اپنی ریاست کو چلا گیا اور اب ہنری اس قابل ہو گیا کہ دوسری نہضت میں سسلی پر اچھی طرح قبضہ کر لے۔

ہنری ششم کی اب ثابت ہو گیا کہ پوپ کا اندیشہ بالکل بجا تھا۔ ولیزہ تجاویز۔ ایک مذاہنگہ غور سے دیکھا جائے تو شہنشاہ دپوپ کے دعوے حقیقت میں ایسے متضاد

تھے کہ زور قوت ہی سے ان کا فیصلہ ہو سکتا تھا اسوقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ شہنشاہ کا موقع گلیا ہے۔ اپنی قوت پر بہرہ ور کر کے ہنری ششم نے مصمم ارادہ کر لیا کہ بلا لحاظ پوپ کے، اپنے دعاوی کو زور پورا کر کے اسکی اراضی ^{اسکا} (ٹسکنی) پر قبضہ کر لیا جسکی وجہ سے پوپ نے اسے مورد لعن قرار دیا۔ لیکن اسکی ذرا بھی پروا نہ کر کے اسنے تمام اٹلی پر قبضہ کرنے کی رفتار جاری رکھی۔ کہتے ہیں کہ اس زمانے میں اسنے یہ تجویز کی تھی کہ پوپ کی سلطنت کو بھی اپنے ملک میں شامل کر کے اسکو بالکل مٹا دے۔ وہ اب اپنی قسمت آزمائی کر نیکی لے مشرق کی طرف بھی متوجہ ہوا۔ اسنے ایک محاربہ صلیبی کا سامان کیا جس کا اصلی مقصود سب سے پیشتر و بیشتر قسطنطنیہ کو فتح کرنا تھا۔ شہنشاہی یونان کی حالت حقیقت میں بہت ہی ابتر ہو چکی تھی۔ اسے اُمید تھی کہ وہاں کا تاج حاصل کر کے قسطنطنیہ کو اپنا مستقر بنائے گا اور اس نادر موقع سے وہ باسانی خرقین (عربوں) کے ساتھ جنگ جاری رکھے گا۔ وہ پہلے ایک بغاوت کے فرو کرنے اور مخالفین کے سزا دینے کے واسطے سسلی میں گیا تاکہ پھر وہاں سے قسطنطنیہ کی طرف عنانِ عزیمت کو پھیرے لیکن ^{۱۱۹۷} سال میں، مقامِ مسینہ میں ایک فراسی بجاری اٹھا کر اور ایک تین برس کا لڑکا (فریڈرک دوم) چھوڑ کر، مر گیا۔ اسکی بڑی بڑی تدبیریں اور آرزوئیں سب خاک میں مل گئیں اور شہنشاہی تانہ فسادات و اختلافات میں (جو شہنشاہ کے متخاصم انتخاب سے پیدا ہو گئے تھے) گھر گئی۔ اسی زمانہ میں انٹونینٹ سوم پوپ ہو گیا جو ایک

صاحبِ عزم و لائق شخص تھا، وہ مذہبی خیالات میں ڈوبا ہوا تھا اور ان خیالات کو عمل میں لانے کا خواہشمند تھا۔

انٹوسنٹ سوم | انٹوسنٹ سوم (۱۱۹۸-۱۲۱۶)، غالباً قرونِ وسطیٰ کا سب سے زیادہ لائق و فائق پوپ تھا۔ وہ اور اسکا عزم اور ارادہ۔ اصول قانون کا عالم تھا، پیرس اور بولوگنا کے مدرسوں میں اسے تعلیم پائی تھی۔ وہ ہر چیز کو ایک مُتَفَرِّق کی نظر سے دیکھتا تھا اور اس نے

مصرعہ ارادہ کر لیا تھا کہ پاپائی کے دعاوی کو قانونی شکل و اُصُل پر لانا چاہئے۔ اسکی طبیعت میں طبع نہ تھی، اسی وجہ سے وہ ہمہ تن اس خیال میں غرق تھا کہ جو کام وہ کرتا ہے وہ بہترین منافع کلیسا و رعائے الہی پر مبنی ہوتا ہے، اسے حرص تھی تو تھی کہ پاپائی اسی ہونی چاہئے جیسی اسکے حسب اعتقاد خدا نے مقرر کی تھی، اسکا اعتقاد تھا کہ دنیا کی بادشاہی، نیابتِ الہی ہے، اور وہ خود ہوسے زمین پر خدا کا نائب ہے۔ اسنے اپنی اس رائے کو کہ پوپ تمام حکام سے اعلیٰ ہے خدا کو پہنچا دیا، اور اکثر حالات میں اس خیال کو پورا کر دکھایا۔ اسکے عزم و رائے کی تفصیل مندرجہ ذیل عنوانوں میں ہو سکتی ہے (۱) پوپ کو ملک اٹلی کا مطلق العنان حاکم ہونا چاہئے اور اسے تمام بیرونی مداخلت سے آزادی ہو۔ اسی بنا پر شہنشاہ کو جزیرہ نمائے اٹلی کے کسی قطعے کو الحاق کر لینے کی ہرگز اجازت نہ دینی چاہئے پوپ کی سلطنت کو مستحکم کرنا چاہئے شہر کے سیاسی فریقوں کو دبا کر رکھنا چاہئے (۲) تمام مغربی سلطنتیں پوپ کے زیرِ اقتدار رہنا چاہئیں، بادشاہ

ہو یا شہنشاہ، کوئی بھی آزاد نہیں ہو سکتا بلکہ ہر امر میں انکو پوپ کا مطیع رہنا چاہیے
(۳) کلیسائے مشرقی اور ارض مقدس کو مسلمانوں سے بھڑالینا چاہیے

اور کلیسائے یونان کو الحاد سے پاک کر کے کلیسائے مغرب کے ساتھ

پہرہ منضم کر دینا چاہیے۔ تمام ملاحدوں کا استیصال کر دینا چاہیے،

قواعد و عبادات کلیسا کا پوپ کی رائے کے موافق انضباط ہونا چاہیے

انٹوسنٹ سوم کے عزائم کے ساتھ یہاں ہنری ششم کی

شہنشاہی کے مقاصد کا مقابلہ کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ

دونوں کا ذاتی اختلاف اس امر کا مانع ہے کہ ان میں باہمی اتفاق ہو سکے

دونوں میں سے ایک بھی جب تک دوسرے کا کلی استیصال

نہ کر دیتا اپنے جملہ اغراض کو حاصل نہیں کر سکتا تھا۔ بالفضل اس

مخالفت کا ملوئی کرنا ممکن تھا کیونکہ شہنشاہ کے انتخاب کا مسئلہ

معرض بحث میں تھا۔ لیکن موقع ایسا پڑا تھا کہ سرسراٹھ

کی بن آئی تھی اور اب اسنے بھی کمر باندھ لی تھی کہ اس موقع

کو ہاتھ سے نہ جانے دے۔

انٹوسنٹ اور اسسلی میں کم عمر بادشاہ فرڈرک دوم دشمنوں

اسکا زیر تربیت میں گھرا ہوا تھا اور جب اسکی مان کا انتقال

شہنشاہ۔ ہو گیا تو انٹوسنٹ اسکا متولی مقرر ہوا۔

اس رط کے کے متعلق اسنے اپنے فرائض پہنکا

ایمانداری سے ادا کئے۔ اسکے لئے بڑے بڑے لائق استاد

مقرر کئے، جہاں تک ممکن ہوا اسے اچھی تعلیم دلائی، سسلی

میں اسکے حقوق کی حفاظت کی اور اسکی باغی رعایا کے ضرر

وکیلند تونی سے اسے محفوظ رکھا۔

خانہانِ سوابیا کا	۱۲۰۸-۱۱۹۸
فلپ	
والٹر چہام	۱۲۱۵-۱۱۹۸

جرمنی میں انتخاب کے مسئلے میں اختلاف پیدا ہو گیا جس کا فیصلہ انٹوسٹ پر رکھا گیا۔

خانہانِ سوابیا میں سے فلپ نے پہلے یہی چاہا کہ اسکے بھائی فریڈرک دوم کا

انتخاب ہو جائے لیکن آخر کار بہت سے رؤسائے ملک نے لکڑخود اسی کو بادشاہ بنادیا۔ خانہانِ گلف (بوریہ) کے لوگوں نے اپنے قریبتداروں میں سے آٹو چہام کو بادشاہی کے لئے منتخب کیا۔ انٹوسٹ سوم نے آٹو چہام کے موافق فیصلہ کیا اسنے کہا کہ اس عہدے کے لئے آٹو بہت مناسب ہے اور وہ کلیسا کے جان نثاروں میں ہے۔ برخلاف انیس فلپ اہل کلیسا کے ستانے والوں میں سے ہے۔ فلپ

اس امر کا اعلان کرچکا تھا کہ وہ تمام مقبوضاتِ شہنشاہی پر اپنا دعویٰ قائم کریگا۔ ادھر آٹو چہام یہ حلف اٹھا چکا تھا کہ پوپ کے کسی دعوے میں ہرگز مداخلت نہ کرے گا بلکہ ریاستِ پوپ کے تمام مقبوضات کی حمایت کرے گا۔ لامحالہ خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ آٹو کو شکست دینے اور ملکِ جرمنی پر قابض ہونے کے بعد ہی (مشعلہ میں) فلپ مارڈالا گیا اور آٹو کا اب کوئی رقیب نہ رہا اور تمام ملکِ جرمنی نے اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن آٹو چہام نے تاج سر پر رکھتے ہی پوپ کی نسبت اپنی لائے بل دی، اپنے حلف کو توڑ دیا، سسلی

اور شکینی کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ یہ دونوں ملک بھی جزو شہنشاہی تھے۔ جنوب اٹلی کی جنگ میں وہ نظر مند رہا لیکن ابھی پوری فتح نہ ہونے پائی تھی کہ پوپ نے رؤسائے جرمنی فریڈرک دوم میں بغاوت پھیلانے کی فریڈرک دوم کو تاج جرمنی کے خواستگاروں میں پیش کر دیا۔ چند جرمن امیروں کے طلب کرنے پر فریڈرک

۱۲۱۵ - ۱۲۵۰

اس کم سنی پر بھی جرمنی میں چلا گیا، فلپ شاہ فرانس کو اپنے ساتھ متفق کر لیا اور تین برس کی مدت میں بلا شرکت غیرے جرمنی کا مالک بن بیٹھا۔

انٹونسٹ کا اپنی انٹونسٹ سوم نے اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے اب زیادہ زور کے ساتھ مراد کو پہنچنا۔

معی شروع کی۔ فریڈرک نے پوپ کے

جاگیردار کی حیثیت سے سسلی پر قبضہ کیا، وسط اٹالیہ میں انٹونسٹ نے اہل شہر کو اپنے ساتھ متفق کر کے شہنشاہی عہدہ داروں کو نکال دیا اور انکی جگہ پر اپنے محال مقرر کئے۔ شاہ ہنگال نے اسکی سیادت کو تسلیم کیا اور خراج دیا۔ شاہ اراگون اسکے جاگیرداروں میں شامل ہو گیا۔ شاہ لیون بزور اظہار اطاعت پر مجبور کیا گیا۔ بلغاریہ، ہنگری، پولینڈ، سرویا، ڈنمارک، ناروے اور سویڈن میں انٹونسٹ نے اپنا دعویٰ کچھ نہ کچھ منوالیا۔ فرانس میں انٹونسٹ نے بادشاہ کے خانگی معاملہ میں دخل دے کر اسے مجبور کیا کہ اپنی زوجہ سے

پھر رجوع کرے، جسے اسنے بلا کافی وجہ کے طلاق دیدی تھی۔ لیکن سیاسی معاملات میں فلپ دوم نے پوپ کی مزاحمت کی اور کچھ نہ کچھ کامیاب بھی رہا۔ انگلستان میں انٹوسنٹ نے جان کو مجبور کر دیا کہ ایٹینس لیگنٹن کو کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کرے اور پھر بیرنوں کے مقابلے میں بادشاہ کو اسنے مدد بھی دی۔

مشرق۔ | تھوڑے عرصے تک تو یہی گمان ہوتا تھا کہ مشرق کے بلاد نصاریٰ پوپ کے قبضے میں آجائینگے

انٹوسنٹ سوم نے چونکہ محاربہ صلیبی میں ممانعت کردی تھی کہ قسطنطنیہ کے خلاف کوئی کارروائی نہ کیجائے لیکن جب شہر لے لیا گیا اور لاطینی کلیسا وہاں قائم ہو گیا تو اسنے اس کام کو منظور کر لیا۔ امید یہ تھی کہ قسطنطنیہ سے (جو بہت اچھے موقع پر واقع ہے) اسکا اثر تمام بلاد مشرق پر پھیل جائیگا۔ لیکن قسطنطنیہ کی سلطنت اتنی جلد زوال پذیر ہو گئی کہ ساری آرزوئیں برباد ہو گئیں۔

اسکے عہد میں مغرب میں بہت طح کے الحاد نمودار ہوئے جن میں سب سے زیادہ جس الحاد کی اطاعت ہوئی وہی بھنسی تھا۔ انٹوسنٹ اور اس کے جانشین اس جنگ صلیبی کے ذمہ دار ہیں جسکا وعظ ان لوگوں کے خلاف کہا گیا تھا اور جسے سین ڈمی مونٹفورٹ نے انجام دیا تھا۔ ۱۲۱۵ء میں مجلس لیژن میں استیصال ارتداد کی بنیاد لی گئی اور اعلان کر دیا کہ الحاد مجلس لیژن ۱۲۱۵ء | ایسا گناہ ہے جسکی سزا موت ہے۔ اسی

مجلس میں دروٹی اور شراب، کی قلبِ ماہیت اور گناہوں کے زبان سے اقرار کرنے کے اُصول بنائے گئے۔ ایک سو بیس دفعہ اس مجلس کے قانون کی یہ حکم دیتی ہے کہ ہر عیسائی کو کم سے کم سال میں ایک دفعہ اپنے گناہوں کا اعتراف پادری کے سامنے کرنا ضروری ہے، اس عمل کے بعد وہ عشاءِ ربانی کا اصطباغ لے سکتا ہے اگر کسی شخص نے اعتراف نہ کیا تو اسکے لئے کلیسا کا دروازہ بند ہو جائے گا اگر وہ مرجائیگا تو عیسائیوں کے مراسمِ تجخیز سے محروم رہیگا۔ اسی زمانے سے اعترافِ معاصی ہی ایک ذریعہ عفوِ گناہِ جسمانی کا سمجھا جانے لگا اور صرف پادری ہی خدا کی طرف سے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔

قلبِ ماہیت کا اعتقاد اس زمانہ تک عموماً کلیسا کی ضروریاتِ مذہب میں داخل نہ ہوا تھا، اب وہ داخل کر لیا گیا اور قاعدہ قرار پایا کہ اس پادری کے سوا جس کو باضابطہ اجازت ہو چکی ہو اور کوئی یہ رسم ادا نہیں کر سکتا۔ انٹوسنٹ نے یہ اعلان کیا تھا کہ مجلس میں دو مسئلوں پر بحث ہوگی، ایک تو بیت المقدس کے چھڑانے کے متعلق اور دوسرے اصلاحِ کلیسا کی بابت۔

بہت سے ضابطے حقیقت میں اصلاح کی شان لئے ہوئے تھے اور ہر قسم کے مسائل پر اس مجلس کے بحث کرنے سے انٹوسنٹ کی باریک بینی اور خلوص نیت کا اظہار ہوتا ہے۔

غرض سالہ میں ایک بڑی جنگِ صلیبی کے ہونے کی اطلاع دی گئی اور اسکے لئے بیحد تیاریاں کی گئیں لیکن انٹوسنٹ اس

جنگ کے دیکھنے تک زندہ نہ رہا۔ وہ اسی جنگِ صلیبی کے سامان میں ہمہ تن مصروف تھا کہ مقامِ پیروجیا میں اس کا انتقال ہو گیا۔

بظاہر حال اسکا عہدِ پاپائی کا سیاب معلوم ہوتا ہے اس نے تمام دنیا دار سلطنتوں پر ہر معاملے میں کھلی کھلی فتح پائی تھی۔ لیکن اس نے لوگوں کو بددل کر رکھا تھا۔ جنگِ صلیبی کے لئے جو پوپ کے عہدِ مظالم البیجسنی پر ہوئے اسنے تمام جنوبی کا دوسرا رخ فرانس کو اسکا مخالف بنادیا۔ انگلستان کے بادشاہ جان پر اس کا غالب آجانا اور پھر اسکی رعایا کے خلاف اسکو مدد دینا ایسی باتیں تھیں جننے اہل انگلستان کے دلوں میں اسکی طرف سے نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جرمنی میں بھی یہی انجام ہوا۔ (فرانس کے) موزوں طبع لوگوں نے اسکے متعلق تہتک آمیز نظیں لکھیں۔ والتھروان وروگل وید نے پوپ کو دنیا داری و طبعِ زر اور حرص و ہوا پر خوب ہی لتاڑا۔ بہر حال انٹوسنٹ نے پوپ کے سیاسی اغراض کی اچھی طرح تصحیح کر دی اور اسکو عمل میں لانے کی بھی بہت سعی کی۔ اسکے زیر اثر بعض مہتمم بالشان عقائد و رسوم و اعمال کلیسا میں داخل ہوئے۔ کتابِ قانونِ شریعت کی ترتیب و تالیف اگرچہ اس نے شروع نہیں کی تھی مگر یہ کام بالکل اسکی رائے کے موافق تھا اور جن باتوں کا اسنے دعویٰ کیا تھا انہیں اس کتاب نے ایک قانونی شکل و بنیاد عطا کر دی۔ اگر یہ کہیں تو مبالغہ نہیں ہے کہ

اقتصادیات پوپ کے بڑے بڑے بانیوں میں آخری شخص یہی تھا۔ اسکے منصوبے بہت نمایاں کامیابی کے ساتھ انجام پائے لیکن اسکا سب سے زیادہ کام کا آلہ یعنی تعطل طرسم مذہبی کثرت استعمال کے سبب سے کند ہو گیا تھا۔ کچھ ایسی قوتیں بھی پیدا ہو رہی تھیں جو بہت جلد اُسکا سارا کھیل بگاڑ دینے والی تھیں۔ اسکے زیرِ اقتدار رہ کر پوپ کا روحانی اثر کم ہو گیا جسکا سبب یہ تھا کہ اسنے معاملاتِ سیاسیہ کو اصل مقصود قرار دے لیا تھا۔ جو زائر کہ بہت ذوق شوق سے روما میں آتے تھے انہیں اسبات سے صدمہ ہوتا تھا کہ وہاں کوئی روحانی خوبی دیکھنے میں نہیں آتی تھی۔ بلکہ دیکھتے تو یہ دیکھتے کہ علمائے دین کی زبان پر شب و روز دنیاوی معاملات کا ذکر ہے۔

سب سے بڑے پوپ کے بعد سب سے بڑے شہنشاہ کا دور ہوا، ۱۲۱۵ء میں فریڈرک اس دلیرانہ قصد سے روانہ ہوا تھا کہ جرمنی کا ملک آٹو سے نکال لے۔ اسنے فلپ (شاہِ فرانس) کو اپنے ساتھ پھر متفق کر لیا اور جرمن امرا نے جو رائن کے قرب وجوار میں تھے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس خطرے کو آنے ہوئے دیکھ کر آٹو نے بھی اپنے حلیفوں سے لگ مانگی۔ چنانچہ جان (شاہ انگلستان) نے ایک لشکرِ براعظم میں بھیجا تاکہ وہ کونٹ فلینڈرز، ڈیوک برابانت اور شمالی فرانس کے دوسرے امرا کے ساتھ شاہِ فرانس کے خلاف شریک ہو جائے اس مرحلے میں نتیجہ خیز جنگ ۱۲۱۵ء میں بوویمز کے قریب

واقع ہوئی جسکا انجام فلپ دوم کی کامل فتح پر ہوا۔ اسطرح پر اپنے حلیفوں کا کام تمام ہو جانے سے آٹو چہام کو فریڈرک کے جنگ بونیہ آگے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ اپنی جاگیر کی طرف چلا گیا اور (۱۲۱۴ء) میں،

ہرزیبرگ میں مر گیا۔
فریڈرک دوم
اور
پاپایت۔

۱۲۱۵ء میں فریڈرک کو آکین میں تاج پہنایا گیا۔ اس نے جرمنی میں امن عام کی منادی کرادی اور انتونسٹ سوم جس جنگ صلیبی کا سامان کر رہا تھا اس میں جانے کا عہد کیا۔ دوسرا کام اسکا یہ تھا کہ تاج شہنشاہی کو حاصل کرے، لیکن انتونسٹ اسکی بڑھتی قوت کو دیکھکر اندیشہ مند تھا حالانکہ فریڈرک ہرامیں اسکا نہایت ادب و احترام ملحوظ رکھتا تھا۔ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر فریڈرک، جرمنی اور سسلی دونوں پر قابض ہو جائیگا تو یہ دونوں ملک ایک میں شامل کردئے جائیں گے، اور پھر فریڈرک تمام اٹلی پر اپنا اقتدار جانے کی کوشش کرے گا۔ اسی سبب سے اسے فریڈرک کو راضی کر کے اس سے یہ وعدہ لیا کہ تاج شہنشاہی کے پاتے ہی وہ سسلی کی حکومت اپنے خورد سال بیٹے ہنری کو دیدے گا، اور ہنری پوپ کے جاگیردار کی حیثیت سے سسلی پر قابض رہیگا۔ مگر موت نے انتونسٹ کو مہلت نہ دی کہ وہ اسے تاج پہنائے اور اسکے جانشین ہنریس سوم نے یہ رسم ادا کی۔ فریڈرک نے باوجود اپنے وعدے کے شاہ سسلی

کا لقب اپنے لئے قائم رکھا۔ یہ عہد شکنی تو ضرور تھی لیکن ہنوریں
سم نے اسوجہ سے اسکا کچھ خیال نہ کیا کہ اسکی بڑی خواہش یہ تھی
کہ جنگ صلیبی ضرور ہو، اور فریڈرک اس میں شریک ہو لیکن
فریڈرک کو ہمیشہ کوئی نہ کوئی عذر ملتا تھا اور وہ اپنی روانگی
کو ملتوی کر دیتا تھا۔ اسنے شاہ یروشلم کی بیٹی آیولانتھی کے
ساتھ شادی کر لی اور اسکے باپ کے حقوق کی کچھ پروا نہ
کر کے یہ لقب خود اختیار کر لیا۔ گریگری نہم نے (۱۲۲۷-۱۲۴۱)
جب فوراً فلسطین کی طرف روانہ ہونے کا تقاضا کیا تو آخر کار
(۱۲۴۱ء میں) وہ برنڈسی سے جہاز پر سوار ہوا لیکن تین دن
کے بعد واپس آگیا اور عذر یہ کیا کہ وہ علیل ہو گیا ہے،
گریگری نے اسکا عذر قبول نہ کیا اور اسکو مورد لعن قرار دیدیا۔
فریڈرک نے پھر اس لڑائی پر جانے کا سامان کیا لیکن گریگری نے
کہا کہ جب تک لعنت سے نجات نہ حاصل کرے اس ہم پر
نہ جائے۔ الغرض جون ۱۲۴۱ء میں فریڈرک پھر برنڈسی سے جہاز
پر سوار ہوا۔ فلسطین میں پہنچکر اسے معلوم ہوا کہ جنگ و جدال
سے ملک مشرق پر فتح پانا محال ہے۔ تاہم اسنے حکمتِ عملی
سے یروشلم، بیت اللہ، نزارتھ اور نطانیوں کے دوسرے
مقامات پر قبضہ کر لیا۔ اسنے یروشلم میں تاج پہنا اور وطن کی طرف
تین مرتبہ دین سے مراجعت کی اس اثنا میں پوپ کی نافرمانی
خارج ہونا۔ کرنے پر وہ تین مرتبہ دین سے خارج ہو چکا تھا
فریڈرک کی غیبت میں پوپ نے جرمنی کے لوگوں کو اسکی

مخالفت پر اُجھارا تھا اور خود اپنے سے ایک لشکر جمع کر کے جنوب کے ممالک شاہی پر حملہ کیا تھا جس میں اسے کچھ کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن جب (۱۲۲۵ء میں) فریڈرک واپس آگیا تو پوپ حیران ہو کر رہ گیا، اور جنگ کو جاری رکھنے کی تاب نہ لا کر صلح کا طالب ہوا۔ دونوں (۱۲۳۵ء میں) سان جرمنو میں اگر لے اور باہی مراعات کے ساتھ صلح کی۔ اب فریڈرک، سسلی کی طرف متوجہ ہوا۔ ۱۲۳۰۔

سسلی میں ایک نئی حکومت۔ ۱۲۳۵ء میں اسے مشہور و معروف دستور حکومت سسلی شائع کیا، جس سے جاگیردارانہ انتظام تباہ ہو گیا اور اسکی جگہ پر حقیقی حکومت شاہی قائم ہو گئی۔ امرا اور انکی عدالتوں کے بجائے شاہی حکام اور انکی عدالتیں قائم ہو گئیں۔ مختلف محاصل جاگیر کی جگہ بلا واسطہ محصول نے لے لی اور دوسرے تغیرات بھی کئے گئے جنکا نتیجہ یہ تھا کہ جہاں تک حکومت کے چلانے کا تعلق تھا، ایک بالکل ہی زمانہ جدید کی سی سلطنت پیدا ہو گئی تھی۔

ایک عرصے تک شہنشاہ کا جرمنی سے باہر رہنا بڑی بے انتظامی و پریشانی کا سبب ہو گیا۔ اسے (۱۲۲۲ء میں) اپنے فرزند ہنری کو اگیئن کا بادشاہ کر دیا تھا اور اختیارات بہت زیادہ کر دیے تھے۔ ۱۲۳۳ء میں ہنری نے اپنے باپ سے بغاوت کی لیکن گرفتار ہو کے آٹلی میں بھیج دیا گیا اور وہیں (۱۲۴۲ء میں) قید میں مر گیا۔ ۱۲۳۵ء میں میننر کی ایک بڑی مجلس شومنی (ڈاٹمٹ)

یہ فریڈرک نے خانگی جنگ کی ممانعت کر دی۔ ملک میں امن عام کی
 مادی کرائی اور خود اپنے اور خاندانِ گلف کے فسادات کا اسطرح
 خاتمہ کر دیا کہ اس خاندان کا جو آخری نمائندہ تھا اسے ڈیوک
 بنا دیا اور ایک بڑی امارتِ خاص اسی کے لئے قسایم کی۔
 اسوقت وہ اپنے مٹھائے عروج پر پہنچا ہوا تھا جرمنی اور سسلی
 دونوں تمام ولہال اس کے قبضے میں تھیں۔

اقتدارِ پوپ اور شہنشاہی کی باہمی نزاعیں جو کبھی تخفیف کبھی شدت تک
 فریڈرک دوم | ساتھ ڈیڑھ سو برس سے زیادہ عرصے سے
 پھر کشمکش | چل رہی تھیں انہوں نے دونوں طرف
 پیدا کرتا ہے۔ | گردِ کدورت کے انبار لگادئے تھے۔
 اکثر دونوں میں کسی نہ کسی طرح صلح کرادی جاتی

تھی لیکن اصلی مسئلہ مابہ النزاع کا نہ فیصلہ ہوتا تھا نہ ہوا۔
 دنیا کے دو مطلق العنان فرماں روا نہیں ہو سکتے۔ جب تک دونوں
 میں سے ہر ایک کو تفوق کا دعویٰ ہو اور وہ دوسرے کو
 تابعدار بنالینا چاہے اسوقت تک صلح قائم نہیں رہ سکتی
 تھی۔ فریڈرک کو یہ خیال آیا کہ اسوقت اسے ایسی قوت حاصل
 ہے کہ وہ اس مسئلے کو بزورِ طے کر سکتا ہے۔ جھگڑا کھڑا کرنے
 کے لئے سارڈینیا کا معاملہ ایک اچھا چیلہ ہاتھ آگیا کیونکہ حال ہی
 میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ سارڈینیا کلیسا کی جاگیر ہے۔ ۱۳۳۸ء
 میں فریڈرک نے سارڈینیا کے جزو شہنشاہی ہونے کا دعویٰ
 کیا، اور اس پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ پوپ نے اعتراض کیا مگر

بیکار - فریڈرک اپنے کام پر مصرعہ اور اسی وقت سے پوپ کی نفرت فریڈرک کے ساتھ حد اختیار سے گزر گئی اور آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ گرگوری نہم اور اسکے جانشینوں نے جرمنی کے حکمرانوں کو فریڈرک کی وفاداری کی قسموں سے آزاد کر دیا۔ اور رعایا کو بھی اسکے خلاف میں اُبھارنا چاہا۔ اٹلی کے سارے شہر اسکے مقابلے میں صف بستہ ہو گئے اور فرانس سے کمک طلب کی گئی۔ اسکے ساتھ ہی اس غرض سے کہ تمام عیسائی اسکی طرف سے وحشت زدہ و متنفر ہو جائیں فریڈرک پر انواع و اقسام کے الحاد کا الزام لگایا گیا۔ یہ خبر مشہور کی کہ وہ کہتا ہے کہ (نعوذ باللہ) مذہب کے بارے میں تین بڑے مکار گزرے ہیں جنہوں نے تمام دنیا کو فریب دیا ہے۔ - موسیٰ عیسیٰ محمد (علیہم السلام)۔ - فریڈرک نے علمائے دین کی اور گروہ کلیسا کی توہین کی ہے۔ - نیز وہ یہ کہتا ہے کہ جو بات بہ دلیل قابل قبول نہ ہو اس پر اعتقاد نہیں ہو سکتا۔ اسکے الحاد کا ثبوت اس بات سے بھی دیتے ہیں کہ وہ یہودیوں اور مسلمانوں سے صحبت رکھتا تھا، اور اپنے ملک میں تمام اہل مذہب کو اپنے اپنے رسوم مذہبی ادا کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ - شہنشاہ نے بڑے زور کے ساتھ اپنے کو ان الزامات سے بچانے کی کوشش کی۔ اس کو انجیل چنا کے پر از صنایع و بدایع کلام میں بھی درک تھا اسنے پوپ کو دشمن عیسائی، وہ فرشتہ جو تحت الثریٰ سے نکل کر آیا ہے، (شیطان) اور لال گھوڑے کا وہ سوار جو دنیا امن کو برباد کر دے گا

(دجال) قرار دیا۔ گریگری نے ایک مجلس شوریٰ منعقد کرنی چاہی لیکن فریڈرک نے ان پادریوں کو جو اس مجلس میں شریک ہونے کے لئے چلے گئے، راہ میں گرفتار کر لیا اور اس طرح مجلس موقوف رہی۔ اس نے اٹلی پر تاخت کی اور قبضہ کرتا ہوا روما کے دروازوں تک پہنچ گیا۔ گریگری نہم کے مرنے کے بعد کارڈنل کسی پوپ کا انتخاب نہ کر سکے اور سنٹ پیٹر کی کرسی دو برس تک خالی رہی۔ فریڈرک نے ان پر ہر قسم کا دباؤ ڈال کر بہت چاہا کہ اسکے تجویز کئے ہوئے شخص کو انتخاب کریں لیکن کارڈنلوں نے کامیابی کے ساتھ اسکی مخالفت کی۔ آخر ۱۸۷۳ء میں فریڈرک کے دوستوں میں سے ایک شخص منتخب ہو گیا اور اس نے انتونٹ چہارم کا لقب اختیار کیا (۵۴ - ۱۸۷۳)۔ لیکن اب بھی فریڈرک کو ایسے آثار معلوم ہوئے کہ لڑائی ضرور چلتی رہے گی کیونکہ اسکے قول کے موافق کوئی پوپ گبلان (دعویٰ شہنشاہ) ہو ہی نہیں سکتا تھا انتونٹ، فرانس کی طرف نکل گیا اور لائٹنزی میں اس نے ایک مجلس منعقد کی جس میں شہنشاہ کو بھر معزول کر کے مورد لعن قرار دیا، تمام لوگوں کو ممانعت کر دی گئی کہ کوئی اسے اپنا بادشاہ یا شہنشاہ نہ سمجھے۔ امرائے جرمنی کے پاس یہ حکم پہنچا کہ کسی دوسرے بادشاہ کے انتخاب کی کارروائی جاری کریں۔ انتونٹ نے کہا کہ وہ خود اسماعیلی کی نگرانی رکھے گا۔

اسپر فریڈرک نے یہ جواب دیا کہ وہ قطعاً ایک معتبر عیسائی ہے اور اسے اس کوشش میں ایک عمر گزری ہے کہ علمائے نصاریٰ کی میثت مناسب طریقے پر ہو اور نتائج و خاکساری میں

حواہین کے قدم بدم چلیں۔ فتح تو گویا فریڈرک کے قبضے میں تھی لیکن انوسنٹ چہارم کے وہم و گمان میں بھی اطاعت کا خیال نہیں آیا۔ پوپ نے اس امید میں کہ کھوئے ہوئے اقبال کی کچھ تلافی ہو سکے گی، اپنی سعی و کوشش دو چند کر دی اسنے فرانس سے، اٹلی کے شہروں سے، اہل جرمنی سے فریاد کی اور بڑی جلد سے جنگ جاری کی۔ اسنے اس جنگ کو محاربات صلیبی میں شمار کیا اور جو لوگ اس میں شریک ہوں اُن کو ویسی ہی مراعات اور ثواب روحانی کا مستحق قرار دیا جیسا کہ شرفین کے مقابلے میں وہ حاصل کرتے۔ ۱۲۴۶ء میں اُس کو اتنی کامیابی تو ہوئی کہ فریڈرک کی جگہ ہیپورنجا کے ہنری شہنشاہ کے کو بادشاہی کے لئے منتخب کر دیا تمام جرمنی میں خانہ جنگی پھیل گئی۔ گداگر فرائر نے لوگوں کو فریڈرک سے برا فروختہ کر کے اور مقابلہ جاری رکھنے کے لئے ہر ہر مقام سے مبلغ خیر جمع کر کے پوپ کی امانت کی (۱۲۴۷ء میں)، حکمران جرمنی کو ترغیب دی کہ ہالینڈ کے ولیم کو بادشاہی کے لئے منتخب کر لیں اور ۱۲۴۸ء میں بمقام آکین اسے تاج پہنایا گیا۔ فریڈرک کا بیٹا کارٹز چہارم جو اسوقت بادشاہ جرمنی کی حیثیت سے معاملات جرمنی کا کارفرما تھا ولیم کے روکنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ مہربادشاہ کو مصائب نے گھیر لیا تھا۔ فریڈرک کے درباریوں میں ایک سازش ہوئی اور اسے زہر دینکی کوشش کی گئی۔ اس کا لڑکا اینریو گرفتار ہو کر بولونا

مقابلے میں جنگ
صلیبی

یقین ہو گیا۔ ایک ایک کر کے اسکے احباب و انصار لڑائی میں کام آ گئے۔ وہ خود بھی بہت بیمار تھا، لیکن اسپر بھی اسنے ہمت نہیں ہاری۔ اسکی فوج اٹلی میں فحیاب ہو چکی تھی اور قریب تھا کہ روم اسکے قبضے میں آجائے مگر اس جھگڑے کے پکٹنے میں ابھی بہت عرصہ تھا کہ (۱۳- دسمبر ۱۲۵۵ء کو) شہنشاہ کا انتقال ہو گیا۔

فریڈرک دوم | فریڈرک دوم اگرچہ قرون وسطی کا شخص تھا مگر
کی موت ۱۲۵۵ء | اسے دورِ جدید کا شخص بھی سمجھنا چاہئے وہ
اسکے عادت و اطوار | متضاد ہی نہیں بلکہ متباہن باتوں کا مجموعہ تھا۔

دورِ جدید کے آثار میں سے سب سے بڑی بات اس میں یہ تھی کہ وہ مذہبی خیالات کے زیر اثر نہیں تھا بلکہ تمام تر سیاسی خیالات کا تابع تھا۔ نظامِ جاگیرت کے طرزِ حکومت کا وہ باندہ نہیں تھا بلکہ سلسلی میں اس نے واقعی ایک مطلق العنان سلطنت کی بنا ڈال دی تھی اور یہی بادشاہی دورِ جدید کے طرز کی پہلی بادشاہی سمجھی جاتی ہے جرمنی میں اسنے لمحدوں کو سزا دی، لیکن خود بہت ہی آزاد خیال تھا۔ اپنی مملکتِ سلسلی میں اسنے تمام مذہبوں کو روا رکھا۔ وہ طرز و عبادات میں پورا جرمن نہ تھا بلکہ اطالوی، یونانی اور شرقین کے تمام عنصر جو اٹلی کے جنوب میں پائے جاتے ہیں ان سب کا عطر مجموعہ تھا۔ وہ لاطینی، اطالوی، فرانسیسی، جرمن، یونانی اور عربی میں باتیں کرتا تھا۔ علم و ادب میں اسے ان تمام شہنشاہوں پر فوق حاصل تھا جو اس سے پیشتر گزر چکے تھے۔ خود شاعر تھا اور اسکے دیباچہ میں علماء و شعرا کا

جمع رہا کرتا تھا۔ (۱۵۵۲ء میں)، نیپلز کی یونیورسٹی اسی نے قایم کی۔ اس نے جو باغ حیوانات بنوائے وہ محض شوق کے لئے نہیں تھے بلکہ علمی ترقی بھی ان میں مد نظر تھی۔ وہ اس آزاد فرقے سے تعلق رکھتا تھا جس کا ایک رکن ایٹلارڈ بھی تھا۔ سسلی میں رہنا اسے زیادہ پسند تھا کیونکہ جرمنی کی بہ نسبت وہاں تعلیم و تہذیب کے آثار زیادہ تھے۔ اسکے اور پوپ کے درمیان جو مسئلہ مابالاج تھا اسے وہ اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ بانٹا تھا کہ شہنشاہ کو مطلق العنان ہو کر حکومت کرنے کا حق ہے جسکے لئے وہ لڑ رہا ہے۔ سیاسی حکمت عملی میں وہ بڑا ماہر تھا اور اسی سبب سے اکثر موقعوں پر فتیاب ہوا۔ جمعہ کا ختم ہونے کے پہلے ہی وہ مر گیا لیکن وہ یہ جان چکا تھا کہ اسکے اور اسکے خاندان کے خلاف میں فیصلہ ہونے والا ہے۔ اس کی آخر عمر کا زمانہ ہجوم مصائب کے سبب سے بہت سخت گزرا لیکن مرتے وقت تک وہ دل شکستہ نہ ہوا۔

فریڈرک دوم کے مرتے ہی خاندان ہونہشتافن کی طاقت ٹوٹ گئی لیکن انہوں نے لڑنا موقوف نہیں کیا۔ ہالینڈ والے کانریڈ چہارم ویکم کے مقابلے میں کانریڈ چہارم فریڈرک دوم کا (۱۲۵۰-۱۰۵۴ء) بیٹا جرمنی میں ٹبرنہ کا اور اس لئے سسلی ویکم رہا لیٹڈی میں چلا گیا جسے اسکے علاقہ بہائی مینفریڈ نے ابھی تک کامیابی کے ساتھ اس کے لئے محفوظ رکھا تھا۔ کانریڈ چہارم نے پوپ سے صلح کر نیچے لئے خواہش کی

لیکن اس کی تمام تحریکیں نامنظور ہوئیں۔ انوسنٹ چہارم بہت سخت دل
شخص تھا وہ قسم کھا چکا تھا کہ اس قابل نفرت نسل اسٹافن کو بالکل ہی
تباہ کر دینا چاہئے۔ لیکن کانزیڈ اور مینفریڈ جنگ میں کامیاب رہے اور
باجود سخت مزاحمتوں کے جنوب اٹلی و سسلی پر قابو پا گئے اسی زمانے
(۱۲۵۲ء) میں کانزیڈ چہارم اپنا ایک چھوٹا سا لڑکا (جسے اٹلی والے
کانزیڈینو کہتے تھے) اپنے وفادار بھائی مینفریڈ کی حفاظت میں چھوڑ کر
دفعۃً مرگیا۔ چار برس کی لڑائی جھگڑوں کے بعد مینفریڈ نے (۱۲۵۵ء میں)
مجبور ہو کر خود تاج اپنے سر پر رکھا لیکن یہ شرط کردی کہ اس کا
جانشین کانزیڈینو ہوگا۔

چارلس | اب پوپ نے فرانس سے مدد کی التجا کی اس نے
لوئس (شاہ فرانس) کے بھائی چارلس (والی آبنجو) کو

سسلی کا تاج پیش کیا۔ چارلس ایک جری و حریص اور بہت ہی نڈر
آدمی تھا۔ ۱۲۶۲ء میں سسلی کی بادشاہت اسے دی گئی اور
اس نے اس پر قبضہ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ مینفریڈ نے
ارادہ کیا کہ روما کا محاصرہ کر لے اور چارلس کو اٹلی میں اترنے ہی
نہ دے مگر اس کوشش میں وہ کامیاب نہ ہوا اور چارلس، روما میں
داخل ہو کر ۶ جنوری ۱۲۶۶ء کو تلج شاہی سے سرفراز ہوا۔ تقریباً
ایک تینے کے بعد مینونٹو کے قریب نتیجہ خیز جنگ واقع ہوئی اور
جب مینفریڈ نے دیکھا کہ اس کی فوج کے بہت سے رسالوں نے
دغا دی تو وہ تنہا دشمنوں کے انہوہ کثیر پر جا پڑا اور مارا گیا۔ اس میں
۱۲۶۶ء مینفریڈ کا انتقال

شک نہیں کہ میدان جنگ میں چارلس کے ساتھ ہو جانے کے لئے

مینسٹر کی فوج کو رشوتیں دی گئی تھیں۔ کانزینیو جس نے اپنی تمام زندگی جرمنی میں بسر کی تھی پکا ہونشٹافن تھا۔ گو وہ ابھی لڑکا ہی تھا مگر اٹلی کے گیبلاٹن (یعنی حاسیان شہنشاہی) نے جب اسے مدعو کیا تو اس نے دلیرانہ جواب دیا اور ایک چھوٹا سا لشکر لے کر چارلس کا مقابلہ کرنے کے لئے سواریا سے روانہ ہو گیا۔ بڑے کشت و خون کے بعد چارلس فتحیاب ہوا۔ کانزینیو گرفتار ہو گیا اور نپلز کی شاہراہ عام پر باغیوں کی طرح اس کی گردن مار دی گئی۔

پوپ کی فتح | اس طولانی جنگ کا خاتمہ ہو گیا اور فتح، پوپ کی ہوئی۔ یہی نہیں ہوا کہ ہونشٹافن کا زور ٹوٹ گیا بلکہ خاندان کا خاندان تباہ ہو گیا۔ بس ایک شخص یعنی فریڈرک دوم کا بیٹا انزیو جو بولونا میں قید تھا اس خاندان میں رہ گیا تھا وہ بھی ۱۲۵۰ء میں قید خانہ میں مر گیا۔ اب اسٹافن کے معزز خاندان کا وجود بھی باقی نہ رہا اس کے ساتھ ہی کارل اعظم کی شہنشاہی کا نام و نشان بھی مٹ گیا شہنشاہی فنا تو نہیں ہوئی لیکن اس کی صورت کلیتہً بدل گئی۔ تمام دنیا کی فرمانروائی پہلے خاص شہنشاہ کا حق تھا اب یہ حق پوپ کا ہو گیا، پوپ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مذہبی تفوق کی طرح دنیاوی تفوق بھی اسی کا حق ہے اور اب یہ ممکن تھا کہ وہ واقعی یہ اعلان کر سکے کہ وہی پوپ بھی ہے اور وہی شہنشاہ بھی ہے۔

کانزینیو چارم نے جب ۱۲۵۰ء میں جرمنی کو چھوڑا ہے تو

پھر ولیم ہالینڈی اس ملک پر قابض و متصرف رہا۔ پوپ نے اس بار میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا کہ اہل جرمنی بھی اسے قبول کر لیں لیکن کچھ مدت تک یہ کوشش بیکار ہی رہی۔ دریائے رائن کے قرب و جوار میں جو شہر واقع تھے انہوں نے ۱۲۵۲ء میں اپنی لیگ قائم کر لی اور ایک ہی سال کے عرصے میں ساٹھ شہروں سے زیادہ باہمی حفاظت پر متفق ہو گئے۔ آخر میں ان شہروں نے بھی ولیم کو شمال جرمنی کے شہروں کی طرح قبول کر لیا لیکن فریڈرک سے اور اس سے کچھ جھگڑا پیدا ہو گیا اور جنوری ۱۲۵۶ء میں وہ کسی فریزن کاشتکار کے ہاتھ سے مارا گیا۔ اگرچہ اس کے بعد کارنوال کا رچرڈ اور کیسٹل کا الفانسو دونوں بادشاہی کے لئے منتخب ہوئے لیکن ان میں سے کوئی بھی ملک پر قابو نہ پاسکا بلکہ الفانسو تو کبھی جرمنی میں آیا بھی نہیں۔ رچرڈ ملک میں آیا تو ضرور لیکن کبھی وہ حکومت کے کسی اختیار کو عمل میں نہیں لایا۔ ۱۲۵۲ء سے ۱۲۵۶ء تک کا یہ زمانہ ”وقفہ طولانی“ (Interregnum) کے نام سے مشہور ہے۔

جرمنی کی جاگیردارانہ امارتیں خانہ ان اسٹافن اور دربار پوپ کی ان نزاعوں میں دو باتیں قابل غور ہیں۔ امارتوں کی تعداد بہت بڑھ گئی اور مشرق کے حدود سلطنت بہت وسیع ہو گئے۔ ہونہسٹافن کی مصلحت ملکی اس امر کی مقتضی تھی کہ بڑے بڑے امیروں کا زور اس تدبیر سے توڑ دیں کہ ان کی امارتوں کو متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں

منقسم کر دیں اور انھیں مختلف لوگوں میں بطور جاگیر کے تقسیم کر دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پانچ بڑی اماتیں ٹوٹ کر بہت سی جاگیرداریاں، زمینداریاں، سرحدیں، حلقہء اسقفی اور دوسری طرح کی ریاستیں پیدا ہو گئیں اور یہ سب کی سب اپنی اپنی جگہ پر آزادی کی خواہشمند تھیں۔ ان چھوٹی چھوٹی جاگیروں کے قائم کرنے کا اثر یہ بھی ہوا کہ بڑی بڑی قوتیں ٹوٹ گئیں۔

سرحد مشرقی | مشرقی سرحد پر ایک عظیم الشان تغیر واقع ہو گیا تھا۔ اقوام سلید، لیٹن اور گلیار جو تمام مشرقی سرحد پر پھیلی ہوئی تھیں، فتح کر لی گئیں تھیں اور عیسائی اور جرمن بنائی جا رہی تھیں۔ مشرقی سرحد بحیرہ بالٹک کی طرف دریائے ویسٹولا سے بھی آگے بڑھ گئی تھی اور وادی اودر اس میں شامل ہو گئی تھی۔ یہاں سے یہ سرحد ایک کج واکج خط میں ہوتی ہوئی وائنا کے نیچے ڈینوب تک پہنچ گئی تھی۔ جرمنی ہمیشہ کے لئے اٹلی کو ہاتھ سے کھو بیٹھی لیکن اس کے عوض میں ان ہشی قوموں کو فتح کر کے اور انھیں اپنے میں ملا کر اس نے ایک حد تک اس نقصان کی تلافی کر لی تھی۔

شہر | جرمنی کے اندر علم و ادب و دولت میں بہت ترقی ہو گئی تھی۔ بہت سے شہر بس گئے تھے اور کسی ذی اقتدار فرمانروا کے نہ ہونے سے ان کو آزاد رہتے رہتے یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ آپس ہی میں متفق

ہو کر اپنی زبردست لیگ قائم کر لیں ۽
 اس کشمکش کے نتائج | شہنشاہ اور پوپ کی لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 ملک جرمنی و اٹلی کا بند بند جدا ہو گیا، ادھر تو
 جرمنی کے جاگیردار امرانے قوت پیدا کر لی
 ادھر اٹلی کے شہروں میں آزادی نے نشوونما حاصل کی اور
 فرانسیسیوں نے اس جزیرہ نما کے جنوبی حصہ میں استحکام
 کے ساتھ اپنا قدم جمالیا اور یہ بد نصیب ملک اتفاق و
 اتحاد کے بارے میں پہلے سے بھی زیادہ دور جا پڑا ۽

باب (۱۱)

خانتقاہیت

رہبانیت کی | رہبانیت کی فلسفیانہ بنیاد اس عقیدے پر
 فلسفیانہ بنیاد ہے، کہ مادہ تمام بدی کی جڑ ہے، اور اس لئے
 مادے سے کسی طرح کا واسطہ رکھنا نجس یا
 مضرت رساں ہے، بدی کا یہ تخیل نہ یہود کے یہاں کا ہے
 نہ نصاریٰ کے یہاں کا، بلکہ تمام مشرکوں کے یہاں کا
 ہے۔ مسیح خود دنیا کی اچھی چیزوں کو بے تکلف استعمال
 کرتے تھے، اور ان کی تعلیم یہ تھی، کہ گناہ کا کوئی وجود
 انسان سے خارج میں نہیں ہے بلکہ جو کچھ ہے اس کے
 باطن میں ہے۔ لیکن مسیح کے متبعین اس تعلیم کو اچھی طرح
 سمجھ نہ سکے، یہ اعتقاد کہ مادہ ہی بدی ہے، اصل میں
 فلاسفہ مشرکین سے ماخوذ ہے۔ اس خیال نے فلسفیانہ
 حلقوں ہی کو خراب نہیں کیا بلکہ دوسری صدی عیسوی میں
 عوام الناس کا عام مذہب بن گیا۔ یہ خیال ان کے دلوں
 میں اس درجہ راسخ ہو چکا تھا، کہ مسیحیت تک اس کے
 مٹانے پر قادر نہ ہو سکی۔ لوگ پہلے ہی اعمال رہبانیت کو
 داخل عبادت سمجھنے لگے تھے، اور مسیحی ہو جانے کے بعد
 مذہب کے غلو و انہماک میں وہ اور زیادہ رہبانیت کی

ریاضت پر متوجہ ہو گئے۔ مسیحی رنگ میں آکر رہبانیت
 لئے وہ خاص صورت اختیار کی جسے ہم خانقاہیت کہتے ہیں۔
 کلیسا میں شہنشاہی کا جو شدید انحطاط دوسری صدی
 رہبانیت کے میں شروع ہوا، نیز وحشیوں کی یوٹیوں نے
 داخل کر نیکی جو ابتری پھیلادی، اس نے اکثر لوگوں کو
 مناسب موقع لطف زلیست سے محروم کر دیا۔ یہ معلوم ہو رہا
 تھا کہ دنیا اپنی عمر طبعی کو پہنچ چکی ہے،
 حالات۔ اور قیامت کا دن قریب آ گیا ہے۔

اعلیٰ ترین اشخاص پر یاس و افسردگی چھا گئی تھی اور انکی
 خواہش یہ تھی کہ وہ ملک کی ابتری و طوفان بے تیزی سے
 کنارہ کش ہو کر کہیں چھپ رہیں، تقریباً ۳۰۰ عیسوی سے
 کلیسا پر دنیاوی رنگ تیزی کے ساتھ غالب آنے لگا۔
 نصرانیت جب ہر دلعزیز ہو گئی تو ہیشمار لوگ اسکے دائرے میں
 داخل ہو کر برائے نام عیسائی بن گئے تھے مگر درحقیقت
 اپنے اصلی عقائد و اعمال میں وہ مشرک ہی رہے، اساقف
 عموماً مغرور و متکبر ہوتے تھے، اور بڑی شان و شوکت سے
 زندگی بسر کرتے تھے، جو نفوس حقیقتہً اپنی نجات کے خواہاں
 تھے، وہ کلیسا کے اس مضرت رساں اثر سے بیزار ہو کر صحرا میں
 چلے جاتے، اور کلیسا سے بے واسطہ ہو کر خدا کا راستہ
 تلاش کرتے۔ پس کلیسا کے دائرہ عبودیت میں صرف عام
 لوگ رہ گئے۔ جن لوگوں سے ہو سکتا، ان کے لئے یہ ممکن تھا کہ

وہ رہبانیت و عبادت کے ذریعے سے وہ سب کچھ حاصل کر لیں
دورستے جو دوسروں کو کلیسا کے اصطلاح سے حاصل ہوتا تھا۔ پس
حصول نجات کے دورستے نہو گئے، ایک راستہ کلیسا اور
اس کی رحمت کا تھا، دوسرا رہبانیت و ذکر و فکر کا ۛ

گوشہ نشین
زاہد

خالقاہیت کے ابتدائی حالات آج تاریخ کو معلوم نہیں
ہیں لیکن اس کی بنا غالباً تیسری صدی سے پڑی، ابتدائی
راہب گوشہ نشین زاہد تھے۔ یہ لوگ بالکل تنہا کسی پہاڑ کے
غار یا درخت اور چٹان کے سا۔ میں رہتے تھے، یہ تحریک
ان مالک سے شروع ہوئی جہاں کے حالات کھلے میدانوں
میں رہنے کے موافق تھے اور پھر بہت جلد سارے مشرق
میں پھیل گئی۔ رفتہ رفتہ ان زاہدوں نے اپنے تئیں جعلی
فقرا اور دوسرے خطرات سے محفوظ رکھنے کے لئے اپنے
واسطے قریب ہی قریب جھونپڑیاں بنانا شروع کر دیں، اور
غالباً ایک چار دیواری کا حصار بھی ان کے گرد کھینچ دیا،
ان کا ایک مشترک معبد ہوتا تھا اور کسی کسی دن یہ لوگ
ساتھ ملکر عبادت کرتے اور ساتھ کھاتے تھے۔ انکے یہاں
اگرچہ قواعد بہت تھوڑے تھے تاہم یہ اپنا ایک ”پیشوا“
منتخب کر لیتے تھے، جو اس تمام نوآبادی پر حکمرانی کرتا تھا۔
رفتہ رفتہ یہ لوگ مکان میں رہنے لگے، اور چونکہ ہر فقیر کے پاس
نیم معاشی ایک حجرہ ہوتا تھا اس لئے وہ اپنے حجرے میں کم و بیش
تنظیم مالک و مختار ہوتا تھا۔ اس طرح رہبانیت میں ایک ادھوری

معاشرت کا تمدن قائم ہو گیا۔ جو شخص زاہد ہو کر صحرائی نشینی اختیار کرتا، ظاہر ہے کہ اپنے مال و متاع، اہل و عیال سے تو پہلے ہی بے تعلق ہو لیتا۔ رفتہ رفتہ یہ بھی سمجھا جانے لگا کہ اس نے فقر و پرہیزگاری کی قسم بھی کھالی ہے۔ اور جب یہ لوگ ملکر ایک مکان میں رہنے لگے تو ایک اور لازمی قسم، یعنی اس اجتماع کے قواعد و مقاصد کی پابندی، کا بھی اضافہ ہو گیا؛

کلیسائے یونانی | یہ نیم منظم مشترک طرز معاشرت بالانصرام ہوتا گیا،
میں خانقاہیت | اور راہب اگرچہ اب باہم ملکر رہتے تھے مگر

پھر بھی یہ طریقہ عزلت گزینی ہی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ کلیسائے یونانی میں بھی خانقاہیت کی یہی شکل شایع رہی ہے، گو تجرد پسند زہاد کا وجود اس کلیسا میں اب بھی ہے، اور ان کی زندگی خاص طور پر مقدس سمجھی جاتی ہے۔ درحقیقت کلیسائے یونانی کے راہب عموماً دنیا سے کنارہ کش ہی رہتے ہیں گو کبھی کبھی ان کا اثر دربار پر بھی پڑا ہے، اور چوتھی سے آٹھویں صدی تک جو مہتمم بالشان مذہبی انجمنیں منعقد ہوتی رہی ہیں، ان میں بھی انھوں نے خاص حصہ لیا ہے۔ اس وقت کے بعد سے کلیسائے یونانی میں خانقاہیت کی کوئی تاریخ نہیں ہے، کیونکہ اس میں کوئی زندگی ہی نہیں رہی تھی، کلیسائے یونانی کی خانقاہیت نے کلیسا کے مردہ رسوم کے قائم رکھنے میں تو مدد دی مگر اس کے ساتھ ہی ہر تغیر ہر تبدیلی کے لئے سدِ راہ بنی رہی ہے، بجز اس کے کہ

عبادت کے طور و طریقے زیادہ شاندار و دقیق ہوتے گئے؛ مغرب میں راہبوں کا قدم سب سے پہلے سنہ ۳۳۰ء میں آیا، جبکہ اتھینسیس اپنے ہمراہ دو راہبوں کو روما میں لایا، اہل روما کو اول اول تو ان سے حیرت اور کچھ نفرت ہوئی، لیکن جب آگسٹائن و جیروم نے اپنی زبردست تحریروں اور نیز اپنی عملی نظیر سے خانقاہیت کی حمایت شروع کی، تو یہ تحریک بہت جلد یورپ بھر میں پھیل گئی اور بجمہ مقبول ہوئی چنانچہ مغرب میں ڈیڑھ صدی کے اندر اندر صد ہا خانقاہیں اور ہزار ہا راہب پیدا ہو گئے۔ شروع شروع میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغرب کی خانقاہیت بھی مشرق کی خانقاہیت کی سی ہو گئی ہے اور اس لئے نہ اس کی کوئی تاریخ ہوگی اور نہ کلیسا کے کاموں پر اس کا کوئی اثر پڑے گا، لیکن ایسا نہیں ہوا۔ یہاں اگر مغربیت کی روح اس میں پوری طرح سرایت کر گئی، اب یہ ایک منضبط و مرتب صورت میں آ گئی، اور پاپا و شہنشاہ دونوں کے ہاتھ میں حدود کلیسا و سلطنت کی توسیع، نیز وحشیوں میں نظارت و تمدن کا اثر پھیلانے کے لئے ایک زبردست آلہ بن گئی۔ اہل روما کی قوت انضباط، فیروزگاری و حوصلہ مندی نے قدیم راہبانہ تخیل کو قائم نہ رہنے دیا، راہب کو ترک دنیا کر چکے تھے، لیکن اب زاد انھیں سے ملک گیری و حکمرانی کے کام لینے والا تھا۔

بنیڈکٹ (سٹن نرسیا) ابتدا ہر خانقاہ کے قواعد انضباط جدا گانہ تھے اور ہر راہب اپنے اعمال میں خود مختار تھا۔ ان

خانقاہیت کا مغرب میں شائع ہونا

بنیڈکٹ (سٹن نرسیا)
۵۴۳-۴۸۰

متفرق قواعد کو کسی ایک عام ضابطے کے تحت میں لانے کے لیے بہت دفعہ کوششیں کی گئیں۔ لیکن ان کوششوں میں کامیاب ہونا صرف بنیڈیکٹ آف زسیا کے لیے مقدر ہو چکا تھا۔ بنیڈیکٹ بحیثیت ایک راہب کے مختلف مقامات پر کئی سال تک رہ کر (۱۲۵۰ء میں) نینپلز کے متصل کوہ کیسینو میں آگیا، اور اپنے چند قدیم رفیق راہبوں کو لے کر وہاں کوہ کیسینو کی مشہور خانقاہ قائم کی، اور خود اس کا ”ضابطہ“ تیار کیا۔ اس نے راہبوں کو ایک باقاعدہ انجمن میں منضبط کیا اور بنیر پر خانقاہ کی اجازت کے خانقاہ سے باہر قدم رکھنا ان کے لیے ممنوع قرار دیا۔ دنیا سے ان کے تعلقات بالکل منقطع کر دیئے، اور ان کے شبانہ روز کے ایک ایک ساعت کے مشاغل خود اس نے مقرر کر دیئے۔ عبادت و مراقبہ کے اوقات موسم کی حالت کے اعتبار سے بدلتے رہتے تھے۔ انضباط پر بہت سختی سے عمل ہوتا تھا، پرہیزگاری، فقر و اطاعت گزاری کے حلف انہیں کرنا پڑتے تھے۔

بنیڈیکٹ کے ضابطے کو کامیاب دیکھ کر دوسری خانقاہوں نے بھی بتدریج اسی کی تقلید کی۔ گری گوری اعظم (۵۹۰ تا ۶۲۴ء) نے اٹلی، سسلی و انگلستان کے متعدد مقامات میں اس کا تتبع کرایا، ساتویں صدی میں اسکی بہت زیادہ

اشاعت ہوئی، اور آٹھویں صدی میں بونی فیس کے تحت میں تو گال و جرمنی میں صرف ہی ایک شکل خانقاہیت کی جائزہ گئی تھی۔ نویں صدی میں بنیڈیکٹ ساکن اینینی نے اس میں اور زیادہ سخت پابندیاں پیدا کر دیں، اور یہی ایک مستند اور قدیم ضابطہ قرار پا گیا، اور ۴۰ ہزار سے زیادہ خانقاہیں اس کے تحت میں آگئیں۔ بنیڈیکٹ کا مقصود یہ نہیں تھا کہ وہ اپنے راہبوں کو عالم یا مبلغ بنائے۔ تاہم رومن اساقفہ نے ان سے تبلیغ کا کام لینا شروع کیا، اور چند روز میں یہی کام ان کی ہستی کا خاص مقصد سمجھا جانے لگا۔ نزاریت کی اشاعت و شیوں کے درمیان خاص کر انھیں کے ذریعے سے ہوئی؛

کیسیوڈورس	تھیوڈور اعظم کا وزیر اعظم کیسیوڈورس ۵۴۵ء تک
اور خانقاہوں	مناصب دنیوی پر فائز رہا، اس کے بعد وہ اپنی
میں ترویج علوم	قائم کی ہوئی خانقاہ کیلایریا میں زاویہ نشین
	ہو گیا۔ وہاں اس نے اپنے تئیں علمی مشاغل

کے لئے وقف کر دیا، اور اپنے راہبوں کو بھی روزانہ کچھ دیر مطالعے میں مصروف رکھنے لگا۔ اس نظیر کی دوسری خانقاہوں میں بھی تقلید ہونے لگی، اور چونکہ بہت جلد یہ ظاہر ہو گیا کہ خانقاہ کے معاملات کے سرانجام دینے کے لئے علم و فضل ایک ضروری شے ہے، اس لئے کچھ نہ کچھ رتبہ ہر خانقاہ میں عطا ہونے لگے اور اس طرح خانقاہوں میں علم و فضل کا رواج ہو گیا۔

سینٹ بنیڈیکٹ کا ارشاد تھا کہ ہر راہب کو مشقت کرنا چاہئے۔ اس پر کیسیوڈورس کی ترغیب تعلیم کے اس اضافے کا نتیجہ یہ نکلا، کہ مشرق کے برخلاف، مغرب کے راہب جاہل اور بیکار نہ رہے، دنیوی تعلقات سے ان کا انقطاع کلی نہیں ہوتا تھا، بلکہ یہ لوگ جماعت معاشرتی کے مفید و باکار رکن رہے، پاپاؤں کے ہاتھ میں راہب ایک نہایت زبردست آلہ ثابت ہوئے، پاپاؤں کے واسطے دنیا کو تسخیر کرنے کے لیے اس سے بہتر شخص کون ہو سکتا تھا جس نے دنیا کو حقیر سمجھ کر اسے لات مادی ہو۔ پاپاؤں ہی نے انہیں ان کی منزل مقصود سے ہٹا کر زیادہ تر دنیا داری میں پھنسا دیا۔

راہب | راہبوں کے لیے یہ لازمی نہ تھا، کہ وہ پادری
 ”باقاعدہ پادری“ بھی ہوں۔ پہلے یہ لوگ عام دنیا دار اشخاص
 اور ہوتے تھے، لیکن آگے چل کر ان کا طبقہ مذہبی
 ”دنیاوی پادری“ میں داخل ہونا لازمی قرار پا گیا، اور خانقاہ میں
 رہنا مسیحیت کا مٹھائے کمال قرار پا گیا، چنانچہ اس عقیدے کو
 اس قدر تعظیم و قبولیت حاصل ہوئی، کہ جہاں کہیں بھی ممکن
 ہو سکتا تھا، ہر استغنی کے تمام پادری ایک عام ضابطے کے
 تحت میں ایک جگہ رہنے پر مجبور کئے جاتے تھے، اس وجہ
 سے یہ لوگ ”باقاعدہ پادری“ کہلانے لگے، اور جو پادری
 دور دراز اضلاع و قصبات میں متفرق تھے، اور دوسرے طریقے پر
 زندگی بسر نہیں کرتے تھے، وہ دنیاوی پادری کہلاتے تھے۔

کلونی | دسویں صدی میں نظام خانقاہیت میں اختلال و
 اضطراب پیدا ہو گیا تھا، خانقاہیں سینٹ بنیڈیکٹ کی

تعلیمات و ہدایات سے اس قدر دور جا پڑی تھیں اور خانقاہوں
 کے اندر کی زندگی اس قدر متبذل ہو گئی تھی کہ معلوم ہوتا تھا کہ
 اب اس کے خاتمے کا دن قریب آ گیا ہے، اس کی سب سے
 پہلی اصلاح، خانقاہ کلونی سے شروع ہوئی، جو سلسلہ میں
 ماکون سے چند میل مغرب، پہاڑیوں میں قائم ہوئی تھی۔
 اس خانقاہ کے متعدد روسا بہیم ایک عرصے تک نہایت ہی
 قابل و متوجہ ہوتے رہے جس سے یہاں کے زہد و اتقا کی
 شہرت تمام اطراف میں پھیل گئی۔ اس کی شہرت کی ترقی کے
 ساتھ وہاں کے راہبوں کی تعداد میں بھی ترقی ہوتی گئی تا آنکہ
 یہ ممکن ہو گیا کہ یہاں سے راہبوں کی جماعتیں نئی خانقاہیں
 بنا کرنے کے لئے باہر بھیجی جاسکیں جب دوسرے مقامات
 میں بھی اصلاح کی خواہش پیدا ہوئی تو ان خانقاہ والوں نے
 اپنی اصلاح و ہدایت و انضباط کے لئے یہیں کے راہبوں کو
 طلب کرنا شروع کیا۔ اس طرح پر دسویں اور گیارہویں صدی
 میں خانقاہ کلونی کا طرز عمل سارے یورپ کی خانقاہوں
 میں عام ہو گیا۔ تمام خانقاہیں جو اس ضابطے پر عامل تھیں
 سب باہم منسلک ہو گئیں اور ان کا ایک "اجتماع یا سلسلہ"
 قائم ہو گیا اور کلونی کا رئیس خانقاہ بحیثیت پیر خانقاہ کے
 نہایت وسیع الاختیار ہو گیا۔ اس اصلاحی سلسلے کے مقاصد

وہی تھے جنہیں گرگوری اعظم نے اختیار کر کے انہیں منصب پایا کے لئے مطمح نظر قرار دیا تھا، جن کا حاصل یہ تھا کہ ضابطہ خانقاہ کی پابندی زیادہ سختی اور زیادہ احتیاط کے ساتھ ہونا چاہئے، دنیاوی پادری بھی اپنی طرز معاشرت اسی راہبانہ طریق پر رکھیں، اور اس طرح راہبوں اور پادریوں کی جو مذہبی جماعت رؤسا قائم ہو جائے، اس کا اثر و اقتدار مذہبی معاملات میں تمام عالم مسیحیت پر مستولی ہو جائے۔ گرگوری ہفتم نے ان مقاصد میں ایک قدم اور آگے بڑھایا، یعنی تمام دنیا پر اقتدار روحانی حاصل کرنے کے ساتھ ہی اقتدار سیاسی کا بھی اضافہ کر دیا۔

سلسلوں کا گیارہویں صدی میں خانقاہیت و رہبانیت کا قائم ہونا وہ زور ہوا، کہ کلونی کے قواعد بھی کمزور و نرم معلوم ہونے لگے اس خیال سے بہت سے

سلسلے قائم ہو گئے، مثلاً ۱۱۴۰ء میں کارتھوسین، ۱۱۹۵ء میں سسٹرین، ۱۲۰۰ء میں پریمو سٹرینٹ، ۱۲۵۶ء میں کارمیلائیٹ، ان کے سوا اور بھی بہت سے سلسلے تھے جن کی شہرت مقامی حد تک محدود رہی۔ نئے نئے سلسلوں کے قیام کا شوق اور پوپ کے پاس اجازت کے لئے جس قدر درخواستیں آتی تھیں ان کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی اور اگرچہ پوپ انوسنٹ سوم نے جدید سلسلوں کے قیام کے لئے اجازت دینے سے

انکار کر دیا، لیکن فوراً ہی اس ممانعت سے بے اعتنائی بھی برتی جانے لگی۔ سلسلہ فرانسسکین کے بانی، سنٹ فرانسس کے سنٹ برناردینہ امر تھا کہ مسیح و حواریان مسیح کی پوری پوری تقلید فرانسس عسرت و ناداری، فریضہ تبلیغ، اور خدمت گزاری خلافت میں کیجائے۔ فرانسس ہی کے نام پر اس سلسلے کو فرانسسکین کہتے ہیں۔ اس سلسلے کے ہر رکن کا یہ فرض تھا، کہ ساری عمر سفر و سیاحی میں گزارے، اور صرف وعظ کہنے اور حسب ضرورت دوسرے لوگوں کی خدمت گزاری کے لئے قیام کرے، وجہ کفاف کے لئے مشقت کرے، اور اگر کوئی کام نہ مل سکے تو اس صورت میں گد اگری کرنا جائز تھا۔ لیکن نقد لینا اسکے لئے کسی حال میں بھی جائز نہیں تھا اور غذا بھی ایک دن کی خوراک سے زائد نہیں لے سکتا تھا، جمع ہر گز نہ کرے، بیماروں کی تیمارداری کرے، قیدیوں کو جاکر دیکھے مصیبت زدوں کی غمخواری کرے، گم کردہ راہ مذہب کو واپس لائے، غرض یہ کہ بالکل مسیح کے نمونے پر زندگی بسر کرے، اور ہر معاملے میں انہیں کی تقلید کرے۔ سلسلہ و سلسلہ کے دیہانی زمانے میں اس سلسلے کو پوری قوت حاصل ہو گئی اور اس کے قواعد ترقی کر گئے اور پوپ نے بھی اپنی پسندیدگی کا اظہار کر دیا لیکن اس کے چند ہی روز بعد اس میں فساد پیدا ہو گیا کہ اہل سلسلہ نے مکانات بنانا اور جائیداد خریدنا شروع کر دی، جس سے سینٹ فرانسس کو سخت بیزاری ہوئی پ

سینٹ ڈومینک | ایک اندلسی راہب سینٹ ڈومینک (سنہ ۱۲۲۱ء)

نے کلیسا میں روز افزوں بدعت و اعتزال کے انسداد کے لئے (سنہ ۱۲۱۵ء) میں ایک دوسرا سلسلہ تبلیغ و ارشاد کا قائم کیا۔ اس حلقے کے ارکان کے لئے یہ لازمی تھا کہ علوم مروجہ سے بخوبی واقف ہوں، اور لوگوں کو اصول کلیسا کی پوری تعلیم و تلقین کر سکیں۔ سنہ ۱۲۲۱ء میں سینٹ ڈومینک نے سینٹ فرانسس کی ہمنوائی کے لئے عسرت و ناداری کو بھی اپنے اہل سلسلہ کے لئے لازمی قرار دے دیا۔ ان دونوں سلسلوں کے مدارج حیات تقریباً ایک ہی سے رہے، یعنی دونوں کو یکساں دولت، اقتدار و وسعت حاصل ہوتی رہی۔ سینٹ فرانسس کا یہ مقصد نہ تھا کہ اُس کے اہل سلسلہ عالم بھی ہوں، لیکن ڈومینکیوں کی تقلید میں ان لوگوں نے بھی تعلیم میں ترقی شروع کی، اور اواخرِ قرونِ وسطیٰ میں جتنے بڑے بڑے علما و فضلا پیدا ہوئے، وہ انہیں دونوں سلسلوں سے تعلق رکھتے تھے۔

خانقاہیت | خانقاہیت کا تاریک رخ اکثر رنگ آمیزی کے ساتھ کے تقاضے | پیش کیا گیا ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ

اس تاریخ میں اکثر زوال و انحطاط کے دور گزرے ہیں۔ راہبوں کے زہد و تورع نے ہزاروں اشخاص کو اُن کا مرید و گرویدہ بنا دیا تھا۔ جنہوں نے اُن کے سامنے دولت کے ڈمیر لگانے شروع کر دیئے۔ دولت کی

افراط کے ساتھ ان میں تعیش، تن آسانی، و اسراف کا پیدا ہو جانا ناگزیر تھا۔ رہبانیت کے اصول، خاندان کی عظمت اور نظم معاشرت میں عورت کی موزوں و مناسب عزت کے منافی تھے۔ اکثر بہترین دل و دماغ کے اشخاص خانقاہ میں زاویہ نشین ہو جاتے تھے، اور اس طرح سلطنت ایسے اشخاص کے فیض سے محروم رہ جاتی تھی۔

خانقاہیت اس کے علاوہ اور بہت سے اعتراضات اس کے فوائد تنظیم کے خلاف وارد ہو سکتے ہیں، لیکن اصل یہ ہے کہ اس کے محاسن کا پلہ اس کے معائب سے کہیں بھاری تھا، یہ رہبانیت ہی تھی جس کے مشنریوں نے مغربی و شمالی یورپ میں مسیحیت و تہذیب کی اشاعت کی۔ ہر خانقاہ بجائے خود علم و فضل کا ایک مرکز بن گئی جس کی شاعیں اطراف و اکناف کو منور کرتی تھیں۔ راہبوں نے زمینیں صاف کیں اور انہیں قابل کاشت بنا دیا۔ ایسے زمانے میں جبکہ پہگری مدار شرافت و سروری تھی، کاشتکاری و مشقت کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بٹھانا انہیں کا کام تھا۔ رومی تمدن کے بیشتر حصے کو انہیں نے محفوظ رکھا اور اسے دشمنوں تک پہنچایا۔ مغرب کی تہذیب و تمدن کے حامل یہی لوگ تھے۔ عام دور وحشت و جہالت میں علم و ادب کا طبا و مادی اگر کوئی مقام تھا تو یہی خانقاہیں تھیں۔ ازمندہ وسطی میں مریضوں کا علاج معالجہ اور محتاجوں کی حاجت روائی انہی

خانقاہوں میں ہوتی تھی۔ اپنے وقت میں سب سے بڑے تعمیر کرنے والے بھی یہی لوگ تھے۔ یورپ کے اکثر بڑے بڑے کلیسا انہیں کے تعمیر کرائے ہوئے ہیں۔ غرض ان حیثیات سے خانقاہیت اُس زمانے کے لحاظ سے ایک نعمت عظمیٰ تھی۔ لیکن زمانے نے کروٹ لی۔ پندرھویں اور سولھویں صدی میں اس کی کوئی اہم ضرورت باقی نہیں رہی، اور ایک زمانے میں اس کے جو مقاصد و فرائض تھے، انہیں اب دوسری قوتیں بوجہ امن انجام دینے کیلئے مستعد ہو گئی تھیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ پندرھویں صدی سے یہ تحریک خود بخود مردہ ہونا شروع ہو گئی تھی۔ خانقاہ کے در دیوار اب بھی وہی تھے، لیکن خانقاہ نشینوں کی تعداد وہ نہ تھی اور اس تعداد کا پورا پورا قائم رکھنا ناممکن ہو گیا تھا خانقاہیت کا نظام اب ٹوٹ چکا تھا، اور قوم و ملک کی حالت و ضرورت کے لئے اب یہ موزوں نہیں تھا۔

فوجی ورہبانی | قرون وسطیٰ کے دو خاص مطمح نظر تھے۔ ایک سپہگری
سلسلہ | دوسری رہبانیت۔ یہ دونوں بظاہر متضاد معلوم ہوتے ہیں، لیکن زمانے نے اور خصوصاً ان حالات

نے جو فلسطین کے محاربات صلیبی نے پیدا کر دیئے تھے، ان دونوں کو جمع کر کے فوجی ورہبانی سلسلے پیدا کر دیئے تھے، ۱۰۹۹ء میں ٹامس آف سینٹ جان کی ایک جماعت زائرین و مجاہدین کے مرضیوں کی تیمارداری کیلئے قائم کی گئی لیکن زیادہ زمانہ نہیں گزرا کہ انہیں سپاہی بھی بننا پڑا۔ کیونکہ وہ ہر طرف سے عربوں میں گھومے ہوئے تھے

اور ہمیشہ اُنکا خطرہ لگا رہتا تھا اور انہیں اپنی حفاظت کی ضرورت تھی۔ ۱۱۹ء میں اسی جماعت کی تقلید میں ٹائٹس ٹمپلرز کے نام سے ایک دوسری جماعت قائم ہوئی۔ یہ دونوں جماعتیں ایسے افراد سے مرکب تھیں جو بلحاظ اپنے عہود و موثقت کے تو راہب تھے اور بلحاظ اپنے عمل کے ہمہ تن سپاہی تھے، اور چونکہ ان سلسلوں کا تعلق ارض مقدس سے تھا اس لئے یہ دونوں جماعتیں نہایت مقبول ہو گئیں اور نذرانوں کے انبار ان کے سامنے لگنے لگے۔

بحیرہ بالٹک پر ۱۱۹ء میں ٹولیس کے دوران محاصرے میں جرمنوں نے ایک مارستان قائم کیا جسکے ارکان نے مثل جرمی سلسلہ

علقہ نامے سابق الذکر کے اپنے تئیں بھی بہت جلد ایک فوجی رہبانی جماعت میں منظم کر لیا۔ یہ لوگ جرمن ٹائٹس کہلاتے تھے۔ ان لوگوں نے مشرق میں قدم جانے کی سخت کوشش کی، لیکن دوسری جماعتیں ان سے بہت زیادہ قدیم و پختہ کار تھیں، ان کے سامنے اُنکی کچھ چل نہ سکی۔ ۱۲۲۶ء میں یہ لوگ پرنشیا میں دجوٹیشی و سٹولا کے مغرب میں واقع ہے مدعو کیئے گئے، تاکہ وہاں آکر شرک و ضلالت کی میٹھانی کریں۔ ۱۲۲۶ء میں آلبرٹ (ریگا کے اسقف) نے بھی اسی اصول پر ایک جماعت سورڈ برادرز (برادران شمشیر) کے لقب سے قائم کی تھی، اور اس سے لوڈونیا و آستھونیا کے فوج کرنے میں اور ان میں مسیحیت کے پھیلانے میں کام لیا۔ ۱۲۳۷ء میں یہ دونوں جماعتیں متحد ہو گئیں، اور انہیں کے اتحاد کا نتیجہ تھا کہ دریائے و سٹولا کے مشرق کا استدر وسیع علاقہ جرمن و مسیحی بنکر بالاخر ملک جرمنی میں شامل ہو گیا۔

باب (۱۲)

اسلام و محاربات صلیبی

[باب ہذا کی ابتدا میں مصنف نے چند صفحات میں اسلام و پیغمبر (صلعم) کا تعارف اپنے ناظرین سے کرایا تھا، اتنا لکڑا ترجمے میں حذف کر دیا گیا۔]

(حضرت) محمد (رسول اللہ صلعم) کا انتقال ۱۱ سالہ میں ہوا، اور آپ کے بعد آپ کے چار سابق الاسلام صحابی حضرت ابو بکرؓ (۱۱ تا ۱۲)، حضرت عمرؓ (۱۲ تا ۱۳)، حضرت عثمانؓ (۱۳ تا ۱۵)، اور حضرت علیؓ (۱۵ تا ۱۶) کے بعد دیگرے خلیفہ ہوئے۔ حضرت علیؓ کی وفات کے قبل ہی شام، ایران، وادی فرات اور دریائے نیچون تک کے تمام ممالک شمالی افریقہ کا کچھ حصہ اور ہندوستان و مصر کی سرحدوں تک کا علاقہ اور شمالی افریقہ کا بھی کچھ حصہ اسلام کے زیر نگین آچکا تھا لیکن ساتھ ہی مسلمانوں میں باہمی اختلافات بھی پیدا ہو گئے۔ اور حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ دونوں شہید ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے ایک عزیز نے دعویٰ خلافت کیا، اور (۱۶ تا ۱۷) مدینہ کی بجائے

دشوق کو اپنا مستقر حکومت قرار دیا۔ یہ خاندان ، بنو اسبیہ کہلاتا ہے۔
عالم اسلام | دشوق میں ان کی حکومت سنہ ۷۵۷ء تک رہی۔ تا آنکہ
 میں شقاق | پیغمبر کے چچا حضرت عباسؓ کی اولاد نے جو خاندان
 عباسیہ سے موسوم ہے تخت خلافت پر قبضہ کر لیا،

اور اپنا دار الخلافت بغداد میں مقرر کیا۔ دار الخلافت کی یہ تبدیلی غلط
 ہوئی۔ کیونکہ بغداد ایسا شہر نہ تھا کہ جہاں سے تمام ممالک اسلام پر
 فرماں روائی کی جاسکے چنانچہ مصر و اسپین نے بغاوتیں کیں، اور
 اپنے اپنے جداگانہ خلیفہ مقرر کر لئے۔ گیارہویں صدی میں ترکوں کی
 قوم سلاجوق نے وسط ایشیا سے نکل کر یورش کی، اور ایشیا کے تمام
 اسلامی ممالک پر قابض ہو گئی۔ سنہ ۱۰۵۷ء میں ان کا سردار طغرل بیگ
 ترک سب پر بغداد گیا، وہاں خلیفہ کے ہاتھ سے تمام دنیاوی
 حکماں ہو جانے | اختیارات لے لئے اور سلطان کے لقب سے تمام
 تمام ممالک اسلام کا فرماں روا ہو گیا۔ اب خلیفہ کی
 ہیں۔

حیثیت صرف مذہبی رہ گئی اور سیاسی اختیارات
 طغرل بیگ اور اس کے جانشینوں کے ہاتھ میں آ گئے، خلافت کی
 یہ غیر حالت سنہ ۱۰۵۷ء تک باقی رہی اور اسی سنہ میں فاتح اعظم چنگیز خاں
 کے فرزند نے آخری خلیفہ کو بغداد میں شہید کر ڈالا۔

خلافت اسپین | سنہ ۷۵۷ء میں جب بنو اسبیہ کا خاندان تباہ ہوا تو اس
 خاندان کا ایک شخص پیکر اسپین پہنچا، وہاں بہ احترام
 تمام اس کا استقبال ہوا، اور یہ بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ لا امیر یا
 سلطان کے لقب سے وہ خود اور اس کے اخلاف سنہ ۱۰۲۹ء تک

حکمرانی کرتے رہے، اس کے بعد انہوں نے ”خلیفہ“ کا لقب اختیار کر لیا۔ اس خاندان کے تحت میں اسپین کی اسلامی سلطنت پوری طرح متحد ہو گئی اور نہایت خوشحالی کے ساتھ قائم رہی۔ لیکن سنہ ۱۰۰۰ء میں ایک ایسا انقلاب ہوا جس نے خلافت کا خاتمہ کر دیا اور اب خلافت متحدہ و حصوں میں پارہ پارہ ہو گئی اور مسیحیوں نے اسے ہر جانب سے دبا کر اپنے گذشتہ زمانہ کے کچھ مقبوضات پر بھر فتح کر لئے۔

افریقہ | اسیوں کے زوال کے بعد افریقہ میں بہت دنوں تک جنگ و جدال کی گرم بازاری رہی، یہاں تک کہ دسویں صدی میں ایک شخص نے جسے آنحضرت (صلعم) کی بیٹی فاطمہؓ کی اولاد میں ہونے کا دعویٰ تھا اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس کی اولاد نے سلسلہ میں قاہرہ کو آباد کیا، اور اسی کو اپنا مستقر حکومت قرار دیا۔ یہاں سے بحیرہ روم کے تقریباً تمام مغربی جزائر اور اٹلی و اسپین کے بعض بندرگاہوں پر بھی یہ قابض ہو گئے، لیکن سلسلہ جنگ و جدال نے ان کی قوت کو توڑ دیا، چنانچہ سلاطین میں صلاح الدین مغربی حصہ ایشیا کے فرمانروا نے مصر کو مسخر کر لیا اور خلافت قاہرہ کا خاتمہ کر دیا۔

(حضرت) محمد (رسول اللہؐ) کی وفات سے پانچ صدیوں تک اسلامی تمدن جس مرتبہ کا تھا، اس کے مقابلہ میں اس وقت کا یورپ بالکل گرد تھا۔ اس تمدن کے مہادی و عناصر اولیہ ایران و یونان سے حاصل ہوئے۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے خود اس سرزمین میں بہت کچھ اضافہ کیا۔ مسلمانوں کا نظام حکمرانی

نظم و نسق کے لحاظ سے نہایت اعلیٰ و قابل قدر تھا اور ایک حد تک تمام ممالک میں یکساں واقع ہوا تھا۔ ان کا محصولات کے وصول و تشخیص کرنیکا نظام بھی اچھا تھا۔ انہوں نے پرانی رومن سڑکوں کی از سر نو مرمت کی اور خود جدید سڑکیں بھی تیار کیں اور اس طرح اپنی تمام قلمرو کو باہم ملا دیا۔ انہوں نے نہریں اور پانی جمع کرنے کے ذخیرے بھی تیار کئے۔ ڈاک کی آمد و رفت کا انتظام بھی ان میں رائج تھا۔ انہوں نے ایک خاص طرز تعمیر کو ترقی دی، جس کے خصائص اتیازی، قوسی و بیضوی محرابیں، گنبد، اونچے اونچے و لغیرب منارے، اور اندرونی عمارت کی مینا کاری ہے۔ ان کی تعمیرات، ان کے مذاق صحیح و لطافت طبع کی بہترین دلیل ہیں اور آج بھی ان کی عمارتیں جہاں جہاں باقی ہیں، بہ لحاظ اپنے حسن و خوبی اور شان و شوکت کے دنیا کو حیرت و رشک میں ڈال رہی ہیں۔

علوم | انہوں نے یونیورسٹیوں کی بنیاد ڈالی، جن کی نظیر یورپ میں صدیوں تک نہ پیدا ہو سکی۔ عموماً مسیحی درسگاہوں اور دارالعلوموں کا کام دیتی تھیں، اور یہیں ہر قسم کے مسائل پر آزادانہ بحث ہوتی تھی مشہور دارالعلوموں میں بغداد، قاہرہ اور قرطبہ کی یونیورسٹیاں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے قاہرہ کی یونیورسٹی، جامع الازہر کے نام سے اب بھی قائم ہے، جس میں بارہ ہزار طالب علم داخل ہیں، انہوں نے کتب خانے بھی قائم کئے تھے، جن میں بعض کی نسبت کہا جاتا ہے کہ کئی کئی لاکھ کتابیں ان میں موجود تھیں۔ ان یونیورسٹیوں (اور خصوصاً اسپین کی یونیورسٹیوں) میں عیسائی طلبہ بھی شریک ہوتے تھے۔ ان طلبہ نے یہیں سے اسلامی علوم

و تمدن حاصل کر کے انھیں نصارائے یورپ میں پھیلایا۔ ان یونیورسٹیوں میں فلسفہ، شریعت، قانون، معنی و بیان، صرف و نحو کی تعلیم خاص جو شرفِ دولے کے ساتھ ہوتی تھی۔ لغات مدون ہوتے تھے اور قرآن شریف کی تفسیریں لکھی جاتی تھیں۔ مسلمان ارسطو کی تصانیف سے خوب واقف تھے، اور اپنے فلسفہ کی بنیاد اسی کے اصول پر رکھی تھی۔ ان کی بعض تواریخ و سیر اور سفر نامے آج تک موجود ہیں۔

ریاضی

ریاضیات میں انہوں نے یونانی ریاضی کی بنیاد پر اپنی ریاضیات کی علمت قائم کی۔ جن ہندسوں کو ہم عربی ہندسے کہتے ہیں، ان کے ماخذ کا ہمیں صحیح علم نہیں، لیکن اس قدر یقین ہے کہ تھیوڈورک اعظم کے زمانہ میں یہ تھیس ایسی ہی علامات کا استعمال کرتا تھا، جو ہمارے مروج ہندسوں سے ایک حد تک مشابہ تھے، پھر جبر برٹ کے تلامذہ میں سے ایک شخص نے ایسی علامات کا استعمال کیا، جو ہمارے ہندسوں سے اور بھی مشابہ تھیں تاہم بارہویں صدی تک صفر نامعلوم تھا۔ یہاں تک کہ ایک ریاضی داں محمد بن موسیٰ نے سب سے پہلے صفر ایجاد کیا اسی نے کسور اعشاریہ کا طریقہ بھی نکالا ہندسوں میں بذریعہ ترتیب قدر و قیمت قائم کی۔ علم ہندسہ میں عربوں نے اقلیدس پر کچھ زیادہ اضافہ نہیں کیا، لیکن جبر و مقابلہ گویا تمام تر انھیں کا ایجاد ہے، اور علم مثلث گروی میں انہوں نے خاص کمال پیدا کیا، چنانچہ جیب، ماس و مماس تمام کے ایجادات انہیں کے ہیں۔ طبیعیات میں لنگر انھیں کا ایجاد ہے، علم مرایا میں ان کے خاص کارنامے ہیں ہیئت میں بھی انہوں نے

معقول ترقی کی، انہوں نے متعدد رصد گاہیں قائم کیں، اور بہت سے آلات ہیئت ایجاد کئے جو اب تک استعمال میں ہیں۔ زاویۂ طریق الشمس اور استقبال متعلیں انہی نے دریافت کیا غرض یہ کہ علم ہیئت میں بلا شک و شبہ ان کو خاص کمال حاصل تھا۔

فن طب میں بھی انہوں نے یونانیوں کے سرمائے پر بہت کچھ اضافہ کیا۔ انہوں نے علم افعال الاعضاء و حفظ صحت کے متعلق تحقیقات کی۔ اور ان کی قرابادیں تو گویا وہی تھی جو آج ہے۔ ان کے بہت سے طرق علاج اس وقت بھی قائم و مروج ہیں۔ ان کے جراح واروے بیہوشی کا استعمال جانتے تھے، اور بعض نہایت نازک سے نازک اعمال جراحی انجام دیتے تھے۔ جس وقت کہ یورپ میں کلیسا کی طرف سے علاج معالجہ ممنوع تھا، بلکہ صحت کا مدار پادریوں کی بعض مذہبی رسوم کی تعمیل پر تھا اس زمانے میں عربوں کے ہاں ایک مکمل فن طب موجود تھا۔ علم کیمیا کی بھی انہوں نے نہایت معقول بنیاد ڈالی۔ انکھل، پوٹاشیم، (القلی) نائٹریٹ آف سلور (جو اہر فضتیہ کو روسیو سلیٹ، (زیبق اکال) نٹرک ایسڈ (شورہ خالص) وغیرہ صد ہا چیزیں ان کی دریافت کی ہوئی ہیں۔

علم ادب، علم ادب کی طرف بھی عربوں نے کافی دوانی توجہ
صنعت و حرفت کی اور بہت سی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں
جو خیالات عالیہ پر مشتمل ہیں شاعری سے تو انہیں
کشاوری خاص شوق رہا ہے۔ صنعت و حرفت کے دائرے میں
بہ کمال حسن و خوبی و نفاست و دستکاری تمام دنیا میں اپنا نظیر نہ رکھتے

تھے۔ سونا، چاندی، تانبا، کانسہ، لوہا، فولاد، ہر چیز کا کام کرتے تھے۔ پارچہ بانی میں اس وقت کیا اب تک ان کا جواب نہ ہو سکا۔ شیشہ اور مٹی کی چیزیں وہ بہترین قسم کی بناتے تھے۔ رنگ سازی کے راز سے واقف تھے اور کافہ بھی تیار کرتے تھے۔ چرم سازی میں وہ بہت سی ترکیبوں سے کام لیتے تھے اور اس فن میں ان کی دھوم سارے یورپ میں مچی ہوئی تھی۔ ادویہ کے جوہر، شربت، عرق وغیرہ وہ خوب نکالتے تھے۔ وہ نیشکر سے شکر نکالتے تھے، اور انگور کی اعلیٰ اعلیٰ اقسام پیدا کرتے تھے۔ فلاحت میں وہ علمی اصول سے کام لیتے تھے، اور آبپاشی کا ایک اعلیٰ نظام رکھتے تھے۔ درختوں کو زوردار بنانے والی کھاد کی قدر قیمت سے وہ واقف تھے۔ اور زمین کی موردنیت کے اعتبار سے اقسام کاشت کو کام میں لاتے تھے۔ فن باغبانی میں مہارت تامہ رکھتے تھے اور قلموں کے لگانے اور نئے قسموں کے پھل اور پھول پیدا کرنے کے طریقوں سے واقف تھے۔ مشرق سے صداہا درخت اور پوسہ لالا کر انہوں نے مغرب میں لگائے اور ان کے متعلق علمی مسائل لکھے۔

تجارت | ان کی تجارتیں بڑی دور دور پھیلی ہوئی تھیں۔ ان کے تجارتی قافلے ان کی وسیع مملکت اس سرے سے اُس سرے تک آمد و رفت رکھتے تھے، اور ان کی کشتیاں سمندروں میں پھرتی تھیں۔ وہ اکثر مقامات پر بڑے بڑے میلوں اور بازاروں کا انتظام کرتے تھے جن میں سے بعض میں یورپ و ایشیا کے ہر حصے سے تاجر آکر جمع ہوتے تھے۔ ان کے تجارتی تعلقات چین، ہندوستان

جزائر ہند ، اندرونی افریقہ ، روس ، بحیرہ بالٹک کے گرد کے تمام ممالک سے قائم تھے ۔

عربوں کے اس اسلامی تمدن کے بیشتر حصے کا یورپ میں پھیلنا تمدن کو خاتمہ محاربات صلیبی کے ذریعے سے پہلے ہی مقدم ہو چکا تھا اور ایسا ہی ہوا ، لیکن خود اپنے وطن میں ترکوں نے غارت کیا ۔ جاہل و متعصب ترکوں کی آمد نے اسے بالکل برباد کر دیا ، انہوں نے ثابت کر دیا کہ وہ اس کو فتح تو

ضرور کر سکتے تھے ، لیکن نہ اس سے مستفید ہو سکتے تھے ، اور نہ اس میں کوئی اضافہ کر سکتے تھے ۔ یہ لوگ اس درجہ متعصب تھے کہ ہر قسم کے علم و حکمت کو مذہب کے لئے مضر سمجھ کر اس کے دشمن بن گئے تھے ، اور دوسرے مذہب والوں سے انہوں نے جنگ و جدال کا سلسلہ قائم کر رکھا تھا ، اس سے ان کی تجارت و صنعت و حرفت کو سخت نقصان پہنچا ۔ ترک چونکہ خود وحشی تھے اس لئے ان کو نہ ضروریات تمدن کی قدر تھی ، اور نہ اُس کے تکلفات و تعیشات کی پس جو تمدن انہیں ملا تھا اسے وہ لامحالہ برباد ہی کیا چاہتے تھے ۔

۱۱۔ مصنف نے ترکوں پر جو الزام لگایا ہے وہ ایک بڑی حد تک مبالغہ پر مبنی ہے قوم جس نے علمی دنیا میں امام بخاری ، ابو نصر فارابی ، ابو علی سینا ، جیسے ائمہ فن پیدا کئے ہوں ، اس یک طرفہ الزام کے ہرگز مستحق نہیں ہو سکتی خود عربوں کو اپنے عہد تمدن میں ترکوں کی قابلیت کا اعتراف تھا ۔ حافظہ کہ علم احمیوان کا پہلا مصنف گزرا ہے ، ترکوں کے مناقب میں اس کی ایک کتاب موجود ہے جو منہ میں چھپ چکی ہے

ان کے عروج کے وقت سے اسلام کا رنگ بالکل بدل گیا ہے ، اور جہاں کسی وقت چمن زار و سبزہ زار تھے وہاں آج بیابان نظر آ رہے ہیں۔

ملفعل بیگ کے جانشین مغرب میں برابر اپنے فتوحات بڑھاتے گئے ، یہاں تک کہ تمام ایشیائے کوچک کو انہوں نے شہنشاہ کے ہاتھ سے نکال لیا اور خود قسطنطنیہ ان کی وجہ سے خطرے میں پڑ گیا۔ کہا جاتا ہے کہ شہنشاہ نے اس پریشانی و اضطراب میں پوپ سے مدد چاہی۔ ۱۵۹۷ء میں اربن ثانی ، فرانس کو گیا۔ اور کلرمونٹ کی مجلس میں تمام مغرب کو یہ عام صلا کی کہ ہر شخص کو ہتھیار ہاتھ میں لیکر مقامات مقدسہ کو واپس لینا چاہئے۔ اس دعوت میں اسے غیر متوقع کامیابی حاصل ہوئی۔ جونہی اس نے خطبہ ختم کیا ، اس کے گرد ہزار ہا پُر جوش فداؤں کا ہجوم ہو گیا ، جو جنگ میں جانے کے لئے حلف اٹھا رہے تھے ، اور پاپا کے مقدس ہاتھوں سے اپنے سینے کے دہنی طرف ایک آڑی سرخ رنگ کی صلیب بندھوا رہے تھے۔ اربن نے یہ احکام جاری کر دیے ، کہ خانگی جنگ قطعاً ناجائز ہے اور تمام مجاہدین کی املاک کلیسا کی خاص حفاظت میں رہیں گی۔

اس تحریک میں شریک ہونے والوں کے لئے بڑے بڑے انعامات مقرر کئے ، اور مال کلیسا کو حکم دیا کہ فرانس کے ہر حصے میں اس مقصد کی تبلیغ کریں۔ انھیں مبلغین میں ایک شخص پیٹر راہب بھی

پیٹر راہب | تھا۔ یہ عام خیال کہ پیٹر ان محاربات صلیبی کا بانی ہوا ہے ، قطعاً غلط ہے۔ وہ پہلے نہ کبھی فلسطین گیا تھا ، نہ پوپ سے ملا تھا ، اور نہ کلرمونٹ کی مجلس مذکور میں جنگ صلیبی کے اعلان کے قبل

اسے اربن سے کسی طرح کا واسطہ تھا۔ اس نے اپنے وعظ سے چند ہزار مرد اور عورتوں کی غیر مسلح بہیر اپنے گرد جمع کر لی، اور انہیں کو لیکر فلسطین کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ قسطنطنیہ ہوتا ہوا ان لوگوں کو کچھ دور تک ایشیاء کوچک میں لے گیا تھا کہ ترکوں نے ان سب کو کاٹ کر ڈال دیا۔ خود پیٹر نے بھاگ کر قسطنطنیہ میں پناہ لی، اور اصل فوج کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

اس جنگ صلیبی کا نہ کوئی سردار تھا نہ اس کی کوئی مرکزی قوت تھی۔ شمالی فرانس سے شاہ فلپ اول کا بھائی پیوگوائف ورینڈور اسٹفن، رابرٹ (نارمنڈی) (کارڈفری، بولیون) اور اس کے دو بھائی یوٹیس و بالڈون اور ان کا بھتیجا بالڈون اصغر آئے تھے۔ سردار ناقابل، جنوبی فرانس سے ریمند کاونٹ ٹولوز اور اٹلی سے ہومینڈ اور اس کا اور فوج غیر منتظم تھی۔ بھتیجا ٹینکرڈ شریک جنگ تھے ان میں سے سرداری کی اہلیت صرف ایک ریمند میں تھی، لیکن شامت یہ تھی کہ اس کی سرداری کا تسلیہ کیا جانا ناممکن تھا۔ ہر شخص اپنے اپنے لوگوں پر سردار اور بالکل خود مختار تھا۔ کہا جاتا ہے اس فوج کا مجموعی شمار قریب دس لاکھ کے تھا لیکن اس کی صحیح تعداد کے اندازہ کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

جنگ صلیبی نصرانیوں کا یہ لشکر عجیب مختلف و تباہ عناصر والوں کا مجمع سے مرکب تھا۔ پاپا کا ارشاد ہو چکا تھا کہ جو لوگ اس راہ میں شہید ہونگے ان کے سب گناہ معاف ہو جائیں گے، اور اس ہم کے نہایت

ما فوق العادت نتائج ہونگے۔ بہتوں نے اسی ارشاد کے اعتماد پر خالص مذہبی جوش سے اس میں شرکت کی تھی۔ بہت سے ایسے لوگ بھی اس میں شریک ہو گئے تھے جو ادائی قرض سے بچ جانا چاہتے تھے یا اپنے خاندانوں سے بھاگ آئے تھے۔ بہت سے مجرم تک اس میں شریک تھے اور یوں جرائم کی سز سے جان بچانا چاہتے تھے۔ بہت سے نیم غلام اپنے آقاؤں کی سخت گیری سے تنگ آکر اس میں آئے تھے۔ بہت سے منچلے اس لئے داخل ہو گئے تھے، کہ سیر و سیاحت و معرکہ آرائی کا لطف آئیگا۔ یہ حال عام سپاہیوں کا تھا۔ رہے سرداران فوج تو وہ تمام تر اس غرض سے شریک ہوئے تھے کہ ان کے اقتدار میں اضافہ ہو، اور مشرقیوں اور یونانیوں سے حاصل کئے ہوئے علاقوں پر مشرق میں اپنی کوئی آزادانہ امارت قائم کر لیں۔ پوپ کا مقصد بیشک مقامات مقدسہ کا آباد کرانا تھا مگر اس کے ساتھ ہی یہ غرض بھی پیش نظر تھی، کہ مشرق میں اس کا مذہبی اقتدار قائم ہو جائے۔ اٹلی کے جو شہر اس پہلے محاربے میں شریک ہوئے ان کی اصل غرض بھی یہی تھی، کہ اپنی تجارت کو پھیلائیں اور مشرقی سواہل پر اپنے خاص حقوق قائم کریں۔

ایلیگزینڈر شہنشاہ قسطنطنیہ کے ذہن میں رابرٹ گسکارڈ

کے تجربات تازہ تھے اور اس لئے وہ ان مجاہدین سے خائف تھا۔ وہ سرداروں کے اصلی مقاصد کو تاثر گیا تھا اور ڈر رہا تھا کہ کہیں خود اس پر حملہ نہ کر دیں۔ پس اس کو اپنے بچاؤ کی تدبیریں اختیار کرنا ضرور

تھا، چنانچہ یہ سردار جب قسطنطنیہ میں آئے تو اس نے طوعاً یا کرہاً ان سب سے یہ حلف لے لیا کہ ممالکِ سُرخہ کو وہ اس کے حوالے کر دیں گے، ہاں البتہ اگر چاہیں، تو بعد کو بطور جاگیر پھر لے سکتے ہیں۔ ان سرداروں میں صرف بویمینڈ ایک ایسا شخص تھا، جس نے پوری دیانت و صفائی کے ساتھ اپنے اصلی مقاصد و اغراض اس کے سامنے بیان کر دیئے۔ اس نے اپنے خدمات شہنشاہ کے سامنے پیش کئے اور صاف صاف کہہ دیا کہ وہ مشرق میں ملک گیری کے لئے جانا چاہتا ہے مگر شہنشاہ نے اس پر اعتماد نہ کیا اور اسے اعتماد و اقتدار کا منصب عطا کرنے سے انکار کر دیا۔

۱۰۹۷ء میں یہ فوج باسفورس کو عبور کر کے عسازم **نیشاپور** پر قبضہ کیا اور کچھ روز تک شہر کا محاصرہ کر کے قریب تھا کہ اسے زیر کر لے کہ اسی اثنا میں عین

اس وقت جب کہ اہل شہر ہتھیار رکھنے کو تھے، الیکزیس نے اسے خود اپنا مطیع کر لیا۔ مجاہدین کو چونکہ غارتگری کا موقع نہ مل سکا، اس لئے وہ الیکزیس کی اس حرکت سے سخت جھنجھلائے، اور اس پر بد عہدی کے الزامات لگائے حالانکہ یہ الزامات قطعاً بے بنیاد تھے۔

۱۰۹۸ء ایشیائے کوچک کے درمیان فوج کا کچ کرنا ایک مشکل کام تھا، چنانچہ کثیر التعداد سپاہی راستے میں بھوک پیاس سے مر گئے۔ آخر اکتوبر ۱۰۹۸ء میں

فوج اٹلا کیہ پہنچی، اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ اہل شہر کئی مہینے تک مدافعت کرتے رہے، یہاں تک کہ یہ معلوم ہوا کہ کربوغا امیر موصل

ایک لشکر جرار لے ہوئے ان کی کمک کو آ رہا ہے۔ ہیومنڈ نے یہ سنکر اپنے رفقاء سے کہا کہ وہ اگر اس شہر کو اس کی ملک میں دینے پر راضی ہوں تو وہ اسے فوراً فتح کر لے گا۔

یہ شرط بالآخر ان لوگوں نے منظور کر لی اور ہیومنڈ ایک غدار کی مدد سے کچھ رات گئے شہر میں داخل ہو گیا۔ صبح ہوتے ہی پھاٹک کھول دیا گیا، سپاہی اندر گھس پڑے۔ قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا۔ مسلمان کمال سیدردی قتل ہونے لگے، اور ان کے مکانات غارت کئے جانے لگے۔ صرف قلعہ اب تک غیر مسخر تھا، جس کی جانب فوج نے لوٹ مار کی مصروفیت میں توجہ نہیں کی تھی تین دن کے بعد امیر کر بوغا آ گیا، اور اب نصاریٰ محصور ہو گئے۔ چند روز تک کر بوغا نے بڑی سختی سے محاصرہ کیا اور نصاریوں کو کر بوغا نے ہمت ہار دی، کیونکہ کر بوغا کے محاصرے کے مقابلے میں شہر کا قائم رہنا دشوار معلوم ہوتا تھا عین اس وقت

ایک خاص دغا مگر مقدس دغا سے کام لیا گیا، جس سے مسیحی بالآخر غالب آ گئے۔ یعنی یہ مشہور کر دیا گیا، کہ ایک مجاہد کو خواب میں یہ بشارت ہوئی ہے کہ فلاں مقام پر نیزہ مقدس مدفون ہے، چنانچہ جب وہ مقام کھودا گیا تو نیزہ برآمد ہوا، کچھ لوگوں کو علم تھا، کہ یہ محض ایک دھوکا ہے، لیکن اکثروں کو اس پر اعتقاد ہو گیا۔ اس نیزہ مقدس کی سوا ہی میں میسوں نے جب حملہ کیا تو کر بوغا کو ہزیمت کا بل ہوئی اور اس کے خیمے ڈیرے سب میسوں کے ہاتھ لگے۔

اڈیس اسی اثنا میں گاؤفری کے بھائی بالڈون نے اڈیس میں جاکر بعض نا جائز ذرائع سے اس شہر پر قبضہ کر لیا

تھا، اور اڑکیہ نے سیحوں کے لئے ایک اہم چوکی کی حیثیت پیدا کر لی۔
 کرونا کی فوج کو شکست دینے کے بعد یروشلم کا راستہ کھلا ہوا تھا۔
 بیومنڈ چاہتا تھا، کہ جب تک شہر پر پوری طرح اس کا تسلط نہ ہو جائے وہ
 اٹاکیہ ہی میں قیام رکھے۔ ریمنڈ (ٹولو) کے دل میں بیومنڈ کی خوش قسمتی سے
 حسد پیدا ہوا، اس نے بھی اسی شہر پر دانت لگایا اور یروشلم جانے سے
 انکار کر دیا۔ اس نے ہر طرح یہ کوشش کی، کہ اٹاکیہ کے قرب و جوار ہی
 میں کہیں اپنے قدم جما کر بیومنڈ کو یہاں سے خارج کرے مگر سب کوششیں
 ناکام رہیں۔ بالآخر سب نے تاخیر و تعویق سے اکتا کر یہ اعلان کر دیا کہ
 اگر ریمنڈ اسی جھگڑے کو ختم کر کے انہیں آگے نہ لے چلیگا، تو وہ اٹاکیہ کو
 آگ لگا دینگے۔ ریمنڈ کو اب بادل نا خواستہ آگے بڑھنے پر راضی ہونا پڑا۔
 سرداروں کا
 مناقشہ
 لیکن ہر ہر قدم پر وہ رک جانے کا بہانہ ڈھونڈتا اور
 مختلف شہروں کا محاصرہ کرنے لگتا تھا۔ مجاہدین نصاریٰ
 اب انتظار کرتے کرتے عاجز آ گئے تھے، چنانچہ اپنے
 خیوں میں انہوں نے آگ لگا دی، اور یروشلم کی جانب مجنونانہ دوڑنا
 شروع کیا۔ فیصل شہر پر پہنچکر اسے محصور کر لیا، اور کئی ہفتوں کے
 محاصرے کے بعد ۱۱۹۹ء کو بالآخر اسے فتح کر لیا۔
 یروشلم پر قبضہ
 لیکن شہر فتح کرتے ہی یہ بحث چھڑ گئی کہ اس کا مستقبل کیا
 ہو۔ پارویوں کا یہ منشا تھا، کہ اسے ایک بطریق کے تحت میں دیکر
 ایک کلیسائی سلطنت قرار دیدینا چاہئے۔ سلاطین دھرا اس مطالبے کو
 کسی طرح منظور کرنے پر رضامند نہ تھے، لیکن ایسا بھی کوئی شخص نہیں ملتا
 تھا، جو اسے اپنے قبضے میں رکھنا منظور کرے۔ آخر کار مصالحت

یوں ہوئی کہ گاڈفری (بویلون) کو لد محافظ مزار مقدس کے لقب سے وہاں
گاڈفری کا حاکم مقرر کر دیا اس کے چند روز بعد نصاریٰ نے
 اپنے وطن کو واپس ہونا شروع کیا، اور یوں محاربہ اول کا
 خاتمہ ہوا۔ اس محاربے میں یورپ کو بے انتہا نفوس ضائع
 کرنے پڑے، اور حاصل گویا کچھ بھی نہ ہوا۔ بیوسنٹ،
 انطاکیہ پر بالڈن، اڈیسہ پر۔ گاڈفری یروشلم پر قابض

تھا، اور الیکزیس کے قبضے میں بھی تقریباً کل ایشیائے کوچک دوبارہ
اس جنگ آگیا تھا۔ لیکن مغرب کی نگاہ میں اس ہم کی اعلیٰ ترین
 و بہترین کامیابی مزار مقدس کا حصول تھا اور اس کے
 حصول میں جو کچھ بھی پیش آتا سب بجا تھا، واپسی پر
 ان مجاہدین کی ہر جگہ انتہا کی تعظیم و تکریم ہوتی تھی ان

کے افسانے سن سن کر لوگوں میں ایسا جوش پیدا ہوا کہ ایک دوسرے
 محاربے کی تیاری ہو گئی۔ چنانچہ سن ۱۱۷۷ء سے سن ۱۱۸۷ء تک لاکھوں
سن ۱۱۸۷ء کی جنگ آدمی ایشیائے کوچک کو گئے لیکن سب کے سب
 صلیبی ہلاک ہو گئے۔

شام کی عیسائی سلطنتیں قائم ہو گئی تھیں ان کی تاریخ
 ابتدا سے انتہا تک ایک سی نہیں ہے، اس تاریخ
جنگ و جدال کے اکثر باب اعلیٰ تہذیب سے گرے ہوئے ہیں
 ناپاسی و نا عاقبت اندیشی، رشک و حسد، سازش

و غداری، یہ تمام چیزیں ان کے نشو و نما میں سدراہ ہو رہی تھیں۔
 کبھی یہ سلطنتیں شہنشاہ سے برسر پیکار رہتی تھیں، اور کبھی خود آپس

میں لڑتیں ، اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا ، کہ خود مسیحی ، مسیحی کے خلاف مسلمانوں سے ملکر لڑتے تھے ۔

زنگی ، اڈیسہ موصل کے جمید امیر زنگی نے ممالک اسلام پر حکمرانی کی ہوس میں ملک گیری کی روش اختیار کی ۔ مسلمانوں میں اس نے اڈیسہ کو بے لیا ، اور بیت المقدس کی حالت کو بھی خطرے میں ڈال دیا یہاں تک کہ مسیحیوں نے آخر کو مغرب سے استعانت کی ۔ وہاں اڈیسہ کے ہاتھ سے نکل جانے کی خبر سے سخت اضطراب پیدا ہو گیا تھا لیکن اہل یورپ سرِ دست کچھ نہ کر سکے ۔

یورپ کا تفسیر ابن نے جب محاربہ اول کی عام صلا کی تھی ، اس وقت سے اب یورپ کی حالت بہت کچھ مختلف ہو گئی تھی ۔ ایک طرف پوپ کے انتخاب میں مناقشات تھے اور بعض پوپوں کی نااہلی سے پوپ کا اقتدار و اثر بہت گھٹ گیا تھا ۔ دوسری طرف تجارت کی وسعت کے ساتھ ساتھ پوپ کے تمول و ثروت میں بھی روز بروز کافی اضافہ ہو رہا تھا اور دولت لوگوں کے حالات و خیالات میں بڑا تغیر پیدا کر رہی تھی لوگوں کے ذہن میں سیاسیات نے خاص اہمیت حاصل کر لی تھی ۔ لوئس ششم فرانس میں شاہی قوت کو مستحکم کر رہا تھا ، راجر نے سسلی و جنوبی اٹلی کے صوبوں میں ایک سلطنت قائم کر لی تھی لمبارڈی کے شہر ثروت ، تمول و آزادی میں ترقی کر رہے تھے ۔ ایلارڈ کے نمونہ زندگی نے یورپ کے خیالات میں ایک بڑا تغیر پیدا کر دیا تھا لوگ جا بجا کلیسا و مذہب سے آزاد ہو کر بطور خود غور و فکر کرنے لگے تھے ۔ نقل کے بجائے عقل سے کام لینا شروع ہو گیا تھا

روس قانون کے مطالعے پر از سر نو توجہ ہو رہی تھی، شعرا عاشقانہ و زندان
مضامین پر طبع آزمائی کرنے لگے تھے، یورپ پر مدت سے رہبانیت کا
جوشہ چڑھا ہوا تھا، وہ بتدیج اُترتا جاتا تھا، اور لوگوں میں عقبی سے
بڑھ کر دنیا کے عیش و طرب کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔ آرلڈ (برسکیا)
رومہ میں پادریوں کی دولت، اور سیاسی معاملات میں ان کی مداخلت
کے خلاف وعظ کہہ رہا تھا۔ پوپ گرگوری ہفتم کے بلند مطالبات کسی
قدر دھیمے پڑ گئے تھے۔ پوپ یومین سوم کا بذاتِ خود کوئی اثر نہ تھا۔
اصلی اقتدار برنارڈ (کلیروا) کے ہاتھ میں تھا، جو پوپ کے ذیوی
اقتدار کا خواہاں نہیں تھا۔ اس کا خیال تھا کہ روحانی قیادت کے
لیے صرف روحانی وسائل کو کام میں لانا چاہئے۔

ان حالات میں جہاد ثانی کا سامان ہونا دشوار تھا۔ لیکن
برنارڈ (کلیروا) اپنی طاقتِ لسانی سے تمام دشواریوں پر غالب آ گیا۔
لوئس ہفتم (شاہِ فرانس) تو پہلے ہی سے جانے کے لیے آمادہ تھا، اب
کانریڈ ثالث (شاہِ جرمنی) نے بھی برنارڈ کی لسانی سے متاثر ہو کر حلف
اٹھا لیا۔ لیکن جرمنوں نے یونانیوں کو ان کے ملک میں سے گزرتے وقت
سخت نقصان پہنچایا، چنانچہ اس کے تدارک کے لیے خود مشرق کے
شہنشاہ کو ان فداٹیوں سے آویزش کرنا پڑی۔ فرانسیسی فوج نسبتاً محتاط
رہی۔ لیکن صورت حال کو زبوں تر بنانے کے لیے رابرٹ ثانی (شاہِ سسلی)
شہنشاہی پر حملہ کر رہا تھا، شہنشاہ گودل میں فداٹیوں کی طرف سے
اندیشہ مند تھا، تاہم اپنی ہوشیاری و زیرکی سے بغیر جنگ و جدال کئے
انہیں باسفورس کے عبور کر جانے دیا۔ لیکن ایشیائے کوچک میں پہنچکر

فرانس و جرمنی کی دونوں فوجوں کے ٹکڑے اڑ گئے۔ بھوک پیاس،
 تھکان سفر اور پھر مسلمانوں کے حملے نے صرف چند ہزار نفوس کو فلسطین تک
 دوسری جنگ پہنچنے دیا۔ یہاں پہنچکر انہوں نے یہ غلطی کی کہ زنگی
 صلیبی کی ناکامی کے مقابلے میں اپنی پوری قوت صرف کرنے کے بجائے
 دمشق کا محاصرہ شروع کر دیا، حالانکہ یہاں کا والی
 نصاریٰ کا دوست تھا اس دوسری جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 شام میں مسیحیوں کی حالت اور اتر و زبوں ہو گئی اور یورپ کو اس نتیجے پر
 اس دورہ حصہ آیا کہ عرصہ دراز تک مشرق میں کمک بھیجنے کی طرف
 کسی نے التفات نہ کی۔

صلاح الدین شامی عیسائیوں کی خوش قسمتی سے زنگی کا انتقال ہو گیا
 اور اس کی سلطنت منتشر ہو گئی۔ لیکن فلسطین کے
 مسیحیوں نے گزشتہ تجربوں سے مطلق فائدہ نہ اٹھایا۔
 سازش اور جوڑ توڑ، مکاری و بد عہدی کی گرم بازاری
 اور بڑھ گئی۔ یہ عادتیں انہیں روز بروز ضعیف و بدنام کرتی گئیں تا آنکہ
 صلاح الدین کو جو اس وقت تک مصر و ایشیائے مغربی کا تاجدار
 بن چکا تھا، مجبوراً ان کے مقابلے میں تلوار کھینچنا پڑی۔ وہ عرصہ دراز تک
 ضبط و صبر سے کام لیتا رہا تھا، لیکن آخر ان کی متواتر بد عہدیوں پر جملہ
 فریڈرک باربروسہ اٹھا، اور چند ہفتوں میں ان کے تمام قلعوں کو مسخر کر لیا
 اس کے یروشلم پر قابض ہو جانے سے مغرب میں سخت

حرکت پیدا ہوئی اور فرار وایان غلام خود شہنشاہ، فریڈرک باربروسہ، فلپ
 دوم (شاہ فرانس) اور رچرڈ اول (شاہ انگلستان) یروشلم کی واپسی کے لیے

جنگ پر آمادہ ہو گئے۔ فریڈرک باربروسہ، نہایت ہوشیاری، محنت و علمندی سے سامان درست کر کے ایک لاکھ قواعد داں و باضابطہ فوج اس کا انتقال کو لیکر ایشیا کو چمک کی طرف روانہ ہوا، لیکن ایک اسجون نے چڑھے ہوئے پہاڑی چستہ کو عبور کرتے وقت اس میں غرق ہو کر مر گیا۔ اور فوج بھی بے سردار ہو کر منتشر

ہو گئی۔ ان میں سے ایک بہت ہی قلیل خداداد شام تک پہنچی۔ **فلپ دوم**، **رچرڈ اول**، **فلپ** و **رچرڈ** کی فوجیں بھرتی راستے سے گئیں اور بچھا منزل مقصود تک پہنچ گئیں، لیکن خود ان دونوں بادشاہوں میں باہمی مناقشہ شروع ہو گیا جس سے فوج کی قوت گھٹ گئی۔ راستے میں رچرڈ نے قبرس کو فتح کر کے اسے ایک مسیحی سلطنت بنا دیا، جو عرصہ دراز تک مسلمانوں کے ملوں کی سردار رہی۔ قبل اس کے کہ یہ فوج شام پہنچے، وہاں کے مسیحی یہ غلطی کر چکے تھے، کہ غلے پر جو ساحل کا مستحکم قلعہ ہے، حملہ کر بیٹھے تھے۔ حالانکہ انہیں اس وقت اس کی خاص ضرورت نہ تھی، کیونکہ ان کے پاس متعدد بندرگاہیں موجود تھیں، بلکہ محاصرہ علیہ اس وقت ان کی ساری کوششوں کا مرکز یہ ہونا چاہیے تھا کہ صلاح الدین کو اندرون ملک سے ہٹائیں۔ اس

بندرگاہ پر قبضہ کرنے میں تیسری جنگ صلیبی کی قوت خراب ہوئی فلپ، تکہ کو فتح کر کے وطن واپس چلا گیا اور رچرڈ بھی کئی معرکوں میں داد شہامت دیکر اور کوئی مفید مقصد کامیابی حاصل کئے بغیر مراجعت کر گیا۔ عہد اڑیا ملک میں اس کا جہاز طوفان میں تباہ ہو گیا، وہ خود گرفتار ہو گیا، اور ایک بڑا فدیہ دینے کے بعد رہائی حاصل کر سکا۔ غرض تیسری جنگ بھی ناکام رہی کیونکہ

عکے کی تسخیر کسی طرح جان و مال کی اُن عظیم الشان قربانیوں کی تلافی نہیں کر سکتی تھی، جو اس مقصد کے لیے کی گئی تھیں۔

ہنری ششم | ہنری ششم کا جہاد اس کے اِس عظیم الشان منصوبے کا صرف ایک جزو تھا، کہ وہ سلطنتِ یونان و مشرق

پر قابض ہو جائے۔ ۱۱۹۷ء میں اس نے ساٹھ ہزار سپاہی شام میں بھیجے، لیکن اس کی مرگ ناگہانی نے فوج کو بے سر کر دیا، اور وہ بہت جلد منتشر ہو گئی۔

ان ناکامیوں نے اہل مغرب کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ ان کی بڑی بڑی فوجیں بغیر کچھ حاصل کیئے ہوئے مشرق میں ضائع ہو چکی تھیں۔ لاکھوں آدمی اب بھی جنگِ صلیبی کا حلف اٹھانے کو تیار تھے، لیکن اِس کے نبائے پر چند اشخاص بھی آمادہ نہ تھے۔ انوسنٹ سوم کی انتہائی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کل چند ہزار ناٹ کمر بستہ ہوئے، جو اِس اُمید پر وینس آئے، کہ یہاں کے جہازات کے بیڑے پر سفر کرینگے مگر جہازوں کا پورا کرایہ ادا کرنا اس کی بساط سے باہر تھا اِس کے لیے انہوں نے یہ معاہدہ کیا کہ قزاقوں کے شہر زارا پر جو ڈالمیشیا کے ساحل پر واقع تھا، اور جس سے وینس کی تجارت کو ہمیشہ نقصان پہنچتا رہتا تھا وینس والوں کی طرف سے حملہ کر دیں گے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۱۹۷ء میں حملہ آوروں نے زارا کو فتح کر لیا اور وینس والوں سے ایفاء عہد کا مطالبہ کیا ان فدائیوں کی خواہش یہ تھی کہ مصر میں پہنچکر اسلامی سلطنت کے سب سے اہم مرکز پر حملہ آور ہوں۔ لیکن وینس و مصر سے دوستی تھی اور وینس کو مصر سے بہت بڑا تجارتی فائدہ پہنچتا تھا۔ اِس لیے حاکم

وینس نے یہ چال کی، کہ ان لوگوں کو بجائے اہل مصر کے قسطنطنیہ والوں سے لڑادیا۔ اس سے اس کا مقصد اس شہر سے اپنا کینہ نکالنا تھا اور یہ بھی مد نظر تھا کہ مشرق میں زائد بندرگاہ اور تجارتی حقوق حاصل کرے۔ قسطنطنیہ اس وقت بحیرہ روم کا سب سے بڑا تجارتی شہر تھا۔ وینس کو اس کی اس فوقیت پر حسد تھا اور ان فدائیوں کی مدد سے وہ اسے نیچا دکھانا چاہتا تھا۔ فدائیوں کو خود مسلمانوں کی جنگ سے کچھ ایسی دلچسپی نہیں تھی۔ ان میں تو زیادہ تر ایسے ہی منچلے تھے جو محض لڑنے بھڑنے اور لوٹ مار کرنے نکلے تھے ان کو اُس سے کیا بحث تھی، کہ کس سے مقابلہ ہے، وہ اپنے نفع کو دیکھتے تھے۔ تخت قسطنطنیہ کے ایک جلاوطن شہنشاہ نے ان مجاہدوں کو اس شرط سے رقم کثیر دی کہ وہ اسے تخت واپس دلا دیں اور اس پر وینس والوں نے بھی شے دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پوپ غل ہی مچاتا رہا اور ان منچلے محاربین نے قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو کر اسے سخر کر لیا مگر جب شہنشاہ معزول کو انہوں نے از سر نو تخت نشین کیا تو اس نے انہیں جتنا دینے کو کہا تھا، نہ دے سکا۔ بالآخر باہم جنگ شروع ہو گئی اور اس مناقشے کا نتیجہ یہ ہوا کہ شہر آخت و تاراج ہوا، شہنشاہ خارج البلد ہوا، اور اس کے بجائے مغرب کا ایک شخص قسطنطنیہ میں تخت نشین کیا گیا۔ یہ سلطنت جسے لاطینی سلطنت کہتے ہیں ۱۲۶۱ء تک قائم رہی، یہاں تک کہ یونانیوں نے اس کا خاتمہ کر کے پھر ایک اپنے ہمعوم کو فرمانروا بنایا۔ اہل مشرق کی لاطینی سلطنت ۱۲۶۱ء وینس نے ۱۲۰۴ء کے مال نیمت میں بہت سے یونانی جزائر پر قبضہ کر لیا، کچھ حصہ اصل ملک

یونان کا بھی دبا لیا، اور قسطنطنیہ میں جہازوں کے ٹھہرانے کا مقام اور تجارتی حقوق حاصل کر لیے۔ اس وقت سے بحیرہ روم کے مشرقی حصے میں بھی یہ لوگ ایک بڑی حد تک ذخیل ہو گئے اور یورپ میں ان کا تجارتی تفوق سب پر غالب آ گیا۔

بچوں کی جنگ | قسطنطنیہ کے مقابلے کی اس مہم کے بعد جتنے محاربے ہوئے وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے ناقابل ذکر

ہیں۔ ان سب میں بچوں کا محاربہ نہایت عجیب و غریب واقع ہوا ہے۔ ۱۱۸۷ء کے موسم گرما میں چالیس ہزار بچے جرمنی میں فراہم کئے گئے اور کوہستان آپس کو طے کر کے یہ فوج سلطان اٹلی پہنچی۔ اموات، غبار اور گرفتاری سے ہزار ہا بچے راستے میں ضائع ہو گئے، اور برطانیہ سے صرف معدودے چند جہاز پر روانہ ہوئے، جن کی پھر کوئی خبر نہ معلوم ہوئی۔ فرانس کے بچوں کا عشر اس سے بھی بدتر ہوا۔ یہاں سے تیس ہزار بچے مارسیلز کو روانہ ہوئے مگر وہاں سے کل پانچ ہزار جہاز پر سوار ہوئے اور وہ سب کے سب دغا سے مسلمانوں کے ہاتھ بیچ ڈالے گئے۔

آخری محاربات | ۱۱۸۷ء میں ایک دوسرے محاربے کی کوشش کی گئی اور **محض بے حقیقت** | اس کا نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ڈاٹلیا منہر ہو گیا۔ لیکن عیسائی اس موقع سے فائدہ نہ اٹھا سکے اور چند ہی

روز کے بعد پھر یہ شہر ان کے ہاتھ سے نکل گیا،

اور ان کی فوج بالکل تباہ ہو گئی۔ ۱۲۲۸-۲۹ء میں فریڈرک دوم نے ایک محاربے کی سرکاری کی، لیکن اس کو جو کچھ کامیابیاں ہوئیں، وہ تلوار سے نہیں بلکہ حکمت عملی سے ہوئیں، ۱۲۳۹-۴۰ء میں ایک اور محاربہ شروع

ہوا مگر بے نتیجہ۔ مسلمانوں میں خود مسلمانوں ہی کی ایک جماعت نے ترکوں کے وحشی قبائل سے استمداد کی، جنہوں نے اگر اسلامی ایشیا کو روند ڈالا، فرات کے مغربی علاقوں کو خوب تاخت و تاراج کیا، بیت المقدس اور جنوبی شام کے تمام مسیحی شہروں پر قبضہ کر لیا، اور اس وقت سے بیت المقدس مستقل طور پر مسلمانوں کے پاس چلا گیا۔ یوشنم (شاہ فرانس) نے پھر بیت المقدس کو فتح کرنے کی کوششیں کیں، لیکن مصر میں کچھ فتوحات حاصل کرنے کے بعد بالآخر اس کی فوج تباہ ہو گئی اور وہ بے نیل مرام یہرپ کو واپس آ گیا۔ مسلمانوں نے تسخیر یوشنم کے لیے پھر نفا شروع کیا، لیکن اس شہر کے محاصرے ہی کے زمانہ میں اس کا انتقال ہو گیا۔

شام کو مسلمانوں شام میں مسیحی قوت کے خاتمے کا زمانہ جلد جلد قریب آنے دو بارہ آتا جاتا تھا ایک طرف ان کے فوجی راہب باہم برسرِ پیکار تھے، دوسری طرف اٹلی کی ریاستیں خانہ جنگی میں مصروف تھیں۔ ان کے مقابلے میں مسلمان اپنی فتوحات

کا سلسلہ برابر دانشمندی کے ساتھ بڑھاتے جا رہے تھے۔ ۱۲۶۱ء میں قیصریہ و آرسف پر ان کا قبضہ ہو گیا اور وہ تباہ کر دیئے گئے، سلسلہ میں عظیم الشان قلعہ سفید سلسلہ میں جافہ، اور آخر میں انطاکیہ مسخر ہو گیا، غرض اس طرح شمالی شام کا سارا علاقہ ایک ایک کر کے ان کے ہاتھ سے نکل گیا۔ یہ حال دیکھ کر گرگیری دہم نے پھر تمام یورپ میں جنگ کا وعظ شروع کیا، لیکن کسی نے اس دعوت پر لبیک نہ کہا۔ مسلمانوں کے اندرونی اختلافات سے کئی بار نصاریٰ کو دم لینے کا موقع مل گیا لیکن ان

کا ستارہ اب زوال میں آچکا تھا۔ ۱۲۸۹ء میں طرابلس ان کے ہاتھ سے نکل گیا، ۱۲۹۱ء میں غلے کا محاصرہ ہوا اور چند ماہ کی دلیرانہ مقاومت کے بعد اس پر قبضہ ہو گیا۔ اس طرح پورا شام نصاریوں کے ہاتھ سے منکمل کر مسلمانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔ سینٹ جان کے نابھوں نے بعض جزائر خصوصاً رودس میں اپنی حکومت قائم کر لی تھی جو تقریباً دو سو سال تک باقی رہی۔ قبرس ۱۲۸۹ء تک ایک لاطینی سلطنت بنا رہا، اس کے بعد وینس نے اس پر قبضہ کر کے اسے اپنی مملکت میں شامل کر لیا۔

مخاربات صلیبی کیوں بند ہوئے

گوسلیبی لڑائیوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا، لیکن ہنوز یہ تحریک مردہ نہیں ہوئی تھی۔ تیرہویں اور چودھویں صدی میں کتنے ہی پاپاؤں نے مسلمانوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی، اور فرانس کے اکثر بادشاہوں نے تو یہاں تک کیا کہ خود صلیب ہاتھ میں لیکر جنگ کی دعوت دی۔ لیکن ان تحریکات کا مقصد محض اس قدر ہوتا تھا، کہ ان کو کچھ جدید محصول وصول کرنے کا موقع مل جائے۔ لڑائیوں کے موقوف ہونے کے متعدد اسباب ہیں۔ سب سے بڑا سبب تو یہ ہے کہ وہ سب کی سب لا حاصل و ناکام رہیں۔ مشرق میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں، بے انتہا دولت تلف ہوئی اور حاصل کچھ کبھی نہ ہوا۔ یورپ اب ان سے بہ اعتقاد ہو کر دوسری جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اسپین میں تو البتہ مسلمانوں سے جنگ برابر جاری تھی، مگر جرمنی کی مشرقی سرحد پر اب جنگ بت پرست لٹ اور سلاف میں ہونے

لگی تھی۔ شہنشاہی کے اندر جو لمحہ تھے، ان کا شمار بھی اب کفار و شرکین کے برابر تھا، اور ان سے لڑنا ایسا ہی مقدس اور سزاوارِ انعام تھا جیسا مسلمانوں سے لڑنا۔ اس کے علاوہ قومیت کا اساس اب اس قدر قوی ہو چلا تھا، اور بین الاقوامی جھگڑے ایسے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے کہ ملک کی ساری قوتوں کا اندرون ملک ہی محفوظ رہنا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ایک اور طرح پر قوم کی مذہبی ضرورتیں بھی پوری ہو گئی تھیں۔ مغرب میں معبد گتھسمینس (Gethsemanes)

وایاڈالوروسا (Via Dolorosa) اور کیلویرس (Caluories) بنکر تیار ہو گئے تھے اور مقامات مقدسہ کی ان نقلوں نے بھی ایک حد تک اصل کی طرف سے بے نیاز کر دیا تھا۔ علاوہ ازیں مراعات مذہبی کی ترقی پذیر خرید و فروخت نے بھی اب نجات مذہبی حاصل کرنے کے لئے بیت المقدس کے طویل و پرخطر سفر کی ضرورت باقی نہیں رکھی تھی۔ یورپ کے مشاغل زندگی بڑھتے جا رہے تھے، اس کے اغراض پیچیدہ ہوتے جاتے تھے اور اس کے عمل کا میدان بے حد وسیع ہوتا جاتا تھا۔ پس اب ایسی فاصل قوتیں باقی نہیں رہی تھیں جو ان دور دراز مقامات کی اولوالعزمیوں میں ضائع کی جائیں۔

محاربات جس مقصد کے لئے ہوئے تھے ان کی ناکامی ایک بدیہی حقیقت ہے اور اس کے اسباب بھی تقریباً اسی قدر واضح ہیں۔ ناکامی کی زیادہ تر ذمہ داری خود محاربین کے طرزِ عمل پر ہے جو انہوں نے دورانِ سفر میں اور نیز مشرق میں پہنچکر اختیار کیا۔ ان کا نہ کوئی

نظام تھا، نہ کوئی اصول و ضابطہ تھا۔ صرف ایک بحیثیت تھی۔ سرداروں میں مطلق الہیت نہ تھی۔ ان کے سلاطین و اُمراء برابر آپس میں لڑتے رہتے تھے، اور ان کی شخصی حرص و آرز اور خصوصاً نارمن سلاطین کی ہونس پرستی انہیں خلوص سے کام ہی نہیں کرنے دیتی تھی۔ یونانی شہنشاہوں کے طرز عمل کا بھی، جو انہیں محاربین ہی کی وجہ سے مجبور ہو کر اختیار کرنا پڑا تھا مضر اثر پڑا۔ جرمن شہنشاہوں اور پاپاؤں کی باہمی مخالفت و رقابت بھی مضر رساں ثابت ہوئی۔ اطالوی شہروں پر بھی اس حیثیت سے ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے تجارتی اغراض میں اس درجہ محو تھے کہ مقاصد مذہبی کو ان پر قربان کر دیتے تھے، اور آخر میں سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس قدر وسیع خطے کو آباد کرنے اور اسلامی آبادی کو اپنے میں جذب کر لینے کی دشواری ایسی نہ تھی، کہ اس پر کوئی غالب آ سکے۔

محارب صلیبی کا اثر | یورپ پر ان محاربات صلیبی کے بالواسطہ و بلا واسطہ کثیر التعداد و مختلف النوع اثرات پڑے

ان کے سبب سے یورپ کے اقتدار میں اضافہ ہوتا رہا خاص کر ابتدائی سو برسوں میں۔ اربن دوم گویا سارے مسیحی یورپ کا پیشوا تھا، اور پہلی جنگ صلیبی کی ایسی عام پسند تحریک کی پیشوائی کے باعث عیسائی خلقت نے دل سے اس کی سرپرستی کو تسلیم کر لیا تھا۔ "افروہیت" کا دہود میں آنا یوں بھی یقینی تھا، لیکن محاربات صلیبی نے اس میں نظام و انضباط زیادہ پیدا کر دیا۔ فوجی فقر کا دہود تواتر انہیں محاربات کا نتیجہ

تھا فوجی راہبوں کے جرمن سلسلے نے بالٹک میں مشین پر جو فتوحات حاصل کیں وہ انہیں محاربات کا ایک بالواسطہ نتیجہ تھا اور نہایت اہم نتیجہ تھا۔

نظام جاگیرانہ | محاربات صلیبی، نظام جاگیر داری کے مٹانے میں بھی معین ہوئے۔ بیرن اکثر اپنے حقوق امتیازات، ارضیات و علاقے فروخت کر کے مصارف جنگ کے لئے زیر نقد فراہم کرنے لگے۔ قدیم امرا کے بجائے جدید امرا کے پیدا ہونے میں بھی یہ محاربات معین ہوئے۔ ان زمینداروں کی ادنیٰ طبقے کی رعیت چونکہ بڑی تعداد میں جنگ کو چلی گئی تھی، اور اس سے مزدوروں کی ضرورت بڑھ گئی تھی، اس لئے لامحالہ نیم غلاموں کو روزانہ اُبرت پانے والے مزدوروں کی سطح تک بلند کرنا پڑا۔ امرا کی طاقت کو گھٹا کر بادشاہوں کی طاقت کے بڑھانے کی کارروائی پر بھی ایک گونہ ان کا اثر پڑا ان محاربات نے نظام جاگیری کو بالکل مٹا تو نہیں دیا مگر اسے بہت کچھ کمزور کر دیا۔ چونکہ ان کے سبب سے مختلف اقوام کے اشخاص ایک جا جمع ہوئے، ہر قوم میں دوسری قوم سے اپنے امتیاز کا خیال پیدا ہو گیا، اور ہر قوم دوسری قوم سے نفرت کرنے لگی۔ اور یہی احساس قومیت کا پہلا زینہ ہے۔

تجارت | تجارت پر محاربات کے سب سے زیادہ اہم اثرات پڑے۔ یورپ و ایشیا کے درمیان ناثرین کی آمد و رفت کا انتظام چونکہ نہایت نفع بخش کام بن گیا تھا، اس لئے جہاز سازی و تجارت کو خاص فروغ ہوا، اور سیکڑوں نئی

اشیائے تجارت یورپ میں آگئیں۔ یورپ میں انواع و اقسام کی شرابی، شکر، ردی، ریشم، سوئی کپڑے، چادریں، ظروف گلی، شیشہ آلات، دوائیں، مسالا، عطر و تیل، رنگ، خرمے، اجناس و غلہ، لوبان، مصطلک وغیرہ صد ہا چیزوں کی ضرورتیں انہیں محاربات صلیبی سے پیدا ہوئیں اور انہیں محاربات نے انہیں مہیا کیا۔ یہ کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا کہ یورپ انہیں محاربات کی وجہ سے متمول ہو گیا۔ شہروں کو علی الخصوص اس تجارت سے نفع ہوا جس سے طبقہ اوسط کا وجود میں آنا بہت آسان ہو گیا۔ ان محاربات نے یورپ کی ادبیات میں بھی حرکت پیدا کر دی۔ ان محاربات سے متعلق بیسیوں تذکرے، تاریخیں، نظمیں تصنیف ہوئیں اور افسانے تو بیشمار شائع ہوئے۔ لا فرویت، کے متعلق جو مواد ہے اس کا بالواسطہ ماخذ انہیں محاربات کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی اثر سے سلیمان، ٹرائے و اسکندر اعظم کے افسانے بھی از سر نو زندہ ہوئے۔ لکائنہ میں قرآن شریف کا ترجمہ لاطینی میں ہوا۔ اور اسی زمانے میں پیرس میں السنہ مشرقیہ، عربی و آرمینی وغیرہ کی تعلیم کا ایک مدرسہ قائم ہوا۔

یورپ کے عام سرمایہ معلومات میں بھی ان محاربات سے خاص اضافہ ہوا۔ محاربین نے اثناء سفر میں بہت سے نئے نئے حیوانات سے واقفیت حاصل کی جس سے ان میں شوق و استعجاب پیدا ہوا اور ان کی اس لچکسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ زندہ عجائب خانہ قائم کر کے باغات میں یہ نئے نئے جانور جمع کئے گئے، بالخصوص سسلی و اطالیہ میں۔ اسی طرح بعض اہلی جانور بھی مثلاً خچر، گدھا، عربی گھوڑا وغیرہ اول اول انہیں محاربین کے ذریعے سے یورپ میں داخل ہوئے۔

عملی فنِ زراعت | نباتات و فنِ زراعت میں یورپ نے عربوں سے بہت کچھ سیکھا۔ آبپاشی کے بہترین طریقے یہیں سے حاصل ہوئے۔ ”لٹچ“ کی پن چکی عربوں ہی کا ایجاد ہے، جس سے مشرق میں غلہ پیسنے اور پانی بھرنے دونوں کے کام لئے جاتے تھے، یہاں تک کہ اہل صلیب اسے مشرق سے یورپ میں لائے، اور اس کے ساتھ بہت سے نئے نئے درخت اور مختلف قسم کے غلے بھی یورپ میں داخل ہوئے اور ان کی کاشت کے تجربے کئے گئے۔

ادویات و کیمیا | عربوں کے ہاں فنِ طب و کیمیا گویا ایک ہی میں شامل تھے۔ اس باب میں سمیوں نے ان سے

شربت، جلاب، اکسیر، کافور، سنا، ریونڈرٹینی، اور بیسیوں چیزیں حاصل کیں بیسیوں انگریزی کیمیائی اصطلاحیں مثلاً قلعہ آبِ نبق (Alambic) الکحل (Alcohol)، الکلی (Alkali)، بورہ (Borax)

مرہم (Amalgam) وغیرہ عربی الاصل ہیں۔ عربوں کو ریاضی و ہیت بھی جو کمال حاصل تھا، اس کا ذکر اوپر گزر چکا ہے، مسلمانوں اور مسیحیوں کے اتصال کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ علوم مغرب میں بھی پھیل گئے۔ مگر غالباً سب سے بڑا اور اہم اثر یہ پڑا کہ باہر سفر و سیاحت سے اور اپنے سے مختلف بہتر و اعلیٰ تر تمدن کے نظارے سے مسیحیوں کی نظر وسیع ہو گئی، اور ان کے خیالات میں سابق کی سی پستی نہیں باقی رہی۔ مغرب کا طرز معاشرت اس وقت تک بہت ہی غیر تمدن تھا۔ مکانات میں سامان آرائش و آسائش اور تکلفات کا تو کیا ذکر ہے، جو چیزیں اب ضروریات میں داخل تھیں وہ بھی

بہ شکل ہی موجود ہوتی تھیں۔ مگر اہل مغرب جن کے تجربے نہایت محدود تھے جب جنگِ صلیبی پر روانہ ہوئے تو ان کی آنکھیں کھلیں اور انہیں تمدن و معاشرت کے تنوعات و تکلفات، نئے موسم، نئی قدرتی پیداوار، عجیب و غریب لباس، مکانات و رسم و رواج نظر آئے اور نہ صرف نئے خوش سواد مناظر فطرت بلکہ آسمان و زمین تک مختلف نظر آئے مکانوں کے اندر آرام و آسائش کی بہت سی نئی چیزیں دیکھنے میں آئیں۔ اہل مغرب کی جغرافیہ دانی بہت ہی محدود تھی، عباراتِ صلیبی نے نئے نئے مقامات دکھا کر ان کی نظر میں دست پیدا کی جس سے جغرافیہ کے مطالعے کا ایک نیا ذوق شوق پیدا ہو گیا۔ بحیرہ روم، اور ایشیا و افریقہ کا بہت سا حصہ ان کے علم میں آیا۔ اس سے دلوں میں شوقِ سیاحت پیدا ہوا، اور کچھ تو اس شوقِ سیاحت سے اور کچھ تجارتی اغراض سے انہوں نے اب دور دراز کے سفر اختیار کئے۔ قرونِ وسطیٰ کا ایک نہایت مشہور سیاح مارکو پولو ہوائے جو وسط ایشیا کو طے کرتا ہوا اور ان خطوں کی تمام قوموں سے ملتا ہوا بحر الکاہل کے کنارے تک پہنچ گیا۔ تقریباً اسی قدر مشہور بعض اور سیاح مثلاً انڈریو آف لانگ، جیو سومی وغیرہ ہوئے ہیں۔ ان کے سفرنامے شائع ہو کر خوب مقبول ہوئے اور ان کی بنا پر سفر و سیاحت کی تھریکس میں اور اضافہ ہوا۔ اس معاملے میں محارباتِ صلیبی کے اثر کے متعلق جو کچھ بھی کہا جائے اس میں مبالغہ کو دخل نہیں ہوگا۔ یہ جو کچھ ہوا، سب محارباتِ صلیبی کے طفیل میں ہوا، اور اگر یہ نہ واقع ہوئے ہوتے تو نشاۃ ثانیہ کی شکل بھی یہ نہ ہوتی۔

باب (۱۳)

شہروں کا نشوونما

دو شہنشاہی | دسویں صدی عیسوی تک شہنشاہی روما کے
 میں شہروں | شہروں کی تاریخ نا معلوم سی ہے۔ گال میں
 کی حالت۔ | قلعے تو بہت سے تھے، لیکن ان شہروں کی تعداد
 بھی سو سے اوپر تھی، جن میں رومیوں کا بلدی

طرز حکومت جاری تھا۔ چوتھی صدی میں شہنشاہی مطالبات کی
 سختی کے باعث ان سب کی حالت نازک ہو رہی تھی۔
 وحشیوں کی یورش کے زمانہ میں اور اس کے بعد شہروں کی
 عمارت حکومت آس پاس کے کسی اسقف یا رئیس کے ہاتھ میں
 چلی جاتی تھی اور بعض دفعہ اختیارات کی تقسیم ہو جاتی تھی۔ یعنی
 شہر کا ایک حصہ اسقف کے قبضے میں رہتا تھا، اور دوسرا
 رئیس کے ہاتھ میں۔ کارل اعظم نے اس طرز حکومت میں یوں
 کارل اعظم اور نظام | نظم و انضباط پیدا کیا کہ ہر شہر پر ایک ایک
 کاؤٹی (ضلع) | عہدہ دار کو کاؤنٹ کے نام سے حاکم مقرر کر دیا۔

یہ کاؤنٹ خواہ اسقف ہوں، یا عام اشخاص ہوں، ہر حال میں وہ اپنی حکومت کے ذمہ دار تھے۔ وہ شہروں پر شہنشاہ کے نام سے حکومت کرتے تھے۔ لیکن اس زمانے کے بعد جب شہنشاہی میں اختلال پیدا ہوا، اور نظام جاگیرداری قائم ہونے لگا تو ان کاؤنٹوں نے شہروں پر اپنی جاگیرانہ ملکیت قائم کر لی، اور اس طرح ہر شہر ایک جاگیر اور ہر کاؤنٹ ایک جاگیردار بن گیا۔ **بعض شہروں کا** جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے جرمن عموماً دیہاتوں میں قائم ہوتا۔ رہتے تھے۔ کارل اعظم کے زمانے تک گال و جرمنی کے باشندوں کی تعداد کثیر دیہات ہی میں

رہتی تھی۔ ملک کی بد امنی اور علی الخصوص اہل شمال اور ہیون کے حملوں نے لوگوں کو اس امر پر مجبور کر دیا، کہ لوگ ملکہ دیواروں کا حصار بنا کر رہیں۔ اور اس طرح رفتہ رفتہ شہر وجود میں آ گئے۔ خانقاہوں اور محلات کے جوار میں بھی بہت سے شہر بس گئے۔ ان کی ابتدا بے شبہ بہت ہی مختصر تھی، لیکن مدیجاً ان میں ترقی ہوتی رہی۔ ان کا تعلق موجود الوقت نظام جاگیرداری سے بھی ہو گیا اور ان پر جاگیردار حاکم ہو گئے۔

شہر کے رہنے سیلان زمانہ کے اقتضا سے باشندگان شہر سے والونکی آزادی ان کی پوری آزادی سلب ہو گئی تھی۔ اب یہ لوگ نہ پوری طرح آزاد تھے، نہ بالکل غلام تھے، بلکہ اپنے حاکم کے اختیار و تصرف میں سمجھے جاتے تھے، پس علی طو پر ان کی حالت نیم غلاموں سے کچھ

زیادہ مختلف نہیں تھی۔ ان لوگوں کو شخصی یا سیاسی کسی قسم کی بھی آزادی حاصل نہیں تھی، اس لئے کہ حکومت میں ان کا مطلقاً دخل نہ تھا۔ ان کا آقا خود ہی تمام آمدنی وصول کرتا تھا، ان کے اوپر عامل و کارندے مقرر کرتا تھا، انتظام قائم رکھتا تھا۔ مجرموں کو سزا دیتا تھا، غرض یہ کہ اسی کی ذات میں حکومت کے تمام اختیارات و فرائض جمع تھے۔ اہل شہر ہرات میں زمیندار کے دست نگر و محتاج تھے۔ جب تک شہروں کی چھوٹی چھوٹی بستیاں رہیں، اور شہر کی بود و باش میں ترقی نہیں ہوئی اس وقت تک اس کیفیت کا قائم رہنا چنداں مستبعد نہیں تھا، لیکن جب شہروں نے وسعت و دولت و قوت حاصل کر لی، تو پھر یہ خیال بھی نہیں آسکتا کہ یہ کیفیت برقرار رہ سکتی تھی۔ اب یہ یقینی تھا، کہ باشندگان شہر پہلے حریت شخصی اور پھر حقوق سیاسی یعنی حکومت خود اختیاری کے لئے جدوجہد کریں گے۔

انجمن (گلد) | آئندہ زمانے کی مجالس عوام کی بنا اول اول
گلد (انجمن) سے پڑی۔ جو اشخاص اپنے اغراض

و مقاصد مشترک رکھتے تھے، انہوں نے خفیہ طور پر اپنی اپنی ایک انجمن قائم کر لی۔ ابتداءً ہر شہر اور ہر حرفے والوں کی الگ الگ انجمن تھی، لیکن آگے چلکر عام اغراض کے لئے کئی کئی انجمنیں ایک دوسرے سے مل گئیں۔

حرفت و تجارت | گیارہویں اور بارہویں صدی میں مجالس عوام الناس کی تجدید نے جو پہل پیدا کی، اس کا اصلی سبب یہ تھا کہ

تجارت و صنعت و حرفت میں اب از سر نو ترقی ہونے لگی تھی، اور اس لئے ثروت میں کافی اضافہ ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس تحریک کے مقدمہ الجیمش ارباب تجارت ہی تھے اور اس خروج کی اشاعت بھی تاجرانہ راستوں ہی میں ہوئی۔ دسویں صدی میں خانگی جنگوں کو روکنے اور امن قائم کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں۔ نظام جاگیر داری کے رسم و رواج زیادہ معینہ صورت میں آگئے تھے اور ایک حد تک امن بھی قائم ہونے لگا تھا۔ اسی سے تجارت کو بھی ایک بڑی حد تک فروغ دیدہ حاصل ہوا تھا جب تک متمول و با ثروت تجارت پریشہ اصحاب نہ پیدا ہوئے تھے اس وقت تک زمینداروں کے سخت مطالبات کے خلاف میں کسی نے بھی صدا بلند نہ کی، مگر جب ایسے با اثر و ذمی ثروت انشخاص کثرت سے پیدا ہو گئے، جو زمینداروں سے اچھی طرح مقابلہ کرنے کی قوت و استطاعت رکھتے تھے، تو بغاوت کی ہوا چل گئی، ان صاحبانِ دولت نے گویا ایک طرح کی حکومت اعیانی بنالی تھی اور آگے چلکر جو جدوجہد شروع ہوئی اس میں وہ نہ صرف باشعور گاہن شہر کی حریت شخصی کے بلکہ اکثر حالتوں میں حقوق سیاسی کے حصول میں بھی کامیاب ہوئے۔

فرانس کے اٹلی میں (جیسا کہ اوپر ذکر چکا ہے) شہروں نے شہنشاہ و پاپا دونوں کی ماتحتی سے آزادی حاصل جمہوری حکومت کر کے اپنی مستقل جمہوری حکومتیں قائم کر لی تھیں، لیکن فرانس میں یہ تحریک اس حد تک نہ چل سکی۔

یہاں آزادانہ جمہوریت ایک شہر کو بھی نصیب نہ ہو سکی۔ خود مختاری تو کیا، یہاں کے شہر زمینداروں کے پنجے استبداد سے بھی کامل نجات نہ پاسکے۔ بلکہ جن شہروں نے سیاسی آزادی و حکومت خود اختیاری کے انتہائی و آخری مراتب طے کر لئے تھے، وہ بھی کسی نہ کسی صورت میں اپنے زمینداروں کے حق مالکانہ کو تسلیم کرتے تھے۔

آزادی زور سے جب شہریوں نے اول اول اپنے مطالبات سے پیش کئے تو زمینداروں کے ذہن میں ان کی مخالفت کے سوا اور کوئی خیال نہیں آیا اور ایسے مطالبات سے، جن کا مقصد ان کے اقتدار و ارتفاع

کو کم کرنا ہو، ان کا انکار کرنا بالکل طبعی امر تھا لیکن زمینداروں کے انکار کا جواب اہل شہر کی طرف سے عموماً زبانِ شمشیر سے دیا گیا، اور اس معرکہ آرائی میں کامیابی اکثر اہل شہر ہی کے ہاتھ رہی مگر بعض زمیندار جن پر حُب زر غالب تھی انہیں اس تحریک میں اپنی جیبیں بھرنے کا اچھا موقع نظر آیا اور انہوں نے بجائے مجادلے و مقابلے کے، اہل شہر کے مطالبات کو بہ قیمت فروخت کرنا شروع کر دیا یعنی وہ رعیت سے روپیہ لیکر اس کے معاوضے میں انہیں وہ حقوق عطا کر دیتے تھے، جن کا مطالبہ ہوتا تھا، اور اس طرح بعض امرا کو آئندہ جنگ صلیبی کے لئے ساز و سامان بہم پہنچانے میں بڑی مدد ملی۔ چونکہ حصول مطالبات کے بعد شہروں کی آبادی و ثروت بہت جلد بڑھ جاتی تھی اس لئے ایسے زمینداروں کی مجموعی آمدنی میں آئندہ نقصان کے

بہلئے توفیر ہی ہوتی رہتی تھی۔ پس بعد میں زمینداروں نے خود اپنے نفع کے خیال سے ان مطالبات کو باسانی منظور کرنا شروع کر دیا۔

صنف اول | فرانس کے شہروں کو ان کے مدایج حریت کے لحاظ سے تین صنفوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ صنف اول میں وہ شہر شامل ہیں جن کے باشندوں کو صرف شخصی آزادی سے زیادہ کچھ حاصل نہیں ہوا اور بعض مطالبات جاگیر میں تخفیف ہو گئی۔ زمیندار کا کارندہ ان پر بدستور حکومت کرتا تھا، اور انہیں اپنے عہدہ داروں کے انتخاب یا اپنے انتظامی معاملات میں مطلق دخل نہ تھا۔ اس قسم کے شہر صوبجات نارمنڈی و بریٹنی میں خاصکر زیادہ تھے، یہ قصبات باشندگان (Villes de bourgeoisie) کہلاتے تھے۔

صنف دوم | دوسری صنف کے شہر، جو زیادہ تر جنوبی فرانس کا نسلی شہر میں واقع تھے، وہ تھے جنہوں نے بجز عدالتی فرانس کے اور ہر حیثیت سے اپنے معاملات کو انجام دینے کا حق حاصل کر لیا تھا۔ عدالتیں بدستور زمینداروں کے تحت میں تھیں۔ اطالوی شہروں کے نمونے پر انہوں نے کانسلی طرز حکومت اختیار کیا۔ ان کے کانسل (عادل) کو خود ساری رعایا یا انجمنیں، منتخب کرتی تھیں، اور زمینداران کے تقرر کی تصدیق کرتا تھا۔ یہ عادل اپنے انتظام کے لئے زمیندار کے ذمہ دار ہوتے تھے، اسی کے سامنے رپوٹیں پیش کیا کرتے تھے۔

شہر کی چہرہ | علامت حریت کی طور پر ہر شہر اپنی ایک چہرہ رکھتا تھا، جو تمام سرکاری کاغذات پر ثبت ہوتی اور گنجیاں

تھی ، لیکن زمیندار اپنے اقتدار کی نشانی کے طور پر شہر کی کنجیاں اپنے پاس رکھتا تھا۔ تیسری قسم کے شہر حقیقتہً مجلس عوام الناس کی خود مختاری کے منظر تھے۔ ان پر زمیندار کے اقتدار کا اظہار دو طرح پر ہوتا تھا۔ شہر اس کے بعض مطالبات و ادائے رقوم کے ذمہ دار تھے، اور مقدمات میں مرافعہ سننے کا حق اسے حاصل ہوتا تھا ، لیکن شہر کے اندونی معاملات و انتظامات میں اسے کوئی دخل نہ تھا ، اور نہ عال شہر اس کے ذمہ دار ہوتے تھے۔ انتظام شہر کا سرگروہ ایک میر (صدر بلدہ) ہوتا تھا اور اس کی مدد کے لئے ایک کونسل رہتی تھی۔

صنف سوم
مجلس عوام الناس
کے ماتحت
شہر۔

مجلس عوام کی عموماً ان خود مختار شہروں میں اختیارات ساری آبادی کو رکنیت کا حصہ نہیں حاصل ہوتے تھے گوچند شہروں میں ایسا بھی تھا کہ تمام باشندے مجلس عوام الناس کے رکن ہوتے تھے لیکن بالعموم یہ ہوتا تھا کہ سیاسی اختیارات صرف ایک یا چند انجمنوں کے ہاتھ میں رہتے تھے۔ پس اس بنا پر ان خود مختار شہروں کو جمہوریت کہنا صحیح نہیں بلکہ ان کا طرز حکومت اترانی یا اعیانی تھا یعنی ایک محدود جماعت حکمران تھی جو جوں یہ شہر ثروت و اقتدار میں ترقی کرتے گئے اور ان کی رکنیت کا اعزاز بڑھتا گیا ، طبقہ حکمران میں داخل ہونے کا دائرہ اور زیادہ تنگ ہوتا گیا ، اور اس کی اعیانی یا اترانی حیثیت کی خصوصیت زیادہ نمایاں ہوتی گئی۔

ان شہروں نے گو حکومت خود اختیاری حاصل کر لی تھی، لیکن انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ اسے برقرار کیونکر رکھا جائے۔ آپس میں نفاق و شقاق شروع ہوا، اور ارکان حکومت سر بازار ایک دوسرے کی فضیحت کرنے لگے۔ سیاسی مشکلات کے علاوہ مورعہء معاشرت میں بھی جھگڑے پیدا ہونے لگے۔ طبقہ ادنیٰ اعلیٰ سے اور غربا اُمرائے دست و گریباں ہونے لگے۔ شہر کے حکام عموماً سخت جاہل ہوتے تھے، اور جن لوگوں کا تعلق حکمران انجمنوں سے نہیں تھا، ان پر ظالمانہ تشدد و سخت گیری ہوتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان لوگوں نے بھی اپنی اپنی جمیعتیں قائم کرنا شروع کر دیں، اور کہیں کہیں انہیں بھی مجلس حکومت میں اپنے ارکان شامل کرنے میں کامیابی ہو گئی یہ لوگ داخلے میں ناکام بھی رہتے، تو بھی شہر میں شورش و ہنگامہ ضرور برپا کر دیتے، اور ایسی صورت میں کسی بیرونی شخص کو قیام امن کے لئے دست اندازی کرنا پڑتی اور وہ شخص بالعموم بادشاہ ہوتا تھا، دوسرا سبب بدظمیوں کا یہ ہوا کہ شہر کا مالی نظم و نسق سخت ابتر حالت میں تھا۔ حکام علی العموم خائن اور رشوت خوار تھے، اور اس قسم کے ملزموں سے بانہ پرس بھی ناممکن تھی کیونکہ عام قوم کے سامنے اپنی کاروائیوں کے متعلق کسی قسم کی باز پرس کا انہیں انکار تھا۔ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ انہوں نے جب آپس میں ایک دوسرے کو اپنی کاروائیوں سے آگاہ کر دیا تو ان کا فرض ادا ہو گیا، اس صورت حال میں یہ کوئی تعجب نہیں کہ اکثر شہروں کا دیوالہ نکل گیا۔ حکومت کے

مخارج، خیانت و بددیانتی سے حاصل کی ہوئی رقموں کو بھی ملا کر مداخل سے کہیں زیادہ ہو جاتے تھے۔

بادشاہ و کیمون | یہ دو چیزیں، یعنی خود مختار شہروں کا دیوالیہ ہو جانا اور بد امنی، تباہی کا اصل باعث ہوئیں۔ شاہانِ فرانس اب ہمہ تن اس سعی میں مصروف تھے، کہ تمام اقتدار خود اپنے ہاتھ میں کر لیں اور انکی اس جذب مرکزیت کی رفتار روز بروز زیادہ تیز ہوتی جاتی تھی۔ اُمرا بتدریج ملحق ہوتے جاتے تھے، اور خود مختار شہر جس طرزِ عمل کے ہدف بنائے گئے تھے، ایک نہ ایک دن ان کا خاتمہ ہوتا تھا، شاہی اہلکارانِ خزانہ ان کے مالی معاملات میں برابر مداخلت کرتے رہتے تھے، اور بد انتظامی کی سزا یہ دیتے تھے کہ ان کا فشار ضبط کر لیتے اور ان کے حق خود مختاری کو سلب کر لیتے تھے۔ اور آزاد شہروں کے عدالتی اختیارات کو بھی ہر طرح پر محدود کیا جاتا تھا۔ چنانچہ پارلیمنٹ نے، جسے فرانس میں عدالتی اختیارات حاصل تھے، مقامی عدالتوں کی قوت کو اس ترکیب سے توڑنا چاہا، کہ ایسے مقدمات کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ کر دیا، جو صرف بادشاہ یا عمال شاہی کے سامنے پیش ہو سکتے تھے۔ بادشاہ یا پارلیمنٹ کا مقصد یہ تھا کہ ملک میں شاہی عدالت کا اقتدار قائم ہو۔ مرکزی حکومت نے آزاد شہروں کے ٹیکس بھی بڑھا دیے۔ بادشاہ کا اقتدار جوں بڑھتا ہوا، اُس قدر ان آزاد شہروں کے معاملات میں اس کی مداخلت بھی بڑھتی گئی اب اس نے ان کے انتخابات کی نگرانی، اور ان کے عمال و حکام کا معائنہ بھی

اپنے ہاتھ میں لے لیا، جس شہر نے اطاعت سے انکار کیا یا ذرا بھی اس کی مرضی کے خلاف کیا، اس پر اس نے سخت جبرانہ کیا، اور مختلف طریقوں پر اس نے انکا زور توڑنے کی کوشش کی۔ چنانچہ بالآخر اس نے انھیں مجبور کیا، کہ اپنے منشور خود مختاری سے اپنی اپنے حقوق و حریت سیاسی سے دست بردار ہو جائیں۔ اس شاہی طرز عمل کی بنیاد لوٹس نہم (۱۷۹۷ء تا ۱۸۰۶ء) کے زمانے سے پڑی۔ فلپ چہارم (۱۸۰۵ء تا ۱۸۱۵ء) کے عہد میں ضبطیوں کی تعداد ہر گز یہاں تک کہ مسئلہ میں یہ آزاد شہر اپنی آزادی کو کھو کر تاجر شاہی تسلط و تصرف میں آ گئے، اور معدوم ہو گئے۔

جرمن شہروں نے جن طریقوں سے آزادی حاصل کی، ان کی داستان نہایت ہی پیچیدہ و مختلف النوع ہے۔ ۱۷۵۲ء سے ۱۷۶۳ء تک کے وقفہ شاہی کے قبل تک انہوں نے صرف یہ کیا تھا کہ اُمرا کو تشخص ٹیکس کے جو نامحدود اختیارات حاصل تھے، ان کی ایک گونہ تجدید کرائی تھی، لیکن اس زمانے میں اور اس کے بعد جبکہ شہنشاہی قوت بالکل مضاعف ہو چکی تھی، انہوں نے جلد جلد بندشوں کو توڑنا شروع کیا تاکہ بالآخر کامل حریت سیاسی حاصل کر لی۔

شہر اور ان کی جرمنی کے شہر دو طرح کے تھے۔ ایک تو شہنشاہی حکومت شہر تھے جو صرف شہنشاہ کے تابع تھے، دوسرے وہ، جو دالیان ملک کے تحت میں تھے۔ اختیار و

اقتدار صرف چند متمول و قدیم خاندانوں کے ہاتھ میں تھا۔ انھیں میں سے، عامل شہر اور اس کی مجلس شوریٰ کے ارکان منتخب ہوتے تھے

اور انھیں دونوں سے ملکر جماعت حکمران بنتی تھی۔ تجارت پیشہ آبادی نے اپنی روز افزوں ترقی کی وجہ سے اپنی الگ الگ ٹولیاں قائم کیں، اور جب انھیں اپنی قوت کا احساس ہوا تو تیرھویں صدی کے آخر میں حکومت میں حصہ لینے کی تمنائیں بھی ان کے دلوں میں موجزن ہوئیں۔

اہل سویڈیا کی
لیگ
۱۳۴۳ء

شہروں اور ان کی تجارت کا دار مدار اس پر تھا، کہ ملک میں امن و نظم قائم رہے اور چونکہ شہنشاہی حکومت خود کمزور تھی اس لئے ان شہروں نے اپنے تحفظ کے لئے باہم خود ایک کر لیا۔ ۱۲۵۷ء میں نیشی

رائن کے شہروں نے محافظت باہمی کے لئے اتحاد کیا۔ ۱۳۳۷ء میں جنوبی اور جنوب و غربی جرمنی کے اضلاع نے مشہور لیگ سوائی قائم کی۔ والیان ملک نے اس کی آئندہ قوت سے خائف ہو کر (۱۳۸۶ء) میں

بہ مقام ویٹنگن اس پر حملہ کیا اور فتح پائی۔ شہروں کو آئندہ اس قسم کی انجمنوں کے قیام کی ممانعت کر دی گئی، اور والیان ملک پہ سمجھے کہ انہوں نے دشمن کو فنا کر دیا۔ لیکن کچھ روز کے بعد شہر پھر ابھرے،

ہینس لیگ اور اپنی گم شدہ قوت پھر حاصل کر لی۔ اب ان لیگوں میں سب سے بڑی لیگ ہینس کی تھی،

جس کے حدود عمل میں صوبجات ہالک کے تمام شہر داخل تھے، اور شاخیں تو اس کی اور دور دور کے ملکوں تک میں تھیں، تیرھویں صدی میں معمولی سی ابتدا سے ہینس لیگ برابر بڑھتی رہی، تا آنکہ تقریباً پچاس شہر اس کے تصرف میں آ گئے۔ تجارت پر اس نے اپنا قبضہ بٹھا دیا اور گویا سارے شمالی و غربی یورپ پر اس کی حکومت

چھا گئی۔ اس ایک کا شلب مسئلہ سے منسلک تھا رہا۔

ہینس کا زوال	اس کا زوال ان اسباب سے ہوا، کہ تجارت اور تجارت کے راستوں میں تبدیلی ہو گئی، اور نئے نئے دریائی راستے معلوم ہو گئے۔ ہینس کے بعض
--------------	--

زیر اثر شہر بدستور مذہب کیتھولک کے کیچے رہے، لیکن بعض نے لوتھر کا مذہب اختیار کر لیا، اور اصلاح کے متعلق جو مذہبی جنگ شروع ہوئی اس میں وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کے خلاف جنگ و جدال کرنے لگے اور جوں جوں ان ممالک کی حکومتیں جن میں یہ شہر واقع تھے زبردست قوی ہوتی گئیں، ان شہروں کا بیرونی اتحاد کمزور پڑتا گیا، ان کی آزادی و خود مختاری جاتی رہی، اور ہر شہر خود اپنے ملک کی حکومت میں جذب ہو گیا۔

باب (۱۴)

اٹلی، چارلس ہشتم کے حملے کے وقت تک

(۱۴۹۴ء)

ازمنہ وسطیٰ میں اٹلی میں اس قدر مختلف نسلیں آباد تھیں، کہ قرون وسطیٰ میں ان کا متحد ہونا ممکن نہ تھا۔ اس جزیرہ نما میں کچھ تو وہ لوگ تھے جن پر پوری طرح رومن تمدن کا رنگ چڑھ چکا تھا، ان کے علاوہ جنوب کے یونانی، اڈویکر کے جرمن، مشرقی گوٹھ، لومبارڈ، عرب، نارمن،

وغیرہ سب ہی وہاں موجود تھے، اور ان میں سے ہر قوم ساری اٹلی کو اپنے تصرف میں لانے کے لئے دوسری قوموں سے برسرِ پیکار رہتی تھی۔ ادھر سیاسی اعزاز کیلئے ان کے زبردست رقیب پوپ و شہنشاہ تھے، انہیں دونوں کی معرکہ آرائیوں سے شہروں کو یہ موقع مل گیا کہ حکام شہنشاہی کو معزول کر کے اس طرز کی مقامی آزادانہ حکومت قائم کریں جیسی سابق کے باب میں کمیون کی حکومت مذکور ہو چکی ہے۔

شہروں نے فریڈرک اول نٹان شہروں کو بھر اپنا مطیع کرنا چاہا، لیکن لیگ لمبارڈ اور پاپا کے سامنے اس کی حاصل کر لیا اور نہ چل سکی۔ جنگ لگنا تو (۱۱۸۷ء) اور معاہدہ کامیابی سے شہنشاہ کا حاصل ہو گئی، جس کا وہ مطالبہ کر رہے تھے، اور شہنشاہی حکومت صرف برائے نام رہ گئی۔ مقابلہ کیا۔

فریڈرک دوم کی وفات کے بعد پھر بہت کم کسی شہنشاہ نے اٹلی پر حکومت بٹھانے کی کوشش کی۔

شہروں کے شہروں نے اگرچہ آزادی حاصل کر لی تھی، لیکن اندر و باہر کے اس سے یہ ذمہ داری نہیں ہو سکتی تھی کہ نظم و امن بھی قائم رہیگا، چنانچہ مناقشات باہمی کا جھگڑے۔ سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔ صرف حکمران گلڈ

(انجن) کے افراد کا نظام حکومت میں دخل تھا اور فریقانہ امتیازات شورش و فساد کی بہت بڑی بناتھے۔ امرائے کبار و صغار، اور متمول تجار عام کاروباری حلقوں کے حقوق کو پامال کر کے ساری حکومت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہتے تھے۔ امرائی پودسٹا رعونت و محبت جاہ کے نتائج شارع عام پر معرکہ آرائیوں کی صورت میں ظاہر ہونے لگے۔

اس صورت حال کو دیکھ کر نٹالڈ کے قریب شہروں نے اپنے اپنے لئے حاکم منتخب کرنے شروع کئے جنہیں پودسٹا (Podesta) کہتے تھے۔ اور ساتھ ہی ادنیٰ طبقوں نے بھی حکمرانی میں حصہ لینے کے

لئے جدوجہد شروع کر دی۔ انہوں نے اپنی اپنی گلڈ (انجمن) قائم کی اور اپنی ایک خاص کمیون کے تحت میں متحد ہو گئے اور امر مطلق کے جوڑ پر اپنا ایک ”سردار“ منتخب کیا۔ اس سے مختلف فریق قائم ہو گئے اور باہم خونریزی ہونے لگی۔ ذی امتیاز طبقوں نے شہنشاہ سے استعانت کی، ان کا فرقہ گیبسیلائن (حامیان شہنشاہ) کہلایا عوام پوپ کے شریک ہو گئے، اور گلف گیبسیلائن (حامیان پوپ) کے لقب سے موسوم ہوئے۔

تیرھویں صدی ساری کی ساری انھیں خانہ جنگیوں میں گزر گئی اور خاتمہ اس پر ہوا کہ شہر اپنی جمہوریت کھو بیٹھے، اور پھر اہل استبداد کے پنجے میں آ گئے۔

نسلانہ کے قریب سیاسی حیثیت سے اٹلی کی حالت کم و بیش حسب ذیل تھی۔

پیدمانٹ میں قدیم نظام جاگیر داری بدستور قائم تھا، اور متعدد بیرن جن میں سیلواے کے کاؤنٹ (موجودہ شاہانِ اٹلی کے اسلاف) بھی شامل تھے، حصول اقتدار کے لئے باہم نبرد آزما تھے۔

لومبارڈی میں ہر شہر پر مطلق العنان حکمرانوں کا قبضہ تھا، یعنی میلان پر خاندان وِسکونٹی کا، ویردنا پر خاندان اسکیلیگیر کا، پیڈوا پر خاندان کریرلیسی کا، مینٹوا پر خاندان گونزاگی کا، فیروارا پر خاندان اسٹینسی کا تسلط تھا۔ میسینی میں ہر شہر دوسرے سے خانہ جنگی میں مبتلا تھا، مگر اس کا حشر وہی ہوتا تھا جو لومبارڈی

کھو بیٹھے، اور پھر اہل استبداد کے پنجے میں آ گئے۔

اٹلی کی پانچ سلطنتیں

وینس لمبارڈی
میسینی روما
پیدمانٹ

کا ہوا۔ کلیسا کی ریاستوں میں شہر پایا کے تسلط سے آزاد ہوا چاہتے تھے۔ پایاؤں کے اوگنوں میں (۱۳۰۹ء سے ۱۳۷۸ء تک کے) عرصے تک قیام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اربینو، پردگیا، یمنی وغیرہ میں شخصی حکومتیں قائم ہو گئیں، بولونا میں جمہوریت قائم ہو گئی، اور روما میں مختلف طرز حکومت کے برابر تجربے ہوتے رہے۔ نیپلز شاہان آنجوی کا مستقر حکومت قرار پایا، اور سسلی، آراگان والوں کے تصرف میں آگیا جینیوا اور وینس خود مختار جمہوریتیں تھیں۔ جس زمانے میں کہ آپس میں نفاق و شقاق کی گرم بازاری تھی، اس دوران میں دُولِ خمسہ میں جو پندرہویں صدی میں اٹلی کو تقیم کر لینے والی تھیں، روز افزوں قوت و اقتدار کے آثار نمایاں ہوتے جاتے تھے۔ ان کی تاریخ کا مختصر بیان ذیل میں کیا جاتا ہے۔

جینیوا وینس کی ترقی کا راز ان کی تجارت میں مخفی تھا، کچھ دنوں تک پیسا بہ لحاظ تجارت

اور مغربی بحیرہ روم کی مرکزیت کے جینیوا کا زبردست حریف بنا رہا، لیکن ۱۳۸۰ء کی جنگ میلوریا میں جو پیسا کے قریب ہی واقع ہوئی تھی، جینیوا کا بیڑا کامیاب رہا، اور اس شکست کے بعد پیسا کا زور ٹوٹ گیا۔ ۱۲۶۱ء میں شہنشاہ یونان کو قسطنطنیہ کے دوبارہ تسخیر کرنے میں جینیوا نے مدد دی، اور اس کے صلے میں اسے بحر اسود میں تجارت کا حق بلا شرکت غیرے مل گیا لیکن اب جینیوا وینس میں تصادم ہوا کیونکہ وینس

چوتھے محاربہ صلیبی کے نتیجے میں مشرق میں خاص طور پر بااثر ہو گیا تھا۔ ان دونوں شہروں کے درمیان دو صدیوں سے زیادہ تک جنگ جاری رہی، جس کا خاتمہ بالآخر جنگ شیوگیا (۱۳۸۰ء) میں جلیوآ کی کامل ہجرت پر ہوا۔ اس کے بعد سے جلیوآ کو مسلسل زوال ہوتا رہا، اور ویس بجیرہ روم کا مالک ہو گیا۔

ویس

۱۶۹۶ء سے ویس کا حکمران ایک، ڈوج، (ڈیوک، امیر) ہوتا چلا آیا تھا، جسے رعایا خود منتخب کرتی تھی مگر شہر کا میلان حکومت اترانی کی جانب تھا۔ بارہویں صدی کے خاتمہ پر ۱۱ مجلس اعظم نے جو چار سو اسی ارکان پر مشتمل تھی، حق انتخاب کو غصب کر لیا۔ اب ڈوج کی اعانت کے لئے ایک مختصر مجلس چھ ارکان کی، اور زیادہ اہم معاملات کے لئے ساٹھ ارکان کی مقرر ہوئی ۱۲۹۹ء میں حکومت اترانی نے اپنی تکمیل یوں کی کہ ۱۱ مجلس اعظم کی رکنیت کا انتخاب مسدود کر کے اس کی رکنیت کو انہیں لوگوں کی اولاد کے لئے مخصوص کر دیا۔ ہر طرح کی عام تحریکات کا سد باب کرنے کے لئے ۱۱ مجلس اعظم نے دس ارکان کی ایک مختصر مجلس غیر محدود اختیارات احتسابی کے ساتھ قائم کی۔ اس مجلس کے خونین زناموں نے رعایا کی ہر طرح کی شورش کو قطعاً روک دیا اور شہر کی حکومت کو اس قدر مضبوط اور مستحکم کر دیا، جس کی نظیر اٹلی کے کسی اور شہر میں نہیں ملتی۔ اب ویس نے نہ صرف مشرقی بجیرہ روم کے جزائر ہی حاصل کر لئے بلکہ جزیرہ نمائے بلقان کا بہت سا حصہ بھی اپنے قبضہ میں کر لیا۔ اس کے بعد اس نے اپنا رخ اٹلی کے طرف پھیرا، اور ٹریوینو، پیدوا، وسینزا وغیرہ مقامات کو منخر کر لیا لیکن پندرہویں صدی میں اہل سرزمین اطالیہ پر اس کی ان فتوحات و توسیعات کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملان سے اس سے تصادم ہو گیا۔

ملان | ملان میں گیلستان خاندان دسکونٹی گلف خاندان ڈیلے ٹورپر

غالب آگیا اور اس نے پورے زور کے ساتھ اپنے حدود ملک کی توسیع کی فکر کی۔ ۱۷۳۷ء تک اس خاندان نے تقریباً سارے صوبہ لمبارڈی کو مسخر کر کے ملحق کر لیا۔ گیان گیلیز (۱۷۳۸ء تا ۱۷۸۷ء) جو اس خاندان کا قابل ترین رکن تھا، جنوب میں اتنی دور تک فتح کرتا ہوا بڑھ گیا، کہ فلورنس کی سرحد تک پہنچ گیا۔ لیکن ۱۷۹۷ء میں یہ خاندان ختم ہو گیا۔ اور لمبارڈی کی حکومت ان پیشہ ور سپاہیوں کے سرداروں کے ہاتھ میں آگئی جو دسکونٹی کے خاندان اور بعض دوسرے شہروں کی خدمت میں ملازم رہ چکے تھے۔ اب ان میں سے ہر سردار نے موقع سے فائدہ اٹھا کر کسی نہ کسی شہر پر اپنا قبضہ کر لیا۔ خود ملان میں فریسیکو سفورزا کو اقتدار حاصل ہو گیا جو ان سب میں زیادہ مشہور تھا۔ شہر نے اہل دین سے مقابلے کے لئے اسے اپنا سردار منتخب کیا، میدان اس کے ہاتھ رہا، اور واپسی پر اس نے جبراً و قہراً اپنے تئیں ملان کا ڈپوک تسلیم کر لیا (۱۷۹۷ء)

فلورنس | فلورنس کی تیرہویں صدی کی سیاسی تاریخ فریقانہ جھگڑوں

کی وجہ سے اس قدر پیچیدہ ہے کہ یہاں اسکی تفصیل بیان کرنا ناممکن ہے۔ ایضاً، اسود، امراء قدیم امراء جدید قدیم گٹھ مٹے امراء دولت، ادنیٰ طبقے کی گٹھ، سب باہم دست و گریبان رہتے، اور ملک کی حالت اور زبوں و اہتر پائے ہوئے تھے۔ اس طوائف الملوک و بد نظمی سے فائدہ اٹھا کر خاندان مڈیسی نے اقتدار حاصل کر لیا، مڈیسی دراصل ہرجانوں کا ایک قدیم و متمول خاندان تھا، وہ اب اپنی دولت کے بل پر سیاسی اقتدار کا خواب دیکھنے لگا، انہوں نے یہ دیکھا کہ طاقت دراصل عوام کے ہاتھ میں ہے اور اس لئے وہ عوام کے

شریک ہو گئے، اور اس ترکیب سے اس خاندان کا بزرگ، شہر کا حقیقی فرمانروا بن گیا، اگرچہ اس نے تمام نظام حکومت کو علیٰ حالہ قائم رکھا مگر تمام عمال و حکام کا عزل و نصب اس کے اختیار میں تھا۔ آخر اسی خاندان کے ایک رکن لائیفر و ذی شان (۱۲۶۹ء تا ۱۲۹۲ء) کے وقت میں تمام جمہوری عہدے و مناصب مٹ گئے اور وہ خود اپنے مقرر کئے ہوئے مستر ارکان کی مجلس شوریٰ کے ساتھ فرمانروائی کرنے لگا۔ اسی خاندان کے عہد فرمانروائی میں فلورنس نے اپنے کمزور ہمسایوں پر فوج کشی کر کے پورے ٹسکینی پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔

روما | پاپاؤں کے قیام اوگینو کے زمانے میں روم اپنے امر کی باہمی خانہ جنگیوں اور عوام کی شورش انگیزیوں کا ہدف بنا رہا۔ کولونا اور آرسینی کے خاندان شایع عام پر فساد برپا رکھتے تھے۔ ۱۳۰۰ء میں جو بغاوت ہوئی، اس سے رانیزی ٹریبیوں ہو گیا اور اسے قیام امن کے لئے ہر طرح کی تدبیر استعمال کرنے کے پورے اختیارات دئے گئے۔

اس نے مفسد امر کو خارج البلد کر دیا، لیکن اپنی کامیابیوں سے وہ اس قدر بھول گیا کہ رعایا اس کی حکومت کو برداشت نہ کر سکی، اور خود اسے خارج البلد کر دیا۔ وہ پریگوس تہنشاہ کے پاس اپنا امر افحش کرنے کے لئے گیا مگر وہ پوپ کے حوالے کر دیا گیا جس نے کچھ زمانے تک اسے قید رکھا۔ اس کے بعد پاپا نے روم میں اپنا اقتدار از سر نو قائم کرنا چاہا، اور ۱۳۰۵ء میں رانیزی کو اپنا نائب بنا کر بھیجا لیکن رانیزی کی کامیابی صرف چند روزہ تھی کیونکہ ایک بلوے میں خود اس کی جان گئی۔ اس کے بعد پاپا نے کارڈنل البورٹوز کو اپنے نائب کی حیثیت سے بھیجا، جس نے پاپا کے تقریباً تمام مقبوضات از سر نو حاصل کر لئے۔

اس سے پاپا نے اب پھر روم میں اقامت اختیار کرنا چاہی (۱۳۰۷ء)، لیکن اوگینو نے ایک دوسرے شخص اس عہدہ پر منتخب ہو گیا، اور یہ اختراق برابر قائم رہا، تا آنکہ مجلس کاسٹینس نے ۱۳۱۳ء میں مصالحت کرادی۔ پندرہویں صدی کے پاپاؤں نے اپنے روم کے قبضے کو محفوظ

رکھنے اور پاپائی سلطنت کو وسیع و متحد کرنے کی کوششیں برابر جاری رکھیں۔

نیمپلز | خاندان انجوئی کے ہاتھ سے سسلی تو نکل کر آراگان والوں کے ہاتھ میں چلی گئی، لیکن نیمپلز پر ۱۲۳۵ء تک ان کا قبضہ رہا، تاں کہ الفانسو (شاہ آراگان) نے جنوبی اٹلی کو بھی مسخر کر لیا۔ لیکن انجوئیوں کی حکومت نے ملک کو تباہ کر دیا تھا، اس لئے گو الفانسو نہایت قابل و ہوشیار، اور علم پرور فرمانروا تھا، پھر بھی وہ اپنے خاندان کی حکومت اچھی طرح قائم نہ کر سکا۔ نیمپلز میں اس کا جانشین اس کا بیٹا فرنینڈ ۱۲۵۰ء تا ۱۲۹۲ء ہوا، مگر اس کی نالائقی کے سبب سے پھر انجوئیوں کو ادعائے تخت پیدا ہوا، جو اس درمیان میں شاہانِ فرانس کی طرف پھر منتقل ہو گیا تھا۔ لوئس یازدہم نے فرط دشمنی سے اطالوی سیاسیات سے اپنا دامن بچائے رکھا، لیکن اس کے نا اہل فرزند چارلس ہشتم (۱۲۸۳ء تا ۱۲۹۵ء) نے چند در چند خواہشوں کی طمع میں پڑ کر اٹلی پر حملہ کر دیا۔ اس کا حق نیمپلز پر تو تھا ہی، ادھر ملتان خاندان آراگان کے خلاف سازش کر رہا تھا، اس لئے اس نے بھی اس کے آنے پر زور دیا، سیوونوردولا، فلورنس میں طالب اصلاح اور خاندان میڈیسی کی حکومت کو الٹ دینے کا خواہشمند تھا، اس طرح فلورنس میں بھی ایک موقع پیدا ہو گیا۔ غرض یہ کہ ۱۲۹۵ء میں چارلس نے کوہستان آپس کو طے کر کے اٹلی کی تسخیر اور بیرونی حلوں اور ملک گیری کی اُن طویل و پُرالم کوششوں کا سلسلہ شروع کیا، جو اسیسویں صدی کے قبل ختم نہ ہو سکا۔

حاشیہ۔ گیلیاٹن (حامیان شہنشاہ) اور گلف (حامیان پوپ) کے شہور فریقوں کی ابتدا دبلنجی کے خاندان ہنری اور ملٹارف کے خاندان ولف سے ہوئی۔ شہنشاہی اور پاپائی کی طویل مخالفت کے زمانے میں حامیان شہنشاہ گیلیاٹن اور حامیان پوپ گلف کہلاتے تھے۔

باب (۱۵)

فرانس - انگلستان

(۱۸۰۸ تا ۱۸۱۴) (۱۸۱۵ تا ۱۸۴۸)

۱۸۰۸ء سے فرانس کی حالت جنگ صد سالہ تک
 لوئس ششم معروف بہ فریبہ (۱۸۱۵ء تا ۱۸۱۶ء) کی
 تخت نشینی کے ساتھ ہی خاندان کیپیٹ کے نصیب
 جاگ گئے۔ اپنی عمر کا بالکل آخری زمانہ چھوڑ کر
 باقی اپنے تمام عہد حکومت میں وہ برابر اپنی
 مملکت میں سفر کر کے سرکش امرا کی تادیب کرنے، اپنے شاہانہ
 اقتدار کو مستحکم بنانے، اور نئے اقطاع ملک حاصل کرنے میں
 مصروف رہا۔ غرض شاہی کے نام کے اعزاز کو وہ ہر طرح
 بڑھاتا رہا۔ وہ کلیسا کا زبردست حامی، اور امرا کی دست درازیاں
 کے مقابلے میں پادریوں اور ان کی زمینوں کا بڑا محافظ تھا۔
 وہ شہروں کی آبادی کو دوست رکھتا تھا، اور وسائل سفر میں
 سہولت پیدا کرنے اور تجارت کو محفوظ رکھنے میں اس نے
 بہت کوششیں کیں۔ سینٹ ڈنئس کا فاضل اسقف سوگر جو

لوئس ششم | اس کا خاص مشیر تھا، اُس سے اس دشوار کام میں جسے اس نے اپنے سر کیا تھا، بڑی مدد ملی۔ اگرچہ وہ بڑے بڑے ماتحت

امرا کا زور توڑنے میں پوری طرح کامیاب نہیں ہوا تاہم اس میں شبہ نہیں کہ اپنے خاندان میں وہ ایک نہایت ہی ممتاز و قابل تاجدار ہوا ہے اور تاؤنٹیکہ شدت فریبی نے اسے نقل و حرکت کے ناقابل نہ کر دیا، وہ برابر اپنے وقت و قوت کو بذات خود معاملات سلطنت کی نگرانی میں صرف کرتا رہا۔ اس کا جانشین اس کا فرزند لوئس ہفتم (۱۱۳۶ تا ۱۱۸۰)

لوئس ہفتم | ہوا۔ مگر یہ نہایت ضعیف الاعتقاد، سادہ لوح، متکون مزاج، اور ضرورت سے زیادہ مذہبی شخص تھا۔ جب تک سوگر زندہ رہا، اس وقت تک

وہ اچھی روش پر چلتا رہا لیکن اس کے بعد اس نے پیسہ غلطیاں کیں۔ ایک تو محاربات صلیبی میں شریک ہوا، دوسرے اپنی ملکہ الیز کو طلاق دیدی، جو تمام اکوئین کی مالک تھی۔ پھر اس نے ہنری دوم شاہ انگلستان کے بیٹوں سے ساز باز کیا، لیکن نتیجہ یہ ہوا، کہ اس کے مقبوضات کا ایک بڑا حصہ نکل کر انگریزوں کے پاس چلا گیا اور وہ کچھ کر نہ سکا۔

فلپ دوم | اس کا لڑکا فلپ دوم موسوم بہ آگسٹ (۱۱۸۰ تا ۱۲۲۳) گو اعلیٰ درجہ کا مدبر تھا مگر

ساتھ ہی ایک دغا پیشہ و غیر محتاط شخص تھا۔ اس نے بھی انگریز شہزادوں سے ساز باز کیا اور اس طرح نارمنڈی میں، آبنجو، اور دوسرے صوبے از سر نو حاصل کر لئے۔ کئی سال تک اس نے اپنے بڑے بڑے ماتحت امرا سے جنگ جاری رکھی، اور انھیں بہت سے حقوق سے دست بردار ہونے پر مجبور کر دیا۔ جنگ بودائیس جکا مقصد بظاہر فرینک دوم شاہِ جرمی کی حمایت تھی، اس کا نتیجہ جس قدر فرینک دوم کے لئے مفید نکلا اسی قدر خود فلپ کے لئے بھی مفید ہوا فلپ نے بذات خود ایجنیس کی داروگر میں کسی طرح کی شرکت نہیں کی لیکن تاج کو اس سے یہ نفع ہوا، کہ ان کا ملک شاہی قبضے میں آگیا۔

شاہی املاک فلپ دوم کا عہد حکومت شاہی اقتدار میں اضافے کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مقبوضات

شاہی کو اس نے المضاعف کر دیا اور اسی نسبت سے داخل شاہی میں بھی اضافہ ہو گیا۔ بادشاہ کو اب پہلی بار متول حاصل ہوا، فلپ دوم نے قدیم طرزِ نظم و نسق کو نامکمل پایا، اور اس میں اصلاح کی۔ اب تک دستور یہ تھا کہ ہر شاہی علاقے پر ایک ”پریوٹ“، یعنی عامل نگران رہتا جو بادشاہ کے نام سے انتظام کرتا، حضومات کا فیصلہ کرتا، اور محصول وصول کرتا۔ یہ عمال اگرچہ فی الحقیقت بادشاہ کے ملازم ہوتے تھے، لیکن اقتضائے زمانہ کے موافق انکا

میلان یہ تھا کہ یہ لوگ علاقے کو اپنی جاگیر اور اسے اپنا موروثی حق سمجھنے لگے تھے پس اس خیال سے کہ وہ بالکل قابو سے نکل نہ جائیں فلپ نے ان کے اوپر ایک اور عہدہ "دیلٹ" (نظامت کا) نکالا، اور متعدد ناظم مقرر کئے۔ اور بالعموم ایک ایک ناظم کے تحت میں کئی کئی عامل ہوتے تھے ناظم کا فرض یہ تھا کہ ماہانہ اپنی عدالت کا اجلاس کیا کرے اور اپنی کارروائی کے نتائج سے بادشاہ کو مطلع کرتا رہے۔ اسے خاص کر یہ کام تفویض تھا کہ جہانگیر ہو سکے ہر قسم کے شاہی محصول وصول کر کے بادشاہ کی خدمت میں پیرس ارسال کرتا رہے۔ فلپ دوم کے عہد حکومت کے دو نہایت اہم نتائج تھے، ایک یہ کہ شاہی اقتدار کا دائرہ بہت وسیع ہو گیا، دوسرے یہ کہ شاہی معاملات، زیادہ خوش انتظامی و خوش سلیقگی سے انجام پانے لگے، اس کے زمانے میں تاج کا شاہی خاندان سے مخصوص ہو جانا اس قدر مسلط ہو گیا تھا کہ اس نے اپنے فرزند کو اپنی جانشینی کے لئے منتخب کرانے کی مطلق ضرورت نہیں خیال کی۔ اور یہ سمجھ لیا کہ تاج اسی کی طرف منتقل ہوگا۔

لوئس ہشتم ۱۲۲۳-۱۲۲۶ء لوئس ہشتم، ۱۲۲۳-۱۲۲۶ء جب تخت نشین ہوا تو اس کی عمر چھتیس سال کی تھی تاہم اس وقت تک اس نے نہ کبھی انتظام سلطنت میں حصہ لیا تھا، نہ اس کی کوئی ذاتی آمدنی تھی

وہ ہر لحاظ سے اپنے باپ کے نقش قدم پر چلا، البتہ ایک نئی بات اس نے یہ کی، کہ اپنے عہد حکومت ہی میں اپنے ہر ایک لڑکے کو کوئی نہ کوئی قطعہ ملک اور اس کی آمدنی دیدی اس سے گو شاہزادوں کی غفلت میں کافی اضافہ ہو گیا، لیکن اس سے یہ اثر بھی پڑا، کہ تاج کی ماتحتی سے عین ایسے زمانے میں مقبوضات نکل گئے جبکہ شاہی مقبوضات کے متحد کرنے کی بہت سخت ضرورت تھی

لوئس نہم (۱۲۲۶ء تا ۱۲۷۰ء) کے تحت نشین
 ہونے سے لیکر دس سال تک اس کی والدہ
 بلائش آف کیسٹال نائب السلطنت کے فرائض
 انجام دیتی رہی۔ وہ بڑی مضبوط و زبردست

شخصیت کی عورت تھی، اس کے مقابلے میں امرا نے لاکھ سرمارے، مگر وہ اقتدار شاہی میں برابر اضافہ ہی کرتی رہی۔ اس کی تعلیم و تربیت سے لوئس اپنے وقت کا نہایت ہی سچا اور پکا مسیحی حکمران بن گیا۔ بہت ہی کم اشخاص ایسے ہوئے ہونگے جنہوں نے مسیحیت کی ایسے سچے دل سے پیروی کی ہو اور خود اپنے مفاد کے خلاف اس کے احکام کے اس سختی سے پابند رہے ہوں اسے ایسے مواقع حاصل ہوئے، کہ وہ اپنے قلمرو کے حدود میں اضافہ کر سکے، لیکن مذہبی خیال نے ہمیشہ اُسے اپنے ہمایون کو ستانے سے روکا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ کیا، کہ

جن مقبوضات کے نسبت اس نے یہ سمجھا کہ اس کے
اسلاف نے انگلستان سے غاصبانہ چھین لئے ہیں انھیں واپس
کر دیا۔ شہنشاہ و پاپا کی مخالفت کو دیکھ کر بھی اسکا جی بست
کڑھتا تھا، اور اس نے ہمیشہ ان دونوں کے درمیان مصالحت
کی کوشش کی۔ اس کے عدل و انصاف کا تمام یورپ
میں شہرہ ہو گیا تھا، اور تمام یورپ اسے اپنا حکم بناتا
تھا اس کے انھیں روحانی اوصاف پر کلیسا نے اُسے ”دولی“
کا لقب دیکر اپنی پندیدگی کا اظہار کیا۔

اصلاح لوئس نہم کا زمانہ کئی طرح کا امتیاز رکھتا
ہے۔ اس نے متعدد بڑے بڑے صوبے
حاصل کر کے شاہی عہداری کو بڑھا لیا تھا۔ اس کے زمانے
تک اس کی رعایا میں سے اسی سے زائد اشخاص کو اپنا
سکہ چلانے کا حق حاصل تھا، اور ہر صوبے میں صرف
وہیں کا سکہ چل سکتا تھا۔ لوئس نے اس دستور کو مٹا کر
تمام فرانس میں شاہی سکہ چلایا، اور تلبیس سکہ کے متعلق
سخت قوانین نافذ کئے۔ عہدہ نظامت کی اصلاح کے لئے
قوانین ذیل نافذ کئے۔ ہر ناظم کو اپنی خدمت دیانت داری
بجالانے اور شاہی حقوق اور مقامی آزادیوں کو ملحوظ
رکھنے کے لئے حلف اٹھانا ہوگا، اپنے علاقے میں اسے
کسی سے تحفہ یا روپیہ قبول کرنا، یا کوئی کاروبار قائم
کرنا، یا بجز اپنے فرائض منصبی کے اور کسی معاملے میں

پڑنا، یہ سب ممنوع ہوگا، علاقے کے کسی باشندے کے ہاں شادی کرنا اپنے اعزہ کو اپنے پاس جمع رکھنا یا انہیں اپنے ماتحت خدمت پر مامور کرنا یہ سب ناجائز ہوگا، ہر ناظم پر لازم ہوگا، کہ وقت و مقام معین پر ہمیشہ بذات خاص اجلاس کرے، اور تمام کارروائیوں کی کیفیت بادشاہ کے حضور میں ارسال کرے، اور اپنے عہدے سے بکدوش ہونے کے بعد چالیس روز تک وہیں مقیم رہے، تاکہ اگر رعایا کو اس کے خلاف کچھ شکایتیں ہوں تو ان کی داد رسی کا موقع حاصل رہے۔“

مجلس شاہی کی تقسیم تین حصوں میں
بادشاہ کے گرد و پیش مختلف درجوں اور حیثیتوں کے اشخاص رہتے تھے اور یہی شاہی دربار کہلاتا تھا ان میں سب سے زیادہ عظیم المرتبت مجلس شاہی کے اسکان

تھے۔ اس زمانے تک معاملات سلطنت کے انصاف میں سارا دربار ممد و معادن رہتا تھا، لیکن لوئس نے تقسیم عمل کے اصول پر اس مجلس کو تین حصوں میں منقسم کر دیا، اور ہر ایک کے فرائض و فرائض عاید کر دیئے۔ ایک حصے کا نام بدستور مجلس شاہی رہا، دوسرے حصے کا نام صیفہ خزانہ رکھا گیا، تیسرا حصہ پارلیمنٹ (عدالت العالیہ) سے موسوم ہوا حکومت کے عاملانہ اختیارات بدستور مجلس شاہی کے ہاتھ میں رہے خزانوں کے عہدہ داروں سے داخل

و مخارج کا وصول و خراج متعلق ہوا، اور پارلیمنٹ ملک کی سب سے بڑی عدالت قرار پائی۔ اب تک فضل خصوصیات میں اس نے سخت زحمت پیش کیا کرتی تھی، کہ بادشاہ برابر اپنی ملکیت کے مختلف حصص میں سفر کرتا رہتا تھا، اور اس کے ساتھ ساتھ اس کی مجلس بھی نقل و حرکت میں رہتی تھی، اور مقدمات کا فیصلہ بادشاہ کے سامنے یا اس کے قرب میں ہونا ضروری تھا اس لئے فریقین اور گواہوں کو بھی برابر دوسے میں ساتھ رہنا پڑتا تھا، اور اکثر ہفتوں بلکہ مہینوں کے بعد سماعت مقدمات کی نوبت آتی تھی۔ لوئس نے اسکا علاج یہ کیا، کہ یہ خدمت پارلیمنٹ کو تفویض کر کے پیرس میں اس کا مستقل مستقر قرار دے دیا۔

پارلیمنٹ پارلیمنٹ (عدالت العالیہ) کے اختیارات میں بھی توسیع ہوئی۔ رومن لا (قانون روم) کے مطالعے کی تجدید نے یہ شہنشاہی اصول پھیلایا، کہ وادرس کا اصلی منہج و مرکز خود بادشاہ ہے، اس سے یہ نظریہ پیدا ہوا کہ امراء عدالتی اختیارات بادشاہ سے محض نیابتہ حاصل کر سکتے ہیں، اس سے ایک بات یہ نکلی، کہ ہر شخص کو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کی وادرس نہیں ہوئی، بادشاہ کے حضور میں حق رافعہ حاصل ہے، نیز یہ کہ بادشاہ کو اختیار ہے، کہ جو مقدمہ چاہے اپنی عدالت میں طلب

کر لے۔ بادشاہ کے مصالح اسی کے مقتضی تھے کہ ان
 ”مقدمات شاہی“ کی تعداد جب قدر بھی ممکن ہو بڑھائی جائے
 چنانچہ اس ترکیب سے اسے امرا کی عدالتوں میں مداخلت کا
 بیش از بیش موقع ملتا رہا، اور ان کے ہاں سے تمام اہم
 مقدمات وہ خود اپنے ججوں کے سامنے طلب کرتا رہا۔
 لوئس نے تصفیہ ”ڈویل“ کو بھی ممنوع قرار دیکر بجائے
 اس کے عدالت العالیہ میں مرافعہ کے دستور کو رائج کیا۔
 اس طرح عدالت العالیہ، امرا کی تمام عدالتوں کے لئے بمنزلہ
 عدالت مرافعہ ہو گئی اور امرا کے عدالتی فیصلوں کے اوپر
 بادشاہ کے عدالتی فیصلے فائق ہو گئے۔ لوئس گو اپنے زمانے کے
 مقدمات کے لحاظ سے نہایت سخت مذہبی آدمی تھا، اور حقوق
 کلیسا کا ایک زبردست حامی و محافظ تھا، تاہم وہ اختیارات
 لوئس نہم اور شاہی میں کلیسا کی مداخلت کو گوارا نہیں کرتا
 پادری تھا۔ چنانچہ اس نے کلیسا کو مجبور کیا کہ حکومت
 کے قیام کے لئے جو رقم اس کے حصے میں
 پڑتی ہے اسے عشر اور دوسرے محصولوں کی ادائی سے
 پورا کریں۔ اس نے اساتذہ کے عدالتی اختیارات بھی ایک
 حد تک کم کر دیئے، اور پادریوں کے ایک گروہ کو ملکی قانون
 کے تحت میں کر دیا، عام پادریوں کے مقابلے میں اس نے
 فقرا کے سلسلوں کی بڑی تعظیم و توقیر کی، انھیں جابجا اپنا سیفر
 بنانا کر بھیجا اور اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب انھیں عطا کئے۔

فلپ سوم (۱۲۸۵-۱۲۸۰) **فلپ سوم** (۱۲۸۵ تا ۱۲۸۰) کی جانشینی کے ساتھ ہی فرانسیسی دربار میں ایک گروہ صاحبیں دربار میں نیکو کا دخل کا پیدا ہو گیا، جنکے پر دے میں بادشاہ نے اپنی اصلی شخصیت کو بالکل گم کر دیا۔ یہ صاحب عموماً طبقہ عوام کے ہوشیار بلند نظر اور چلتے ہوئے افراد ہوتے تھے، جو رومن قانون کے بھی عالم ہوتے تھے۔ اور اسوجہ سے انکو قانون داں کہتے تھے۔ امرا انہیں اپنا قریب سمجھ کر ان سے نفرت کرنے لگے۔ **فلپ سوم** کو اسپین کی بعض سلطنتوں سے جنگ کرنا پڑی، جس سے نویر اس کے قبضے میں آگیا۔ جنوبی فرانس کے بعض اور اہم علاقے بھی اس نے قلمرو شاہی میں داخل کر لئے۔ اس نے اپنے سرکش امرا کی بہت سختی کے ساتھ سرکوبی کی اور کلیسا کو جو گرانقدر تر کے ہتے تھے، ان کے معاوضے میں اس نے انہیں کافی رقم ادا کرنے پر مجبور کیا۔ لوگوں نے ملکی قوانین سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ مراسم کلیسا کے موافق اگلے حصے سر کے بال ترشوا کر بظاہر پادری بن جاتے تھے، لیکن دراصل وہ عام دنیا داروں کی سی زندگی بسر کرتے تھے اکثر متاہل ہوتے، کاروباری مشاغل جاری رکھتے، اور بہت سے آوارہ پھرا کرتے تھے۔ اس قسم کے اشخاص کو لوئس نے قانون کلیسا کی حفاظت سے خارج کر دیا اور انہیں عام ملکی قوانین ہی کے

تحت میں رکھا۔

فلپ چارم

۱۲۸۵ - ۱۳۱۴

فلپ چارم (۱۲۸۵ تا ۱۳۱۴ء) مخاطب پر
”دھین“ کے مد میں فرانس دول یورپ

میں سب سے زیادہ ممتاز ہو گیا تھا، اپنے
مصاحبوں کی صلاح سے اس نے جینیٹین کی تقلید کی کوشش
کی۔ رومن قانون کا اب دربار پر بقدر گہرا اثر پڑا تھا،
اس کا اندازہ اس واقعے سے ہو سکتا ہے، کہ صد ہا مسائل
کا فیصلہ دو مقدمات کی ”صورت سے کیا جاتا تھا۔ فلپ
چارم نے ان صوبوں میں مافلت کا بہت ہی موزوں موقع
نکالا، جو اس کی مشرقی سرحد پر واقع اور جرمنی کے ماتحت
تھے، چونکہ شہنشاہ سب کے سب کمزور ہوتے رہتے تھے
اس لئے اسے موقع ملا کہ شہنشاہی کو نقصان پہنچا کر اپنے
حدود سلطنت کو بڑھائے۔

وربارپوپ

اوگونون کو

منتقل ہو گیا

فلپ چارم کی سارے یورپ پر جو دھاک
بیٹھی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا
ہے، کہ اس نے پاپاؤں کا ستقر و گھون میں
منتقل کر دیا، اور ان پر ہمیشہ اقتدار قائم رکھا۔

کلیمنٹ پنجم نے یہ خیال کر کے کہ وہ خود اپنے پیشرو پوپس
ہفتم پر کیوں الزام عائد کرے، ٹائٹل پمپرز کے سلسلے کو
بادشاہ کے حوالے کر دیا۔ ان لوگوں پر سخت جرائم کے
الزامات عائد کئے گئے لیکن بادشاہ کا اصل مقصود یہ تھا

کہ ابھی بے انتہا دولت کو اپنے قبضے میں کر لے۔

حکومت میں ترقیان **قلم چارم** ہی کے عہد میں چند نئے عہدے قائم کر کے حکومت میں ایک نظام قائم کیا گیا اور ان عہدوں کے فرائض معین کر دیے گئے اب تک مختلف حکام و عمال کے فرائض جو مخلوط ہو رہے تھے ان کو تقسیم عمل کے اصول پر الگ الگ کر کے ہر صیغہ کو عمال کی ایک مخصوص جماعت سے متعلق کر دیا۔ ایک صیغہ بادشاہ کی ذات سے متعلق ملحدہ کر دیا گیا، اور اس کا نام اس زمرے میں ”ہوٹل“ (صرف خاص) قرار پایا۔ چیمبرلین (حاجب) پیش نماز و سرشکر وغیرہ ”ہوٹل“ کے سب سے زیادہ اہم ارکان تھے۔ دوسرے صیغے کا تعلق معاملات عام سے تھا اس کا نام چینیٹری (دیوانی) قرار پایا۔ اس صیغے کے ذریعے سے بادشاہ اور اس کی رعایا کے مابین تمام کام انجام پاتے تھے۔ دیوانی کے اندر ایک گروہ کا بیٹوں کا ہوتا تھا اس گروہ کے سر دفتر ”دکاتبان راز“ کہلاتے تھے کیونکہ وہ اپنے اپنے صیغے میں بادشاہ اور اسکی مجلس کے اسرار کے حامل ہوتے تھے۔ حکومت کی تیسری خاص تقسیم صیغہ مجلس شاہی کے نام سے قائم ہوئی، جس کے ارکان کو بادشاہ کے حضور میں ایک خاص حلف اٹھانا پڑتا تھا اور یہ اس کے رازدار مشیر ہوتے تھے اور تمام اہم معاملات میں اس کے ساتھ غور و غوص

کرتے تھے۔ اسٹیس ہنزل ہنوز متعین طور پر نظام حکومت "اسٹیس ہنزل" کا کوئی جزو نہ تھی۔ تاہم اس کی رکینٹ اپ صوف بڑے بڑے امرا اور اسقفوں اور پادریوں تک محدود رکھنی تھی، اور معمول یہ ہو گیا تھا کہ بادشاہ اس کے اجلاس صوف اسوقت طلب کرتا جب کسی اہم مسئلے میں مشورہ کرنا ہوتا۔ مسئلہ میں جب پوپ سے تنازعات فایت درجے تک بڑھتے جا رہے تھے تو بادشاہ نے اس امر کا اندازہ کرنا چاہا کہ اگر وہ پوپ کے خلاف اسمبلی کارروائی اختیار کرے تو عام رعایا اسکا کس حد تک ساتھ دے گی۔ اس غرض سے اس نے وہ اسٹیس ہنزل کا اجلاس طلب کیا، اور اس کے لئے ہر شہر سے دو دو تین تین نمائندے طلب کئے۔ اس مجمع کے سامنے بادشاہ نے اپنے ارادے اور منصوبے بیان کر کے رائے طلب کی، مجمع نے کسی قدر غور و غوص کے بعد اس کی تجاویز سے اتفاق کر لیا۔ اور تمام رعایا کی طرف سے تائید کا پورا پورا وعدہ کیا۔ مسئلہ میں دوبارہ اسکا اجلاس مامپٹرز کے

یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ فرانس کی اسٹیس ہنزل، انگلستان کے پارلیمنٹ کے مرادف ہے۔ فرانس میں پارلیمنٹ شاہی جموں کی جماعت کو کہتے ہیں پس فرانس میں پارلیمنٹ، ایک عدالتی جماعت ہے اور انگلستان میں پارلیمنٹ، واضح آئین و قوانین جماعت ہے۔

الزامات پر بحث کرنے کے لئے منعقد ہوا اس میں دو سو سے زائد شہروں نے اپنے اپنے نمائندے بھیجے جنہوں نے بادشاہ کی تجاویز پر محض ”صاد“ کر دیا۔ شہروں نے اس کارروائی میں جس طرح کا حصہ لیا اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ شہروں کو اپنے اپنے نمائندے بھیجنے کے لئے جو فرمان جاری ہوا اس کے الفاظ یہ تھے کہ ”نمائندے یہاں جمع ہو کر تجویز شاہی کو سنیں، قبول کریں، تائید کریں، اور جو کچھ ارشاد ہو، اس کی تعمیل کریں“۔ مسئلہ میں جب فلینڈرز سے جنگ چھڑنے والی تھی، اور خزانہ غارِ خالی تھا، تو ایک بار پھر ”اسٹیٹس جنرل“ طلب کی گئی اور اسے یہ بتایا گیا کہ بادشاہ کیا چاہتا ہے، جس کا جواب اس نے صرف گردن کے خم کر دینے سے دیا۔ یہی ہے ”دترڈاسٹیٹ“ (طبقہ سوم) جس کے فرانس کی سیاسی تاریخ میں دخل ہونے کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ فرانس کے مورخین اس کی اہمیت کی شنا و صفت سے کبھی نہیں تھکتے۔ لیکن حقیقت امر یہ ہے کہ فرانس کے انقلاب تک اس طبقہ سوم کا اثر عملاً ہیچ تھا اور ہیچ رہا۔ اسکا کوئی ایسا کارنامہ اور ایسا نشوونما نہ تھا جیسا انگلستان کے دارالعوام کو حاصل ہے۔ فرانس میں بادشاہی کا حکم چلتا تھا طبقہ سوم والے محض اس لئے طلب کئے جاتے تھے کہ حسب الحکم وہ بھی ہاں میں ہاں ملا دیں۔

پارلیمنٹ اور اس عہد میں پارلیمنٹ کی نشوونما خصوصیت
عدل شاہی سے قابل ذکر ہے، بادشاہ کے صرف خاص
 کے ہر طرح کے مقدمے پارلیمنٹ ہی میں
 پیش ہوا کرتے تھے اور سلطنت کے اطراف و اکناف سے
 جو مراعات ہوتے تھے ان کا شمار بہت بڑھ گیا تھا۔ بادشاہی
 پکری اور بادشاہی فیصلوں کا امرا کی کچھریوں اور فیصلوں
 پر قطعی تفوق اس زمانے میں سب سے زیادہ مسلم ہو گیا تھا۔
 حق مراعات سے اس حد تک کام لیا جانے لگا تھا کہ بادشاہ
 نے مجبور ہو کر اپنے ناظموں کو بہت سے مقدموں کے فیصلہ
 کرنے کا اختیار دیدیا تاکہ پارلیمنٹ پر کام کرنے کا غیر معمولی
 بار نہ پڑے۔

اجراء جب حکومت میں پوری طرح نظم و نسق قائم
محصول ہوا تو اس کے مصارف بھی بہت بڑھ گئے
 نوٹس چارم کے زمانے میں انتظام ملک کے لئے
 کافی آمدنی ہمیشہ مہیا رہتی تھی مگر فلپ چارم ہمیشہ قرضدار رہا۔
 اس نے روپیہ کھینچنے کی بہت تدبیریں کیں لیکن محصولوں سے
 ضابطیوں سے، رعایا کی امداد لینے سے، جبریہ قرضوں سے،
 جائیدادوں کے قرق کر لینے سے یہودیوں کے ستانے سے
 باہر کے تمام تاجران مقیم فرانس پر محصول باندھنے سے،
 کلیسا پر محصول لگانے سے، شہر کی مالک کو ضبط کر لینے
 سے اور بہت سے قابل اعتراض ذریعوں سے روپیہ جمع

کرنیکے باوجود بھی خزانہ کبھی پُر نہ ہو سکا۔

قلب چارم کے تینوں بیٹے یکے بعد دیگرے اس کے جانشین ہوئے۔ لوئس دہم (۱۶۱-۱۳۱۲) **قلب پنجم** معروف دراز قد (۲۲-۱۳۱۶) چارلس چارم (۲۸-۱۳۲۲) نگران میں اتنی ییافت نہ تھی کہ سلطنت کو اس حالت پر قائم رکھ سکیں جو ان کے بزرگوں نے پیدا کر دی تھی۔ **قلب چارم** کی مطلق العنانی کے خلاف امرانے اب ایک پلٹا گھایا اور ان بادشاہوں سے زبردستی ایسے متعدد صوبہ دار فرمان لکھوا لئے جن سے ان کے مقامی حقوق جاگیرات پھر بحال اور محفوظ ہو گئے۔ خاصکر لوئس دہم نے ایسی منظومیاں بت دیں **خاندان کیپٹ** **قلب پنجم** نے سلطنت کو تقویت دینے اور براہ راست سلسلہ تمام قوت کو ایک مرکز پر لانے میں بہت **انقطاع خاندان** کچھ سسی کی مگر امران کی مزاحمت سے اسے ویلوا کی تخت نشینی بہت ہی ناگوار واقعات پیش آئے۔ تینوں **۳۲۸** بھائی اولاد ذکور میں سے کوئی وارث چھوڑے بغیر مر گئے۔ **قلب پنجم** نے خود حق سلطنت حاصل

کرنے کے لئے مجلس سے بزوریہ طے کرا دیا تھا کہ بیٹوں کا یا ان کی اولاد کا جانشینی میں کوئی حق نہیں ہے۔ اس سبب سے **قلب پنجم** کے بعد تخت خالی ہو گیا۔ شاہ متونی کے بنی اعلم میں **خاندان ویلوا** کا **قلب** سب سے زیادہ قربت قریبہ رکھتا تھا۔ انگلستان کے ادورڈ سوم نے بھی

تحت فرانس کا اس بنا پر دعویٰ کیا کہ وہ چارلس چہارم کا بھانجا ہونے کے سبب سے سلسلہ انات کی طرف سب سے زیادہ قریب تر ہے۔ اڈورڈ کا دعویٰ مسترد کر دیا گیا اور فلپ (ویلووا) بادشاہ ہو گیا۔ اڈورڈ نے بہت جلد ادعائے تحت سے ہاتھ اٹھالیا اور مقام ایفرز میں فلپ ششم کی خدمت میں فرانس کے جاگیردار ہونے کی حیثیت سے حاضر ہو کر لوازم اطاعت بجالایا۔ اس نے (۱۲۲۳ء) میں اور پھر اس کے بعد (۱۲۲۷ء) میں اپنے مقبوضات ملک فرانس کے لئے بادشاہ فرانس کے جاگیرداروں میں محبوب ہونا بلا کسی شرط و قید کے تسلیم کر لیا۔

انگلستان سے جنگ قوم نارمن کی فطانت کا ظہور ولیم فاتح کے طرز حکومت میں ہوا، پہلے جس مجلس کو ویننگٹاں (مجلس عقلا) کہتے تھے اور جس میں وہ تمام افراد شامل ہوتے تھے جنہیں براہ راست

بادشاہ سے زمین حاصل ہوتی تھی، وہ مجلس اب بتدریج مہڈل ہوتے ہوئے وہ مجلس ”عظم“ بن گئی۔ اس کی رعایا میں نارمن اور انگریز دونوں قومیں تکلیف دینے والی تھیں لیکن اس نے ایک کو دوسرے کے مقابل رکھ کر کام نکالا۔ بڑے بڑے شہروں میں اس نے قلعے تعمیر کئے اور ان میں نارمن فوج رکھی۔ اور انگریزی ملیشیا (سپاہ محافظ) بھی تیار کی۔ اس نے اپنی تمام رعایا کے اٹاک و مقبوضات

کی ایک صبح فرست تیار کرائی جسے ڈومزڈے بک کہتے ہیں اور اس فرست کے بموجب محصول و لگان بہت ہی صحیح و باضابطہ طریق سے مقرر کیا اور ایسی ہی صحت و سستی سے وصول بھی کرتا رہا لوگ اس کی باتوں کو دیکھتے تھے کہ ذرا سے جرم پر سخت سزا دیتا ہے محصول بہت ہی زیادہ لگا رکھا ہے اور اپنے شکار گاہ کے لئے ایک بڑے رقبے کو ویران کر دیا ہے ان باتوں سے یہ لوگ اس سے نفرت کرتے تھے مگر وہ یہ نہ سمجھے کہ وہ انگلستان کی کیسی بڑی خدمت انجام دیر رہا ہے۔

ولیم (احمر) یعنی ولیم فاتح کا دوسرا بیٹا اپنے عہد میں (۱۱۰۰-۱۰۸۷) نہایت جفاکار و ظالم تھا۔ اس نے رعایا پر ایسا سخت مالی بار ڈال دیا تھا کہ نیو فارسٹ میں شکار کھیلنے میں جب اسے موت سے دو چار ہونا پڑا تو اس خبر کو سنا کسی نے ذرا بھی تاسف نہ کیا۔ ولیم کا بڑا بیٹا رابرٹ نارمنڈی کی امارت پر فائز ہو چکا تھا جسے اس نے جنگ صلیبی پر جانے کے لئے رہن کر دیا تھا۔ اب ولیم کا تیسرا **ہنری اول** نے بیٹا **ہنری انگلستان** کا بادشاہ ہو گیا (۱۱۰۰-۱۱۰۱) **آزاد کا ایک** اسے یہ اندیشہ ہوا کہ تاج کے متعلق اسکا **مشور شائع کیا** حق بہت ضعیف ہے اور رابرٹ غالباً تخت کا دعویٰ کر چکا اس لئے اس نے رعایا کو ہر طرح پر خوش کرنیکی سعی کی۔ اس نے ایک فرمان آزادی جاری کیا

جس میں کلیسا، امراۓ ماتحت اور عام قوم سب کے ساتھ مراعات کی اور تمام درجوں کے لوگوں کو اطمینان دلایا کہ کہ آئندہ سے ان پر اس قسم کی زیادتی اور ظلم ہرگز نہ ہوگا جیسے کہ اس کے بھائی کے عہد میں ہوتے تھے۔

ہنری سب لوگوں میں اس سبب سے اور بھی عزیز ہو گیا کہ اس نے اپنی شادی مٹلڈا سے کی جو اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ کی بیٹی اور قدیم شاہان انگلستان کی نسل سے تھی۔ اس کی دانائی و دوراندیشی کا حال اسوقت کلاب رابرٹ نے جنگ صلیبی سے واپس آکر تخت انگلستان کا دعویٰ کیا اور تمام رعایا ہنری کی وفاداری میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ جنگ میں گرفتار ہو گیا اور نارمنڈی بھی ہنری کے قبضے میں آگئی۔ ہنری انگلستان کا پہلا بادشاہ ہے جس نے شہروں کیوریاجس کو ایسے فرمان عطا کئے جس سے وہ امراۓ (عدالت شاہی) جاگیردار کی مداخلت بے جا سے اور حد سے بڑھے ہوئے محصولوں سے محفوظ ہو گئے۔

اس نے وہ مشورہ و معروف محکمہ قائم کیا جو کیوریاجس، (عدالت شاہی) کہلاتا ہے جس میں بادشاہی ماگزاروں کے مقدمے پیش ہوا کرتے تھے اسی عدالت کا ایک صیغہ اسپیکر (عدالت خزانہ) کہلاتا تھا جو شاہی مالیات کا نگران تھا۔ اپنے بیرونوں سے اس نے اسبات کی قسم لی کہ اس کے بعد اس کی بیٹی مٹلڈا کو تخت نشیں کریں گے لیکن اُسکے

مرنے پر اسکا بھانجا اسٹیفن فامدان بلوا کا لندن میں آموجو
ہوا اور تخت کے لئے خود اپنا انتخاب کرایا (۵۴۵-۱۱۳۵)
اسٹیفن اور ملڈا میں فتنہ جنگ برپا ہوا اور ۱۱۵۲ء تک
انگلستان کو اس مصیبت سے سخت نقصان پہنچا۔ آخر اسبات
پر اتفاق ہوا کہ اسٹیفن بادشاہ رہے لیکن اسکا جانشین
ملڈا کا بیٹا ہنری ہو۔

ہنری دوم (۱۱۵۴-۸۹) ایک طاقتور صاحبزم
۱۱۵۴-۱۱۸۹ اور لائق بادشاہ تھا۔ اسے بس ایک ہی
زمین تھی یعنی وہ یہ چاہتا تھا کہ انگلستان کا
مالک بن جائے۔ کلیسا و امرا دونوں اس کے سدراہ تھے۔ انھیں
دونوں طاقتوں سے مقابلہ و مجادلہ اس کے عہد کے مشہور
واقعات ہیں۔

ضابطہ کلیرٹن مشاورت کے لئے مجلس اعظم کو وہ اکثر منعقد
کیا کرتا تھا، اور چھوٹے چھوٹے جاگیرداروں
کو اس مجلس میں حاضر ہونے پر مجبور کرتا تھا۔
اس نے ”کیوریاریکس“ عدالت شاہی کو بھی بہت مستحکم کر دیا
اور اس میں عدل و انصاف کے لحاظ رکھنے پر بہت زور دیا۔
۱۱۷۱ء میں اس نے مجلس اعظم کا ایک اجلاس مقام کلیرٹن
میں منعقد کیا اور اس مجلس کے طے کئے ہوئے چند فیصلوں
کا اعلان کیا جو ضابطہ کلیرٹن کہلاتے ہیں اس ضابطے کے
رو سے پرانا طریقہ قسم کھا کر جرم سے بری ہوجانے کا باطل

قرار پایا اور ایک نیا طریقہ جاری کیا گیا یعنی ہر ضلع سے بارہ شخص اور ضلع کے ہر قصبے سے چار شخص منتخب کر کے ان کی ایک مجلس بنائی گئی کہ وہ اس امر کا فیصلہ کریں کہ کس شخص پر مقدمہ چلانا چاہئے (یسی کام اس زمانے میں بڑی جوری کا ہے) اس نے اس طریقے کو بھی پھر تازہ کیا کہ حکام عدالت دورہ کر کے بادشاہ کی طرف سے دادرسی کریں۔ ان حکام کی بے لوث عدالتی سے علاقہ داروں اور ضلعوں کی عدالتیں نظروں سے گر گئیں۔ شاہ میں ہنری نے اس امر کی تحقیق کی کہ مختلف امرا جو شرف (ناظم ضلع) کی خدمت پر مامور ہیں وہ اپنے فرائض کس طرح انجام دیتے ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً ان تمام لوگوں کو اس نے عدے سے علیحدہ کر دیا اور انکی جگہ ادنیٰ خاندان کے لوگوں کو مقرر کیا اور اس سے اعلیٰ طبقہ امرا کے لئے ایک طرح کی روک ہو گئی۔ امرا کے فرائض میں جو فوجی خدمت داخل تھی ہنری نے اسے نقد رقم سے بدل دیا اور خود فوج نوکر رکھ لی۔ لیشیا (فوج محافظ ملک) کا بھی اس نے از سر نو انتظام کیا اور سب لوگوں پر لازم کیا کہ اسکی طلب پر مسلح ہو کر اپنے اپنے صرف سے جنگ کے لئے حاضر ہوں۔

آئین کلیرنڈن اصلاح عدالت میں پادریوں کا فرقہ ہنری کی رائے سے مخالف تھا کیونکہ وہ ان لوگوں کو

بھی شاہی عدالت کے ماتحت کر دینا چاہتا تھا، ^{۱۶۷۱} اللہ میں اس نے آئین کیرنڈن شائع کیا جس سے غرض یہ تھی کہ عدالت شاہی سے پادریوں کی آزادی باقی نہ رہے۔ ^{۱۶۸۱} ایک اسقف و رئیس خانقاہ کا انتخاب بادشاہی افسروں کی حضوری میں، بادشاہی عبادت خانے میں بادشاہ کی منظوری سے ہونا لازمی تھا۔ جو شخص مقتلائے اعظم منتخب ہو نیوالا ہوتا تھا اس پر لازم ہوتا تھا کہ مذہبی صداقت حاصل کرنے کے قبل بادشاہ کے دربار میں امرائے جاگیردار کی طرح حاضر ہو کر اپنی زمین کے لئے آداب خدمت بجالانے اور تمام شرائط جاگیرت یعنی محصول کا ادا کرنا، دربار میں حاضر ہونا قبول کرے۔ کسی اسقف کو بغیر بادشاہ کی اجازت کے اپنے حدود سے باہر جانا منع تھا۔ بادشاہ کے کسی خاص اسامی یا اس کے حشم و خدم میں سے کسی شخص کو خارج از ملت کر دینا یا اس کے علاقے پر تعطل مذہبی کا حکم صادر کر دینا بادشاہ کی اجازت کے بغیر درست نہ تھا۔ نئی بات یہ تھی کہ عدالت کیسا کے متعلق بھی قانون وضع کئے گئے تھے۔ اگر مقدمہ کسی پادری اور وینا دار کے درمیان واقع ہو جس میں اس امر کا اختلاف ہو کہ آیا شاہی عدالت سے اس مقدمے کو تعلق ہے یا کلیسا کی عدالت میں اسکو رجوع کرنا چاہئے تو ایسے اختلافات کا فیصلہ شاہی عدالت کرتی تھی۔ کلیسائی عدالتوں کی تمام کارروائیوں کے وقت ایک شاہی عمدہ دار بھی

موجود رہتا تھا تا کہ اسقف کی عدالت کو اس کی حد اختیار سے متجاوز نہ ہونے دے اور یہاں جب کوئی پادری مجرم قرار پا جاتا تو وہ فوراً شاہی عدالت میں منتقل کر دیا جاتا، اسقفِ اعظم کی عدالت سے اگر فیصلے میں نقص ہوتا تو شاہی عدالت میں مرافعہ کا موقع دیا جاتا تھا لیکن بادشاہ کی منظوری کے بغیر پوپ کی عدالت میں کوئی شخص مرافعہ نہیں کر سکتا تھا۔“

ٹامس بیکیٹ | ٹامس بیکیٹ جب تک چانسلر کے عہدے پر رہا ہنری کا خیر خواہ خادم اور اس کی تمام کوششوں میں شریک و معین رہا۔ لیکن جب وہ کینٹربری کا اسقفِ اعظم بنا دیا گیا تو اسکا نصب العین بدل گیا اور ہنری پادریوں کو اپنے تحت اقتدار میں لانے کی جو کوشش کر رہا تھا اس میں اس نے مخالفت کی۔ بادشاہ کو یہ امر بہت ناگوار گزرا، اور اس کے بعض حُدام نے اس کے کلام کے یہ معنی نکالے کہ وہ بیکیٹ کے قتل کرنے کا خواہاں ہے۔ اسی زعم میں آکر ان لوگوں نے اسقفِ اعظم کو قتل کر ڈالا۔ ہنری نے اس فعل کا انکار کیا اور بیکیٹ کی قبر پر جاکر توبہ کی، اور آئرلینڈ کا کچھ ملک جسے ابھی اس نے فتح کیا تھا پوپ کو خوش کرنے کے لئے اس کے مندر کر دیا۔ اس نے وہ نفرت ایگز ضابطہ کیرنڈن ہی واپس لے لیا۔ اس پوپ نے اس کا گناہ معاف کر کے

پھر اپنے دامانِ شفقت کے سائے میں لے لیا۔
رچرڈ اول ۹۹ - ۱۱۸۹ اس کی زندگی تلخ کردی تھی۔ رچرڈ اول
 (۱۱۸۹-۱۱۹۹) کے لئے ملک کو چھوڑ کر ہنری

سلسلہ میں مر گیا۔ رچرڈ نے صرف چند مہینے انگلستان میں
 گزارے اس کے عہد کی اہمیت اس کے کچھ کام کرنے
 سے نہیں بلکہ کچھ نہ کرنے سے ہے، ملک سے اس کی
 عدم موجودگی نے انگریزوں کو اپنی مقامی آزادی کے بڑھانے
 کا اچھا موقع دیا۔

جان ۱۲۱۶ - ۱۱۹۹ لیاقت کے ساتھ خاندان
 آنجوی کی تمام برائیوں کا بھی جامع تھا۔ اس میں
 تدبیر و معاملہ فہمی کی قابلیت تھی۔ لیکن اسکے

ساتھ ہی پاس عزت کا خیال اس میں مطلق نہیں تھا اور
 حد سے زیادہ بیباک واقع ہوا تھا۔ شاہی عہد و بیان کو توڑ
 ڈالنا اور پھر پشیمان نہ ہونا اس کے نزدیک کوئی بات نہ تھی۔
 اس نے جب اینگولیم میں اپنی رعایا کی وادری کرنے سے
 انکار کیا تو ان لوگوں نے بادشاہِ فرانس سے فریاد کی۔
 اس نے جان کو اپنے روبرو حاضر ہونے کا حکم دیا لیکن
 جان نے اس حکم کی کچھ پروا نہ کی اس پر فلپ دوم نے
 اسے معزول کر دیا اور اس کے فرانسیسی صوبوں کو بہت
 دور تک پامال کر ڈالا۔ اپنے بھتیجے آتھر کو قتل کر کے جان

بہت بدنام ہو گیا۔ اسٹین لینگٹن کو پوپ انوسینٹ سوم نے
 کینٹربری کا اسقف اعظم مقرر کیا تھا جان نے اس تقرر کو منظور
 نہ کیا۔ انوسینٹ نے انگلستان پر فتوائے تعطل جاری کر دیا اور
 جان کو خارج از ملت قرار دیا اور آخر کار ۱۲۱۵ء میں اسے
 معزول کر کے اس کا تاج بادشاہ فرانس کو پیش کر دیا۔ اسی
 دوران میں اس کا جبر و ظلم جو رعایا پر تھا اس امر کی طرف
 بصر ہوا کہ اہل کلیسا اور امرا اس کی مخالفت پر باہم متفق
 ہو گئے۔ اسی مخالفت کے توڑنے کی امید میں جان نے پوپ
 سے صلح کر لی اور اس کا جاگیر دار بنکر اپنا تاج اس سے
 حاصل کیا لیکن امرا و کلیسا کے ساتھ اس کی نزاع ۱۲۱۵ء تک
 جاری رہی۔ آخر مجبور ہو کر اسے میگنا کارٹا (منشور اعظم) لکھنا
 پڑا جس میں اس نے اقرار کر لیا کہ رسم و قانون
 قدیم کا لحاظ رکھیں گے، کسی قسم کی تعدی و زیادتی
 باقی نہ رہے گی جاگیرداروں کے جو فرائض ہیں
 ان سے بڑھ کر مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ کلیسا
 کو پھر اگلی سی آزادی دی جائے گی۔ امرا اور رعایا پر آئندہ
 کسی طرح کا تشدد نہ ہوگا۔ یہ بھی اقرار کیا کہ وہ کسی
 مقدمے میں اس وقت تک کسی کے خلاف نہ کوئی حکم دیگا
 نہ ایسے حکم کو نافذ کرے گا جب تک کہ ملزم کے ہم تہ
 اشخاص کے سامنے مقدمہ پیش نہ ہوئے۔ آزادی کی سند
 حاصل کرتے ہی امرا کا اتفاق ٹوٹ گیا۔ جان اپنی قسم

کو اب بھول گیا اور پہلے سے بھی زیادہ رعیت پر تشدد کرنے لگا۔ اس حرکت پر امرانے لوٹس کو جو قلعہ دوم کا بیٹا تھا انگلستان کا تاج پیش کیا لوٹس نے انگلستان پر چڑھائی کی اور کچھ کامیابی بھی اسے ہوئی لیکن جان کے مرجانے سے تویم انگلش اس کے بیٹے ہنری سوم کی حامی ہو گئی۔ جسکی عمر ابھی نو برس کی تھی اور لوٹس کو مجبور ہو کر فرانس میں واپس چلا جانا پڑا۔

ہنری سوم (۱۲۱۶-۱۲۷۲) باپ کے بالکل برعکس تھا وہ رحم دل و پاک باطن تھا لیکن اس کے ساتھ ہی مدغم ہنری سوم و متلون مزاج بھی تھا۔ اس نے بروقت مطالبہ قسم کھانے یا عہد و پیمان کرنے میں ۱۲۱۶-۷۲ کبھی تامل نہ کیا لیکن موقع پاتے ہی اسکو

ٹوڑ ڈالا۔ ادھر اس کی ناقص حکومت سے انگلستان مصیبت میں مبتلا تھا ادھر پوپ نے کلیسا پر محصول کا بار بہت زیادہ ڈال دیا۔ پس ایک طرف ہینری ثانی موٹیفورٹ نے سلطنت کی اصلاح میں کوشش شروع کی، دوسری طرف کروسیٹسٹ (اسقف لنکن) نے پوپ کے مطالبات کی مخالفت کی ۱۲۵۸ء میں غلہ بالکل نہیں ہوا لیکن پوپ نے سال کی آمدنی سے ایک تھائی کا تقاضا کیا۔ اس بوجھ کا برداشت کر لینا اب ناممکن تھا، امراتلوار پکڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور ۱۲۵۸ء میں آکسفورڈ میں آکر بادشاہ کو بعض مراعات

دینے پر مجبور کیا (جو شرائط آکسفورڈ ۱۸۵۸ء کہلاتی ہیں) بعد ازاں انہوں نے جب دیکھا کہ بادشاہ زبان دیکر پھیر گیا تو سیمین ڈی موٹفورٹ کو اپنا سرگروہ بنا کر بادشاہ سے جنگ و جدال شروع کی ۱۸۶۵ء میں سیمین نے مجلسِ علم منعقد پارلیمنٹ میں کی جسے اب پارلیمنٹ کہتے ہیں اور جس میں عوام کا داخل ہر ایک ضلع کے پیرن اور ٹاؤنٹ کے سوا ہونا ۱۸۶۵ء بعض بعض قصبوں کے دو دو اہل قصبہ نے بھی جگہ پائی۔ سیمین نے ان لوگوں کو اس

باب میں مشورہ دینے کے لئے طلب کیا تھا کہ قصبوں پر کقدر موصول لگا سکتے ہیں یہ پہلی پارلیمنٹ تھی جس میں ضلعوں کے نمائندوں کے ساتھ قصبوں کے نمائندے بھی طلب کئے گئے تھے۔ سیمین کے مرنے اور ہنری کے سلطنت سے دست بردار ہو جانے سے خانہ جنگی کا خاتمہ ہو گیا اور تمام اختیارات ملکی، شہزادہ آڈورڈ کے ہاتھ میں دے دیئے گئے۔

آڈورڈ اول آڈورڈ اول کی حکومت کے کارناموں میں ۱۸۶۲-۱۳۰۷ء ویلز (۱۲۸۴) اور اسکاٹ لینڈ (۱۳۰۵)

کی فتح نمایاں کارنامے ہیں، مگر اسکاٹ لینڈ نے جنگ جاری رکھی اور ۱۸۷۱ء میں بینک برن کے معرکہ میں پھر آزادی حاصل کر لی۔ اس کے مجوزہ قوانین اکثر وجوہ سے اچھے اور تاج کی قوت بڑھانے میں بکار آمد تھے۔ ۱۸۹۵ء

پارلیمنٹ کا نظام کامل طور سے منضبط ہو گیا اور ۱۲۹۷ء میں آڈورڈ نے سابق منشورات کی تصدیق کرنے کو منظور کر لیا۔

آڈورڈ دوم | آڈورڈ دوم (۲۴-۱۳۰۴) اپنے حاشی کے قبضے میں تھا، اور اس کی حکومت ہر طرح سے ناقص ثابت ہوئی۔ بادشاہ بیگم اور اسکے آشنا روجر ماریٹر نے بادشاہ سے جنگ کی اور ۱۳۰۴ء میں رعایا بھی ان کے ساتھ شریک ہو گئی اور بادشاہ کو مغرول کر دیا اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہ قید خانے میں مار ڈالا گیا اور آڈورڈ سوم ماریٹر کی تولیت میں بادشاہ قرار ہوا۔ جنگ صد سالہ میں انگلستان میں یکے بعد دیگرے شاہانِ ذیل نے سلطنت کی۔

آڈورڈ سوم ۱۳۲۷ء تا ۱۲۷۷ء

ریچرڈ دوم ۱۳۷۷ء تا ۱۳۹۹ء

ہنری چہارم ۱۳۹۹ء تا ۱۴۱۲ء

ہنری پنجم ۱۴۱۲ء تا ۱۴۲۲ء

ہنری ششم ۱۴۲۲ء تا ۱۴۶۱ء

اسی زمانے میں فرانس کے فرماں روا حسب ذیل ہوئے۔

فلپ ششم ۱۳۲۸ء تا ۱۳۵۰ء

جان ۱۳۵۰ء تا ۱۳۶۴ء

چارلس پنجم ۱۳۶۴ء تا ۱۳۸۰ء

چارلس ششم ۱۳۸۰ تا ۱۴۲۲

چارلس ہفتم ۱۴۲۲ تا ۱۴۶۱

مسئلہ زیر بحث جنگ صد سالہ کے شروع میں اصل زیر بحث

مسئلہ یہ تھا کہ آیا سارا فرانس بادشاہ فرانس

کے زیر فرمان رہنا چاہئے یا گینی و گیسکونی کو بطور انگلستان

کے قبضے میں رہنے دیا جائے انگلستان ملک فرانس کے

اتنے بڑے حصے پر قابض تھا جس سے ملک فرانس کے

متحد ہونے کو وہ روک سکتا تھا اور حالت یہ تھی کہ تمام

سرزمین فرانس پر شاہی قبضے کا ہو جانا ایک ایسا عظیم الشان

مسئلہ بن گیا تھا جس نے شاہ فرانس کو سخت مشکل میں

ڈال دیا تھا۔ اس امر کا یقین تھا کہ انگلستان و فرانس کے

درمیان جنگ و جدال ضرور ہوگی جسکا انجام یا تو یہ ہوگا

کہ شاہ انگلستان تمام ملک فرانس کو فتح کر کے بادشاہ

فرانس سے تخت چھین لیگا یا بادشاہ فرانس قوم انگلش کو

نخال باہر کریگا اور اس تمام ملک کو دوبارہ فتح کر لیگا جسکے

خلقی حدود، زبان اور عادات کی مشابہت شاہ فرانس کی

تیناؤں کو جائز طور پر اپنی طرف متوجہ کر رہی تھیں۔

جنگ کی اڈورڈ اور فلپ میں پہلے اسکالینڈ کے باب

بنائے ابتدائی میں نزاع پیدا ہوئی۔ ۱۳۳۳ء میں اڈورڈ بیل

نے تخت اسکالینڈ کا دعویٰ کیا اور اڈورڈ

سوم سے کمک مانگی۔ ڈیوڈ بروس جو دوسرا دعویٰ دار ملک تھا

بھاگ کر فرانس چلا گیا۔ اس زمانے میں فلپ ششم ہندریکسز میں اپنا اقتدار بڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہاں کے کچھ سیاسی مفرد اور ڈوم سوم کے پاس آکر پناہ کے طلب گار ہوئے اور اورڈ نے انکو اپنی پناہ میں لے لیا یہ امر فلپ کو ناگوار گزرا اور ۱۳۳۸ء میں جنگ صد سالہ شروع ہو گئی۔ اسی سال میں اورڈ سوم فلینڈرز میں گیا وہاں کے لوگوں نے یہ خواہش کی کہ اسے بادشاہ فرانس کا لقب اختیار کرنا چاہئے اس نے بھی اسے مفید مطلب سمجھا اور ۱۳۳۹ء میں مقدمہ جنگ کے طور پر فرانس کے مالک ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی سال انگریزوں کے بیڑے نے فرانسیسی بیڑے کو تباہ کر دیا۔ لیکن اور اعتبار سے محض چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں یہاں تک کہ ۱۳۴۰ء میں کرسی کا جنگ کر لیں میدان اورڈ کے ہاتھ رہا اور اسکے دوسرے سال اس نے کیلے کو بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد عارضی التوائے جنگ ہوا جو ۱۳۵۵ء تک

۱۳۴۶

قائم رہا، اسی سال کالے شہزادے اورڈ نے جنوبی فرانس کو بہت دور تک تباہ و تاراج کر دیا۔ پوائیٹرز کے قریب اس کی فوج پر جس میں کل آٹھ ہزار سپاہی تھے ایک بڑا لشکر کوئی پچاس ہزار

پوائیٹرز
۱۳۴۶ء

فرانسیسیوں کا ٹوٹ پڑا مگر فتح اسی کو ہوئی بلکہ اس نے فرانس کے بادشاہ جان کو گرفتار کر لیا اور اسے انگلستان میں لے آیا۔

۱۳۵۹ء میں اڈورڈ نے فرانس پر دوسرا حملہ کیا لیکن چند سال پیشتر جو حملہ اس نے کیا تھا اس کی تباہی و بربادی دیکھ کر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ خود صلح کی خواہش کی۔ برٹشنگ کی رو سے اڈورڈ نے تاج فرانس کے دعویٰ سے دست کشی کی اور کئی بڑے صوبے فرانس کے اسکول گئے۔ کالائبرہ اکویشن میں حکومت کرنے کے لئے بھیجا گیا لیکن محمول آٹلان جاری کرنے سے رعایا اس سے بگڑ گئی۔ کئی برس تک انگریز فرانس کے اکثر شہروں کو لوٹتے اور تباہ کرتے رہے لیکن فرانس والے باقاعدہ جنگ سے گریز کرتے رہے اور دوسری تدابیر سے رفتہ رفتہ بہت سے ملک پر پھر قبضہ کر لیا۔

ہنری پنجم (۱۲۱۳-۱۲۲۱) کی تخت نشینی تک جنگ و جدال گویا موقوف رہی اس کے باپ ۱۲۱۳-۱۲۲۱ء جنگ کو ازرنو جہاں ہنری چارم نے رچرڈ دوم کو معزول کر کے تخت انگلستان پر قبضہ کر لیا تھا اس وجہ سے کرتا ہے۔

ہنری پنجم کو اس بات کا اندیشہ ہوا کہ اس کی سلطنت کی بنا مستحکم نہیں ہے لہذا اپنے کو ہر دلعزیز بنانے کے لئے یہی بات اس کے خیال میں آئی کہ فرانس میں کوئی کامیاب جنگ کرنی چاہئے۔ پس اپنے تاج فرانس کے دعویٰ کو اس نے پھر تازہ کیا لیکن مقام ہارفلور میں اس کے لشکر میں بیماری پھیل گئی جس سے دو تھائی فوج ضائع ہو گئی۔ اس پر بھی (۱۲۱۵ء میں) پندرہ ہزار سربازوں کو لیکر پچاس ہزار

جنگ اترین کور فرانسیسی لشکر کو جنگ اترین کور میں شکست دی۔ چارلس ششم ایک ضعیف العقل بادشاہ تھا۔ لاکھ دو گروہوں کے قبضے میں تھا ایک گروہ ڈیوک برگنڈی کے تحت میں تھا دوسرا کاونٹ ارمانگک کے زیر اثر تھا۔ دونوں فرقوں میں اس قدر عداوت اور بیڑ تھا کہ برگنڈی والے انگریزوں کی طرف ہو گئے اور سلاسلہ کے معاہدہ ٹرائے کی رو سے ہنری پنجم کا چارلس کی زندگی تک متولی سلطنت فرانس رہنا اور اس کے مرنے کے بعد بادشاہ لاکھ ہونا تسلیم کر لیا گیا۔ سلاسلہ میں موت نے بادشاہوں کا خاتمہ کر دیا ہنری ششم ابھی نو مہینے کا بچہ تھا مگر انگلستان اور تمام شمال فرانس میں اس کا بادشاہ وقت ہونا تسلیم کر لیا گیا اور ڈیوک ہدفرد متولی سلطنت مقرر ہوا۔ اس نے بہت خوب اصلاحیں کیں اور فرانس میں اچھی طرح حکومت کی۔ چارلس ہفتم (دو بعد) لائٹر کے جنوب میں بادشاہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ ہدفرد نے اس پر لشکر کشی کی اور ایک وقت میں یہ معلوم ہوتا تھا کہ انگریز تمام فرانس پر قابض ہو جائیں گے۔ ہدفرد نے سلاسلہ میں آریلز کا محاصرہ کر لیا تھا اور حسب دلخواہ کامیابی کی امید تھی فرانس کے بعض امرا خصوصاً ڈیوک برگنڈی، انگلستان والوں سے الگ ہو گئے اور ایک غیر مترقبہ ملک بھی بنی گئی۔

جین دی آرک ایک دہقان کی لڑکی جین دی آرک جسکی عمر

صرف سترہ برس کی تھی اس کے دل میں اس بات کا یقین بیٹھ گیا کہ خدا کی طرف سے اسے الامام ہوا ہے کہ اپنے بادشاہ چارلس ہفتم کو ریمز کی طرف لے جائے تاکہ وہاں اس کو تخت نشین کرے، اور قوم انگلشیہ کو نکال باہر کرے۔ فرانس کی عورتوں میں ایک جین ہی کو یہ خیال نہ تھا کہ اس امر عظیم کے لئے خدا نے اس کو مقرر کیا ہے بلکہ ان دونوں ایسا اشتعال اور ایسا جوش قومی پھیلا ہوا تھا کہ کتنی ہی عورتیں اس بلند دعویٰ کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں ان میں ایک جین ہی ایسی تھی کہ اس کی بات کی شنوائی ہوئی۔ ابتدا میں کسی کو اس پر بھروسہ نہ تھا لیکن چونکہ کسی اور طرح کی کمک ممکن نہ تھی اس لئے اسے اُس نوجوان بادشاہ کے سامنے لے گئے اور بادشاہ نے اسے یہ موقع دیا کہ اپنی الہامی صدا کی آزمائش خاطر خواہ کر لے۔ مفائد لشکر کا عمدہ اسے دے دیا گیا لیکن اس کے احکام کے صرف ایک جزوی حصے کی تعمیل ہوتی تھی کیونکہ فوج کو جو حکم وہ دیتی تھی اس کی پوری تعمیل محالات میں سے تھی۔ درحقیقت بران لشکر نے اس عورت سے لشکر میں جوش، اور جوش میں اتہاکا اشتعال پیدا کر دینے کا کام لیا۔ اسی نے فوج انگلشیہ پر آئریز کے سامنے حملہ کیا اور شہر کا محاصرہ توڑ دینے میں کامیاب ہو گئی۔ اب دریا میں دوسری موج آئی اور ہر شخص خوشی کے جوش میں دیوانہ ہو گیا، اس کی کرامات کا اہل فوج کو ایسا اعتقاد

ہو گیا کہ ان کے حملے کو روکنا ممکن نہ تھا۔ انگریزی فوجیں
پسپا ہوتی گئیں اور ایک شہر کے بعد دوسرے شہر پر فرانسیسیوں
کا قبضہ ہوتا گیا تا آنکہ بہت ہی جلد ۱۷۹۳ء میں بمقام ریمز
پارلس ہنقم کی تاجپوشی عمل میں آئی۔ عین برابر لڑتی ہی چلی
جاتی تھی لیکن برگنڈی والوں نے اسے گرفتار کر کے انگریزوں
کے ہاتھ بیچ ڈالا اور انہوں نے اسے مقام روان میں بے جا کر
اس پر ہادوگری و الحاد و ارتداد اور کتنے ہی اور جرائم کا (جو
از منہ مظلہ ہی میں ایجاد ہو سکتے تھے) الزام قائم کر کے
موت کا فتویٰ دیدیا۔ اس کی نوجوانی، اس کے بھولے پن،
اس کی عالی ہمتی پر کسی کو رحم نہ آیا اور مئی ۱۷۹۳ء میں وہ
زندہ جلاد دی گئی۔

لیکن مرنے کے بعد بھی ملک فرانس میں وہ ایک طاقت
بھی جاتی رہی، اس کے نام سے اس کے ہموطنوں میں وہ
ہمت و جرأت پیدا ہو گئی تھی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ
فرانس سے انگریزوں کا استیصال کئی ہو جائے۔ بڈفرڈ نے
دیکھ لیا کہ انگریزوں کے خلاف مخالفت کا جوش برابر بڑھتا چلا
جاتا ہے۔ ۱۷۹۳ء میں اپنے مرتے وقت ڈیوک برگنڈی بھی
انگریزوں سے ترک رفاقت کر کے پارلس ہنقم کی رعایا میں
انگریزوں کا اخراج داخل ہو گیا۔ جگ اور کئی برس تک ہوتی رہی
۱۷۹۳ء آخر کار ۱۷۹۳ء میں کیلے کے سوا انگریز تمام
ملک فرانس سے نکال دئے گئے۔ اسکے ساتھ ہی

جنگ صد سالہ ختم ہو گئی۔ جس کا آخری نتیجہ یہ تھا کہ ملک فرانس متحد ہو گیا۔ اس جنگ کا انگلستان و فرانس دونوں ملکوں پر بہت گہرا اثر پڑا اور اس کے ختم ہوتے ہی دونوں ملک ترقی کے نئے میدان میں داخل ہونے کے لئے تیار تھے۔

انگلستان میں پندرہویں صدی کے درمیان انگلستان کے آئینی تغیرات دستور سلطنت میں غلیم اشان تغیرات ہوئے۔

۱۳۳۷ء میں اوڈورڈ دوم نے یہ اعلان کیا کہ آئندہ سے جمیع معاملات سلطنت کا فیصلہ پارلیمنٹ میں ہوا کریگا جس میں اساتذہ و امرا اور عام رعایا کی نمائندگی ہوگی۔ اس نے جاگیرداروں پر سے خاص خاص محصول بھی اٹھا دئے اور پارلیمنٹ کی منظوری سے جو کچھ ملجائے اسی پر اس نے قناعت کی۔ ۱۳۴۱ء میں عام ارکان کو امرا سے جدا کر دیا اور معاملات پر غور و خوض کرنے کے لئے ان کے جلسے علیحدہ علیحدہ ہونے لگے۔ ۱۳۷۶ء میں پارلیمنٹ نے اس اختیار کا دعویٰ کیا اور اس سے کام بھی لیا کہ بادشاہ کی مجلس شوریٰ کے ارکان پر وہ خیانت کے متعلق مقدمہ چلا سکے۔

معاشرتی تحریکات پندرہویں صدی اس باب میں بھی امتیاز رکھتی ہے کہ لوگوں میں ترقی کی تحریک پیدا ہو گئی تھی جو ہر بات سے ظاہر ہو رہی تھی۔ ۱۳۷۹ء

میں تمام یورپ میں طاعون پھیل گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ شاید آدھے آدمی مر گئے۔ انگلستان کے بعض پورے کے پورے

ضلع ویران ہو گئے۔ اس سے لامحالہ آزاد مزدوری پیشہ لوگوں کی ضرورت بے حد محسوس ہونے لگی اس کا طبعی نتیجہ یہ تھا کہ آزاد کاریگر اتنی زیادہ مزدوری مانگنے لگے کہ پہلے کبھی ان کو اتنی مزدوری نہیں ملی تھی۔ انگریزوں کی طبیعتوں میں رسم و رواج کی پابندی بہت راسخ ہے اسوجہ سے ان پر اس کا بہت گہرا اثر پڑا، خصوصاً اسوجہ سے کہ اس زمانے میں کاشتکاری کے مصارف بھی بہت بڑھ گئے تھے۔ مسئلہ میں دونوں ایوانہائے پارلیمنٹ نے باتفاق یہ قانون نافذ کیا کہ سابق میں طاعون کے پہلے جو اجرت معین تھی وہی اب بھی دیکھایا کرے اور جو اجیر زیادہ اجرت مانگے وہ مجسم سمجھا جائے۔ اس کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف طبقات میں جو ناگلائی پہلے سے موجود تھی اس میں اور تلخی پیدا ہو گئی، اور زیادہ طلبی کی ممانعت بھی کچھ کام نہ آئی۔ کام کسی طرح رک نہیں سکتا تھا اور کاشتکار بے زیادہ لئے ہوئے کام نہیں کرتے تھے۔ پس زمینداروں نے اب یہ کوشش شروع کی کہ آزاد مزدوروں کو پابند اراضی کسان بنانے کا طریقہ پھر رائج کریں۔ اکثر حالتوں میں یہ ہوا تھا کہ کاشتکار نے کچھ روپیہ زمیندار کو دیکر خود کو خدمت سے آزاد کرایا تھا۔ اب جو مزدوری اس قدر گران ہو گئی تو جن زمینداروں نے کاشتکاروں سے خدمت کے عوض روپیہ لینے کا معاہدہ کیا تھا انہوں نے عہد و پیمان کو بالائے طاق رکھ کر خدمت کے عوض روپیہ

لینے سے انکار کر دیا۔ اس سے دشواری رفع ہو جاتی اور زمینداروں کو اپنی زمینوں پر کاشت کرنے کیلئے کافی تعداد میں مزدور مل جاتے لیکن اس معاملے کی نا انصافی نے بغاوت پیدا کر دی۔ وکلف کے واعظوں میں سے بہتوں نے کاشتکاروں کے معاملے میں امداد دینی شروع کر دی اور بہت سے دھقانی بھی اٹھ کھڑے ہوئے اور جا بجا پھر پھر کر لوگوں کو بغاوت پر راغب کرنے لگے اس سے تمام انگلستان میں شورش پھیل گئی۔ امرا کے مال و جائداد پر حملے ہونے لگے ان کی محفوظ شکار گاہیں اور مچھلیوں کے تالاب تباہ کئے جانے لگے۔ پابند اراضی کسانوں کے اقرار نامے اور معاہدے وغیرہ کے کاغذات و اسناد جو کچھ ملے جلادے گئے اور بہت شورش سے آدمی بھی ہلاک ہوئے۔ لاکھ آدمیوں واٹ ٹائلر سے زیادہ کا ایک شکر جس کے سرگروہ واٹ ٹائلر جیک اسٹرا، جان بال تھے لندن کی طرف روانہ ہوا۔ ان لوگوں کو توقع یہ تھی کہ امرا کے مقابلے میں وہ بادشاہ سے فریاد کریں گے۔ وہ لندن میں داخل ہو گئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کر ڈالا جن میں پبل کے نئے مدرسہ قانونی کے وکلا اور کینٹربری کا اسقف اعظم بھی شامل تھا، جس نے پارلیمنٹ میں بہت سے نفرت انگیز سنے پیش کئے تھے۔ رچرڈ دوم جو ابھی محض لاکا تھا وہ ان لوگوں سے ملا اور اقرار کیا کہ پابندی اراضی کا طریقہ موقوف کر دیا جائے گا، اس پر اکثر

دھقان اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ لیکن ان میں سے قریب بیس ہزار دھقانوں کی جمعیت فساد پر مکرستہ تھی اور وہ اسوقت تک منتشر نہ ہوئی جب تک فوج نے اس پر حملہ کر کے اسے منتشر نہیں کر دیا۔ بغاوت کے بعد ہی سخت ٹیڑھیں دی جانے لگیں۔ سرغنہ اور بہت سے دوسرے لوگ جو اس بغاوت میں شریک تھے قتل کئے گئے۔ انگلستان ان باغیوں کے خلاف متحد ہو گیا اور دھقانوں کی جو تباہی اور بربادی اب ہوئی پہلے سے بھی بدتر تھی۔

وکلف | جان وکلف نے قوم میں جس روشن خیالی کی بنا ڈالی تھی دھقانوں کی بغاوت سے اس پر برا اثر پڑا۔ اس نے بے لوث ہو کر ”د قزیت“ و ”انجیل“ کا مطالعہ کیا تھا اسی وجہ سے اس نے بہت سے امور میں کلیسا سے قطعی اختلاف کیا۔ اس نے پوپ کے اقتدار اور روٹی اور شراب کی قلب مابیت بلکہ بعد میں خود عشاءِ بانی پر اعتراضات کئے۔ پہلے اس نے صرف انہیں امور کے خلاف کوشش کی جنہیں وہ کلیسا کی غلط انگاری کہا کرتا تھا مثلاً پادریوں کا دنیا دار رہنا، کلیسا کی طرف سے گراں محصول لگانا، معافی و رحم کا بیٹھا، غریب الوطن ہو کر زیارت کو جانا، استخوانہا نے اولیا کو مقدس سمجھنا، اویائے مسیحی کی پرستش کرنا، لیکن جون جون اس کی مخالفت کی گئی اسکے خیالات اور بھی پختہ ہوتے گئے آخر نوبت یہاں تک پہنچی

کہ ہر بات میں اس نے کیسا سے علانیہ اختلاف کیا۔ کتب مقدس کا مطلب جو کچھ وہ سمجھا تھا اسی کو براہ راست اپنے اصول کی بنیاد قرار دیا۔ اپنے مذہب کی تعلیم کو عام کرنے کے لئے اس نے بہت سے واعظ ہر طرف روانہ کئے۔ انہوں نے بہت سے لوگوں کو اپنا پیرو بنا لیا۔ اس کو زیادہ تر علامتہ اناس کے ساتھ ہمدردی تھی اور انہیں نے اس کی اصلاح کی قدر بھی کی۔ لوگوں کے خیالات پر اس کا جو اثر پڑا ہوا تھا دہقانوں کی بنیاد کے اسباب میں کچھ نہ کچھ اس خیال کو بھی ضرور دخل تھا۔ باغیوں کے ہاتھ سے جو مظالم ہوئے اُن سے اُمرا بلکہ عوام بھی برہم ہو گئے اور اس سے وکلف کی تحریک بہت بدنام ہو گئی۔ اس کے واعظ جن کا نام لولارڈ یعنی ”دستنبیل باتونی“ ہو گیا تھا، سب کچل ڈالے گئے اور اُن کو سزائیں ہوئیں۔ خود اس کی بھی پادریوں نے بہت مخالفت کی وہ سزا سے تو بچ گیا لیکن آکسفورڈ چھوٹ کر اپنے وطن لٹورتھ کی طرف اسے چلا جانا پڑا۔ یہاں اُس نے اپنی عمر کا آخری زمانہ کتاب مقدس کے ایک سابق ترجمے پر از سر نو نظر ڈالنے میں صرف کیا۔ اس کو حکم ہوا کہ روم میں حاضر ہو کر اپنے الزامات کا جواب دے لیکن موت نے اسے مہلت نہ دی۔ کچھ تو مصلحت مکی اور کچھ ہنری پنجم اور پوپ کا باہم اتفاق، اس امر کی طرف بفر ہوا کہ اس کے پیروں کو برابر سزائیں دیکھانے لگیں اور اس طرح اسکی تمام کوششیں

کا لچدم ہو گئیں۔

گلابوں والی لڑائی
 ۱۴۶۱-۱۴۸۳
 ہنری ششم کو آخر عمر میں بار بار جنوں کے دورے ہونے لگے یہی امر براہ راست اس خانہ جنگی کا سبب ہوا جس کا نام مخالفین کی جنگی علامتوں کی وجہ سے "گلابوں والی لڑائی" مشہور ہے۔

یہ جنگ انگلستان کے بڑے بڑے خاندانوں کے درمیان ہوئی تھی پہلے تو مخالفت بادشاہ کی ذات پر نگرانی حاصل کرنے کے لئے تھی اور آخر میں خود بادشاہی کے بے جنگ ہونے لگی ڈیوک یارک نے ہنری ششم کو تسلط میں انگلستان سے نکال دیا اور خود اڈورڈ چہارم کا لقب اختیار کر کے تاج شاہی سر پر رکھا (۱۴۶۱-۱۴۸۳) لیکن دس برس تک کچھ نہ کچھ جھگڑے ہوتے رہے انگلستان میں امن و اطمینان نہیں ہوا، کیونکہ اڈورڈ چہارم اور اس کے بڑے ہوا خواہ واروک میں جسے بادشاہ گر کہتے ہیں تنازعہ ہو گیا۔ واروک آبنجو کی مارگریٹ سے مل گیا اور فرانس کے ساتھ اتفاق کر لیا مگر اسلئے میں اڈورڈ نے واروک کو مقام بارنٹ میں اور مارگریٹ کو ٹیوکسبری میں ہزیمت دیدی۔ اب اڈورڈ نے بے کھٹکے تحت انگلستان پر تسلط پاکر برگنڈی کے چارلس (دویر) کو اپنا شریک کر کے لوٹس یازدہم شاہ فرانس سے جنگ چھیڑ دی۔ اسے توقع یہ تھی کہ فرانس کی قوت کو اندر لینڈ زپر حاوی نہ ہونے دیگا مگر اس کے کئے

کچھ ہو نہ سکا۔ اس کے مر جانے سے اسکا بیٹا اڈورڈ پنجم بارہ برس کے سن میں تخت نشین ہوا اور اڈورڈ کا چچا رچرڈ ڈیوک گلوستر محافظ مقرر ہوا۔ رچرڈ نے اڈورڈ پنجم اور اس کے چھوٹے بھائی ڈیوک یارک کو ٹاور میں ڈال دیا اور ان بچوں کی ماں کے رشتہ داروں کو جو اب تک بڑا اثر رکھتے تھے قید کر لیا یا قتل کر دیا۔ اسے یہ اندیشہ تھا کہ نو عمر بادشاہ کی اگر تاجپوشی ہوگئی اور وہ بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تو رچرڈ سوم خود اس کی جان کی خیر نہیں ہے، اس سبب سے اس نے خود اپنی ماں پر نہایت بیشری سے فحش کی تہمت لگا کر حق سلطنت کو اپنے لئے ثابت کرایا اور ۱۲۸۳-۱۲۸۵ میں رچرڈ سوم کے لقب سے تاج شاہی سر پر رکھا۔ اس کی اس حرکت پر کچھ کچھ مخالفت بھی ہوئی لیکن اس نے چلنے نہ دی۔ اب وہ یہ سمجھا کہ جب تک اڈورڈ پنجم اور اس کا بھائی یہ دونوں زندہ ہیں میری سلطنت مستحکم نہیں ہے اسی خیال سے دونوں پر قلعے کے اندر بند رچرڈ کے حکم سے چھری پھیر دی گئی مگر اس حرکت نے اس کی ہردلعزیزی کو متزلزل کر دیا۔ ڈیوک رچنڈ کو جو اڈورڈ سوم ہی کی اولاد میں تھا انگلستان پر لشکر کشی کی ہمت ہوئی۔ جنگ ہاس ورتھ میں (۱۲۸۵) رچرڈ سوم مارا گیا اور ڈیوک رچنڈ ہنری ہفتم کا لقب اختیار کر کے انگلستان کا بادشاہ ہو گیا۔ تقریباً تیس برس تک ان خانہ جنگیوں کے سبب ہے

انگلستان پر ایسی ایسی سخت مصیبتیں پڑیں کہ لوگ تنگ آکر
 ہنرمی ہفتم | آرزو کرنے لگے کہ کچھ بھی ہو، اور کسی کی
 ۱۵۰۰-۱۴۸۰ بھی اطاعت کرنا پڑے لیکن اس کی طرح
 اس قائم کرتا ہے ہو جائے۔ اس جنگ کی پہلی ایک مصیبت
 نہ تھی کہ امرا کے بڑے بڑے خاندان تباہ
 ہو گئے بلکہ خانہ جنگی سے جو دشت و ہیبت ہر جگہ پیدا ہوئی
 تھی اس کا اثر یہ ہوا کہ خاندان یوڈر کے لئے جسکا سرخیل
 ہنرمی ہفتم تھا، خود سری و مطلق العنانی کا راستہ کھل گیا اور
 حکومت کرنے میں انھیں نہ دستور سلطنت کا لحاظ رہا نہ
 پارلیمنٹ کا۔ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ خانہ جنگی سے
 بدتر کوئی مصیبت نہیں ہے اس لئے وہ ایک قوی بادشاہ
 کے تسلط کو قیمت سمجھے کیونکہ انکو یقین یہ تھا کہ ایسا ہی
 بادشاہ اس و انتظام قائم رکھ سکتا ہے۔

انگلستان میں | اسی زمانے میں انگلستان میں نشاۃ جدیدہ کا
 نشاۃ جدیدہ اثر محسوس ہونا شروع ہوا۔ رپرڈ سوم بھی
 اس ترقی کے حایوں میں نہایت سربرآوردہ تھا
 تخت کا راستہ جب تک اس کے لئے نہیں کھلا تھا
 اس وقت تک اس جانب اس کی توجہ و آمادگی بہت رہی
 مگر اسکے دماغ میں غصب ملک کی ہوا کا بھر جانا خود
 اس کے حق میں بھی اور اشاعتِ علوم کے لئے بھی بہت
 برا ہوا تاہم بادشاہ ہوتے پر بھی اس نے علوم جدیدہ

کے ترقی دینے میں ہمیشہ توجہ کی اور اپنے قوانین سے اس کی بہت کچھ اعانت کی۔ اس نے ایک قانون یہ نافذ کیا کہ جو تاجر اس کی علداری میں باہر سے کتابیں لائیں یا بیچیں ان کے لئے کہیں روک ٹوک نہ ہو، نہ کسی طرح کا مضر انہیں پہنچنے پائے۔ اس زمانے میں علم کی نشوونما کا جوش دفعۃً پھیل گیا۔ اس میں شک نہیں کہ کسی قسم کی نمود اس باب میں ابھی تک نہیں ہوئی تھی لیکن سولہویں صدی کی شاندار کامیابی کی بنیاد پڑ چکی تھی۔

فرانس میں اب ہم فرانس کی طرف پھر رجوع کرتے ہیں، چارلس ہفتم کے آخری عہد میں وہ اقبال مندی نہ رہی جو شروع میں تھی۔ **مستقل فوج** جین ڈی آرک

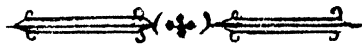
نے اس کے لئے جو فتوحات کئے تھے، اس کے سبب سے بادشاہ کو دد فخر کا لقب مل گیا۔ ایک مستقل فوج تیار کر کے وہ اپنے جاگیرداروں سے کمک لینے سے بے پروا ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے لوئس سے تنازعہ پیدا کر لیا جس سے وہ (لوئس) اس کے دشمنوں سے جا کر مل گیا اور اس کے خلاف میں سازشیں کیں۔ علاوہ بریں بادشاہ ناقص وزیروں کے قابو میں آ گیا اور اس کی منظور نظر فاشٹ عورتوں کی موجودگی نے اس کے دربار کو بھی گندہ کر دیا تھا۔

لوئس یازدہم لوئس یازدہم (۱۴۶۱-۱۴۸۳) بادشاہی کے ۱۴۶۱-۱۴۸۳ لحاظ سے فرانس کے تمام بادشاہوں سے

زیادہ کامراں و اقبال مند تھا، لیکن ظالم، مکار، بلاطور، بے اصول ہونے میں اسے خاص ناموری حاصل تھی۔ دورخی کارروائی کرنے اور دغا دینے کے فن میں وہ استاد کامل تھا۔ اسکی سلسلہ حکمت علی یہ تھی کہ نئے ممالک کی فتح جلدی رہے اور شاہی اقتدار بڑھتا رہے۔ اسکے زمانے میں بہت سی بڑی بڑی جاگیریں صرف خاص میں شامل ہو گئیں، دو بہت بڑے اضافے مشرقی سرحد پر ہوئے سلسلہ میں ڈیوک برگنڈی چارلس (دویر) کے مرنے پر لوئس یازدہم نے اسکی جاگیرات کو ضبط کر لیا اور سلسلہ میں پرلونس پر قبضہ کر لیا۔ اس طرح فرانس کی مشرقی سرحد میں بہت وسعت ہو گئی، شاہی حقوق کو بڑھانے کیلئے لوئس نے صوبوں کیلئے ایک ایک پارلیمنٹ (عدالت عالیہ) علیحدہ مقرر کر دی اور اس پیرس پیرس کی پارلیمنٹ کو جو شاہی اقتدار کو سب سے زیادہ محدود کر سکتی تھی کمزور کر دیا۔

فرانس کا | چارلس ہشتم (۱۴۸۳-۱۴۹۸) نے جو لوئس یازدہم کا
متحد کیا جانا | جانشین ہوا سلسلہ میں بریٹنی کا الحاق کر کے بادشاہی
 مقبوضات میں اضافہ کیا اور اس طور درحقیقت ملک کے
 متحد کرنیکی کارروائی مکمل ہو گئی۔ شاہی اقتدارات روز افزوں ترقی کر رہے
 تھے اور اسکے ساتھ ہی جاگیردار امرا کا زور عملاً ٹوٹ گیا تھا۔ بادشاہ محض
 نام کا بادشاہ نہیں تھا بلکہ واقعی فرمانروا و حکمران بن گیا تھا۔ فرانس کے
 سارے ملک پر تسلط پاکر چارلس ہفتم کیلئے باہر نظر دوڑانے کا موقع تھا۔
 اہلی پراسانس سلسلہ میں حملہ آور ہونا تاریخ فرانس میں عہد فتوحات کے
 شروع ہونے کا پہلا سال ہے

باب (۱۶)



جرمنی (۱۸۵۴ء تا ۱۸۷۱ء) اور یورپ کی چھوٹی چھوٹی سلطنتیں

شہنشاہی میں ۱۸۵۴ء سے ۱۸۷۱ء تک کسی شہنشاہ کے نہ ہونے
وہ فہمہ اعظم - سے جرمنی میں مسلسل طوائف الملوک کی قائم رہی -
۱۸۵۴ء - ۱۸۷۱ء بڑے بڑے والیان ملک نے موقع پا کر شاہی جادلوں
پر قبضہ کر لیا اور اپنے سے کمزور امریکی املاک کو اپنے

تقلید میں شامل کر کے اور قوت حاصل کر لی لیکن اس بد امنی و
طوائف الملوک کے باوجود بھی چونکہ شہروں میں آپ اپنے پیروں
پر کھڑے ہونے کا احساس پیدا ہو گیا تھا اسلئے تجارت و صنعت
و حرفت میں ترقی ہی ہوتی رہی جیسا کہ رائن کی لیگ کے حالات
سے واضح ہوتا ہے ۔

وہ سات والیان ملک جنہیں اس زمانے سے بلا شرکتِ غیر
شہنشاہ کے منتخب کرنے کا حق حاصل ہو گیا ہے ، وہ ڈر رہے
تھے کہ اس درمیان میں انہوں نے جن زمینوں کو غصب کر لیا ہے
کہیں کوئی شہنشاہ منتخب ہو کر ان اراضی سے انہیں بیڈل نہ کر دے

اسلئے کسی کو شہنشاہی کے لئے انتخاب کرنے میں تساہل کرتے تھے لیکن تاہم کے۔ آخر پوپ نے ان سے کہہ دیا کہ اگر وہ لوگ کسی کو شہنشاہ نہیں منتخب کریں گے تو وہ خود کسی کو تخت شہنشاہی رکھ لیں۔

کے لئے نامزد کر دیگا۔ اب انہیں لامحالہ کسی کو کاؤنٹ ہیسپیبرگ منتخب کرنا پڑا، چنانچہ انہوں نے رڈلف والی ہیسپیبرگ شہنشاہ ہوا۔

۱۲۹۲-۱۲۹۳ اتنی قوت نہ ہوگی کہ وہ ان کے معاملات میں مداخلت کی جرأت کرے۔ رڈلف اسقدر ذی فہم

شخص تھا کہ تخت نشین ہوتے ہی یہ سمجھ گیا کہ اسکا رور اٹلی میں بالکل ہی نہیں چل سکتا، اور جرمنی میں بھی وہ محض برائے نام ہے اسلئے اس نے اپنی دانائی سے یہ کوشش کی کہ جب قدر بھی ممکن ہو اپنی جائداد میں اضافہ کر کے اپنے خاندان کی بنیاد کو قوی کر دے۔

اٹوکر شاہ بوسیا اس کا سیدراہ ہوا۔ لیکن رڈلف نے اس کو شکست دیکر ۱۲۹۸ء میں اسکی مملکت کو ضبط کر لیا اور اسکا بہت بڑا حصہ اپنے خاندان کے لئے محفوظ کر لیا۔ اسطرح سے آسٹریا خاندان ہیسپیبرگ کے قبضے میں آگیا، اور وائینا ان کا مستقر قرار پا گیا۔

رڈلف اب اپنے خاندان کے اغراض سے فارغ ہو کر شہنشاہی کی جانب مائل ہوا، اور نہایت مضبوطی کے ساتھ قیام امن و معدت گتیری برقرار رکھا۔

رڈلف کی وفات پر انتخاب کنندوں نے اسکے بیٹے کو اس خوف سے منتخب نہیں کیا، کہ

۱۲۹۲-۱۲۹۸

خاندان ہیمپسبرگ ضرورت سے زیادہ قوی ہو جائیگا۔ چنانچہ اسکے بجائے آڈالف آف ناسو (۱۲۹۲-۱۲۹۸) کا انتخاب کیا، لیکن چونکہ اسے بھی شہنشاہی کو گھٹا کر اپنی ذاتی املاک بڑھانے کی خاص کوشش شروع کر دی، اسلئے امر نے اسکا بھی ساتھ چھوڑ دیا اور اُسے مزول کر کے رڈولف اول کے فرزند آلبرکٹ اول (۱۲۹۸-۱۳۰۸) کو تخت نشین کیا۔

آلبرکٹ اول جس نے اپنے باپ کی تقلید میں شہروں کو اپنا دوست بنائے رکھا تاکہ امر کے مقابلے میں ان سے مدد ملے۔ ۱۲۹۸-۱۳۰۸

اسکا جانشین ہنری ہفتم آف لکسمبرگ (۱۲۸۲ تا ۱۳۱۳ء) ہوا، جس نے اپنے لڑکے کی شادی بوہیمیا کی بیوہ ملکہ سے کر کے اس سلطنت کو اپنی نسل کے قبضے میں کر لیا۔

اپنے پیشرووں کے تجربوں سے فائدہ نہ اٹھا کر اسے یہ غلطی کی کہ اس امید پر اٹلی کا رخ کیا، کہ وہاں جاکر نظم و نسق قائم کریگا اگرچہ اسکی تاجپوشی شہنشاہ، ویزمانروائے لومبارڈی، دونوں حیثیتوں سے عمل میں آئی لیکن پیا کے قریب دفتہ اسکا انتقال ہو گیا اور وہ کوئی کام انجام نہ دے سکا۔ اب جانشینی میں جھگڑا پڑا۔

لڈوگ والی بویریا لکسمبرگ والوں نے لڈوگ آف بویریا کو منتخب کیا اور ہیمپسبرگ کے خاندان والوں نے خود اپنے فریڈرک (ہین) میں سے ایک شخص فریڈرک "جین" کا انتخاب کیا آپس میں خانہ جنگی شروع ہوئی جس میں لکسمبرگ والے کامیاب رہے، اور ملے پایاکہ شہنشاہ لڈوگ رہے، لیکن فریڈرک اسکا جانشین ہو اور اس اثنا میں شاہ روما کا لقب اسے

حاصل رہے۔ اور شہنشاہ کی حیثیت میں نائب السلطنت کے فرائض بھی وہی انجام دے لے لڈوگ اب اٹلی کو روانہ ہوا، لیکن وہاں جو ابتری و بدععلی پھیلی ہوئی تھی، اسے مطلق دور نہ کر سکا اور ایک دنیا دار (یعنی سرگروہ روس کیوں) کے ہاتھ سے اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کر کے پوپ کو اپنے سے ناخوش کر دیا۔ جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس میں اور پوپ میں سخت کشمکش پیدا ہو گئی اور عالمگیر اقتدار کے متعلق شہنشاہ اور پوپ کی قدیم رقابت پھر عود کر آئی۔ پوپ نے لڈوگ کو منزول کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ جب تک دوسرے شہنشاہ منتخب ہووے خود شہنشاہ کا کام انجام دیگا لیکن اس موقع پر امر نے مخالفت کی، اور (۱۷۷۳ء میں) بمقام رہنس جمع ہو کر رہنس - انہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ شہنشاہ کے انتخاب کا حق جائز صرف انہیں کو حاصل ہے اور انکا

انتخاب پوپ کی منظوری کا بھی محتاج نہیں ہے۔ لڈوگ نے اپنے باقی ایام حکومت اپنی ذاتی املاک کے اضافے کی کوشش میں بسر کی۔ اس سے انتخاب کنندہ اسکے مخالف ہو گئے، اور چارلس آف بومیا کو لڈوگ کے بالمقابل بادشاہی کے لئے منتخب کر کے لڈوگ کو اس سے جنگ میں مبتلا کر دیا۔ جسکا خاتمہ (۱۷۹۰ء میں) لڈوگ کی زندگی کے ساتھ ہوا۔ اور اسکے بعد چارلس بالاتفاق اسکا جانشین تسلیم کر لیا گیا۔ یہ حیثیت چارلس چہارم شاہ بومیا اسنے خوب فرمانروائی کی۔ بریٹن برگ، سیلیسا موریا، وغیرہ متعدد نئے مقبوضات

اس نے حاصل کیے۔ اپنے دارالسلطنت، شہر برگ سے اسے خاص الفت تھی، چنانچہ یہیں اس نے مسئلہ میں سب سے پہلی جرمن یونیورسٹی کی بنیاد لی، اور اپنے وقت کے بہترین نقاشوں کو اپنے پاس جمع کیا۔ مسئلہ میں اسے گولڈن بول فران ندین، (Golden Bull)

فرمان ندین - شائع کیا جس میں بادشاہ اور انتخاب کنندہ دوں کے باہمی تعلقات منضبط کئے گئے۔ اسے ۱۳۵۶

دوبار اٹلی کے سفر بھی کئے، مگر اہل اٹلی نے ہمیشہ اسکا مضحکہ ہی کیا۔ کیونکہ وہ ایسے محقر شہنشاہ کی کچھ قدر و منزلت نہیں سمجھتے تھے۔ اسے برگنڈی کا تاج اپنے سر پہ لکھ کر، اس کے متعلق بھی شہنشاہی دعوے کی تجدید کی لیکن یہ نزدیکی ہی دعویٰ رہا کیونکہ برگنڈی کے اس وقت تک ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بہت سی خود مختار مائیں قائم ہو گئی تھیں، اور آخر میں فرانس کی روز افزوں سلطنت اسے ہضم کر جانے والی تھی۔ اس کی وفات پر اسکا فرزند ونسزل (۱۳۷۸-۱۴۰۰) تخت نشین ہوا، مگر وہ اس درجہ نالائق نکلا، کہ معزول کر دیا گیا۔

سوئزر لینڈ کی چودھویں صدی میں قوم سوئس نے اپنی آزادی کی اصل و ابتدا۔ - مفاہلت کا تماشا دنیا کو دکھایا۔ سوئیزر لینڈ کی ابتدائی تاریخ کا پتہ لگانے کے لئے ہمیں نسل ہونسلٹائن کے آخری تاجدار کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ فریڈرک دوم کے زمانے میں اری، و شویز، کے دو صحرائی صوبوں کو فرمان شہنشاہی کے ذریعے سے کاؤنٹ ہیسبرگ کی محکومی سے (جن کے اقطاع

ملک (جرمنی کے) اسی حصے یعنی جنوبی سویڈیا میں واقع تھے) آزادی حاصل ہو چکی تھی، ۱۲۹۱ء میں ان دونوں صوبوں کے کچھ نمائندے انٹروالدین کے بعض اشخاص سے ملے، جہاں ایک ہیپسبرگ والوں کو حقوق مالکانہ حاصل تھے، اور انہوں نے باہم عہد و پیمان کئے، اور حلف اٹھائے، کہ اپنی آزادی پر حملہ کرنے والوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کا ساتھ دینگے؛ اسی دن سے سوس اتحاد کی بنیاد پڑی۔ ان سادہ و جفاکش کاشتکاروں، گواہوں، اور صحرائیوں میں اب تک نسل ٹیوٹن کی قدیم دلیری و جوفردی باقی تھی، اور کوہستانی بود و باش اختیار کرنے کی وجہ سے یہ لوگ اب تک کبھی نظام جاگیر داری میں منسلک نہیں ہوئے تھے، اور اب جبکہ اس نظام نے ان کی آزادی میں خلل ڈال کر انہیں پریشان کیا تو انہوں نے عہد کر لیا کہ اس جوے کو اپنے کندھے سے پھینک کر رہینگے۔ اگرچہ انہیں یہ معلوم ہو چکا تھا، کہ ان کے آقا یاں ہیپسبرگ، اب شہنشاہ ہو گئے ہیں، لیکن اس سے بھی ان کے غم و استقلال میں مطلق فرق نہ آیا، بلکہ اب انہوں نے اپنے ہمسایوں کی زمینیں بھی دیانی شروع کر دیں اس سے ہیپسبرگ والوں کا پیمانہ صبر و تحمل لبریز ہو گیا، چنانچہ فریڈرک (حنین) کے بھائی لیوپولڈ نے آسٹریا کے بہترین سپاہیوں کو لیکر ان کے ملک پر حملہ کر دیا۔ مگر ۱۳۰۶ء میں بمقام مورگارٹن متحدین اچانک اس پر ٹوٹ پڑے اور عساکر شہنشاہی کو چند کاشتکاروں نے جو محض کلہاڑیوں اور برچھیوں سے مسلح تھے

کاٹ کر ڈال دیا۔ دنیا کے لئے یہ ایک عجیب و غریب واقعہ تھا جو اس امر کی صاف علامت تھا، کہ اب شہسواروں کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ متحدین کی یہ نمایاں فتح دیکھ کر دوسرے صوبے والے بھی ان کے حلیف ہونے لگے، یہاں تک کہ اس صدی کے وسط تک، زویج و برن کو ملا کر آٹھ نو صوبے متحدین کے تخت میں آگئے۔ اس اتحاد کو ہسپبگ اور اسکے سویٹیا کے جاگیردار حلیفوں سے عرصہ دراز تک اپنی مدافعت میں لڑنا پڑا، یہاں تک کہ ۱۲۸۶ء میں، جنگ سمپاخ میں متفقین کو ایک دوسرے لیوبولڈ پر جو عظیم الشان فتح حاصل ہوئی، اسے ہمیشہ کے لئے متحدین کو شہنشاہی دستبرد کی جانب سے مطمئن کر دیا۔ یہ جنگ گویا جنگ مورگارٹن کا نقش ثانی تھا، جس میں کاشتکاروں اور بیروں کا مقابلہ تھا اور جس میں آرنلڈ آف فیکل ریڈ کا یہ واقعہ کہ جتنے نیزے اسکی گرفت میں آئے سب کو اپنے سینے میں جگہ دیکر، سب سے پہلے اسے دشمن کی صف کو توڑ دیا موثر ہو سکے ساتھ ہی اس امر کی صاف دلیل تھا، کہ شہسواری کا زمانہ ختم ہو گیا اور اب نئے معاشرتی نظم کی مردانگی و بابت کا دور شروع ہو رہا۔

ریوبورٹ	شہنشاہ ریوبورٹ (۱۲۰۰-۱۲۱۰ء) کی وفات پر
۱۲۱۰-۱۲۱۱ء	پھر انتخاب میں جھگڑا پڑا، لیکن آخر سکسمنڈ
سکسمنڈ	(۱۲۱۰-۱۲۳۷ء) ہی شہنشاہ تسلیم کر لیا گیا۔
۱۲۱۰-۱۲۳۷ء	اسنے کلیسا میں اصلاحیں کرنے کا ارادہ کیا، اور

اور اس غرض سے کانٹینس میں ایک مجلس منعقد کی، جسے اعتزل

ویدینی کے الزام میں ہس کے متعلق زندہ جلادیئے جانے کا فتویٰ دیا، اور ان تین پاپاؤں کو جو باہم جھگڑ رہے تھے، مغفل کر کے ان کے بجائے مارٹن پنجم کا انتخاب کیا اور اس طرح اختلاف کا خاتمہ کیا۔ ۱۵۸۷ء میں سکسٹ نے فریڈرک ہوسن زولزن کے احسان سے سکدوش ہونے کے لئے اسے بریٹنبرگ کا صوبہ عطا کر دیا۔ فریڈرک نے اپنی عاقلانہ حکومت سے یہاں دوبارہ امن وامان قائم کیا اور ملک کو اپنے قابو میں کر لیا۔ اس کے اخلاف کی قوت اور ان کے مقبوضات برابر ترقی کرتے گئے تا آنکہ ۱۶۱۸ء میں یہ صوبہ پروشیا کی سلطنت بن گیا، جو اس وقت جرمنی میں سب سے زیادہ مقتدر سلطنت ہے۔

بوہمیا کی بغاوت | ہس کے زندہ جلادینے سے بوہمیا میں ایک قومی بغاوت پیدا ہو گئی اس ملک میں قوم سلاو آباد تھی، لیکن اکثر باشندے جرمن بھی تھے۔ ان دونوں قوموں میں باہم سخت اختلافات رہا کرتے تھے، لیکن جب بوہمیا والوں نے دیکھا، کہ ان کے سردار قوم ہس کو شہنشاہ نے زندہ جلادیا ہے، تو انکی آتش غضب سخت مشتعل ہو گئی، اور ۱۶۱۸ء میں جب سکسٹ جائز طور پر بوہمیا کا بادشاہ ہوا، تو ان لوگوں نے اسے بادشاہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اس سے ایک سخت خانہ جنگی برپا ہو گئی، پہلے پیر فان ہس ہی کامیاب ہوتے رہے لیکن کچھ عرصے کے بعد ان لوگوں میں غمہی و معاشرتی اختلافات شروع ہو گئے، تو

بویہیا کی قدامت پسند جماعت ان انتہائی تغیرات سے خائف ہوگئی جو انتہا پسند عمل میں لانا چاہتے تھے اور اس نے شہنشاہ سے مصالحت کر لی اور قیام امن میں اسے مدد دی۔

البرکٹ دوم	۱۸۳۸ - ۱۸۳۹
سکسٹ کے جانشین اور داماد البرکٹ دوم ۱۸۳۸-۱۸۳۹	۱۸۳۹ کا مختصر عہد حکومت خاندان ہسپبرگ کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے، اس لئے

کہ اسی زمانے میں تاج شہنشاہی ازسرنو اس خاندان کے قبضے میں آیا، اور اسی نے اپنے قلمرو کے ان تمام مقبوضات کو متحد کر لیا، جو اس وقت سے اب تک بدستور اسی خاندان کی ملک چلے آتے ہیں۔ اسٹریا، اسٹریا، کارنیولا، ٹرول، بویہیا، ہنگری کی امالت ڈیوک سب ان کے تحت حکومت میں تھیں۔ اس کے بعد اسکا بھتیجا فریڈرک سوم (۱۸۴۰-۱۸۴۳) تخت نشین ہوا مگر اسکا عہد حکومت مسلسل غلطیوں سے بھرا ہوا تھا، یہاں تک کہ بویہیا و ہنگری اس کے ہاتھ سے نکل گئے، اور ۱۸۶۶ء تک پھر ایل ہسپبرگ کے قبضے میں نہ آئے۔

خاندان ہسپبرگ	فریڈرک کے خاندان کی ایک نمایاں و غیر مترقیہ
کابرگنڈی و اسپین پر قابض ہو جانا	خوش قسمتی جنے اسکی عظمت کو چار چاند لگا دئے یہ تھی کہ ڈیوک برگنڈی کی ریاست کا بہت بڑا حصہ اسکی زیر حکومت آگیا۔ پندرہویں صدی میں فرانس کے خاندان شاہی کی ایک شاخ نے اپنی برگنڈی کی جاگیر میں رفتہ رفتہ تمام ندر لینڈز کا بھی الحاق کر لیا تھا

اور چارلس "دلیر" ڈیوک برگنڈی (۱۴۶۷ء تا ۱۴۷۷ء) اس وقت یورپ کا ایک نہایت زبردست فرماں روا شمار ہوتا تھا، اسکے دل میں یہ تمنا پیدا ہوئی، کہ فرانس و جرنی کے درمیان ایک وسیع حکومت قائم کرے جو دونوں سے آزاد ہو اس مقصد کے حصول میں اہل سویٹزرلینڈ اسکے سنگِ راہ ثابت ہوئے، مگر ان کا ملک اپنے موقع کے لحاظ سے اس کے حصول مقصد کے لیے خاص طور پر موزوں واقع ہوا تھا، اس لیے اس نے یہ تہیہ کر لیا، کہ اس کے ملک کو منہر کرے۔ لیکن بہادر پہاڑیوں نے اس شدت کے ساتھ مدافعت کی، کہ حملہ آوروں کو نہ صرف گرنیس و موراٹ میں شکست میں ناکامی ہوئی، بلکہ ان کی پوری فوج شکست میں مقام نینسی برباد ہو گئی، اور خود چارلس میدانِ جنگ میں کام آگیا۔ اسکے وارثوں میں اب صرف ایک لڑکی میری باقی تھی، لوئس نہم شاہِ فرانس نے موقع پا کر فوراً ہی خاص ریاست برگنڈی کو (جو شاہی جاگیر تھی) اس عذر پر اپنے ملک میں شامل کر لیا، کہ اسکا کوئی جائز وارث موجود نہیں ہے، اس کی نیت تو اور بھی بہت سا ملک دبا لینے کی تھی، لیکن شکست میں فریڈرک نے بے محنت تمام اپنے فرزند میکسیمیلیئن کی شادی میری سے کر کے باقی ملک کے لئے ایک جائز وارث مہیا کر دیا۔ اور اس طرح اس کمزور بادشاہ کے عہد میں بھی خاندانِ آسٹریا کے حدودِ مملکت کی توسیع نہیں رکی۔ چند سال بعد (۱۴۷۷ء میں) اسی طرح کے عقد کا ایک اور موقع مل گیا، یعنی میکسیمیلیئن کے فرزند فلپ کی شادی شہزادی جون کے ساتھ

ہو گئی جو فرڈیننڈ وازابیلہ کی وارث تھی اور اس سے اسپین کا وسیع ملک بھی اسی خاندان کے قبضہ میں آگیا، فلپ و جون کا فرزند چارلس وہی ہے، جو آگے چلکر شہنشاہ چارلس پنجم ۱۵۱۹ء تا ۱۵۵۵ء کے نام سے مشہور ہوا اور جو مغرب میں ازبک شہنشاہی کے قائم کرنے کا خواب دیکھتا تھا۔

شہنشاہی کا مستقل انحطاط اگرچہ پندرہویں صدی میں خاندان ہسپسبرگ کا شمار یورپ کے نہایت طاقتور خاندانوں میں ہوتا رہا مگر انکی اس قوت و عظمت سے نصرت شہنشاہی کو کوئی نفع نہیں پہنچا۔ شہنشاہی میں جو ضعف و انحطاط بارہویں صدی سے پیدا ہو گیا تھا، وہ برابر بڑھتا رہا، اور آئندہ بھی برابر اس انحطاط کا سلسلہ جاری رہنے والا تھا۔ اسکے عالمگیر ارادے سب ایک ایک کر کے پست ہو گئے اور اب وہ صرف جرمنی کی قومی حکومت میں محدود ہو کر رہ گئے تھے، لیکن ہم دیکھ چکے ہیں کہ یہاں بھی اسکا اقتدار زائل ہو چکا تھا، اور گو اسکا وجود کسی نہ کسی طرح انیسویں صدی کے اوائل (یعنی ۱۸۷۱ء) تک قائم رہا، تاہم وہ بالکل ایک جسد بے روح تھی۔ جرمنی کی مرکزی حکومت محض برائے نام رہ گئی تھی اور ازمنہ جدیدہ میں جرمنی کی قوت و تہذیب کو جو کچھ بھی سیاسی اہمیت حاصل تھی، وہ دراصل اسکے متفرق صوبوں اور شہروں کی مقامی حکومتوں میں تھی۔

اب ایک نہایت اجمالی و سرسری نظر ان ممالک پر بھی ڈالنی چاہئے، جنکو قرون وسطیٰ میں اگرچہ کوئی خاص اہمیت

نہیں حاصل تھی، تاہم ارتقاء سیاسی میں انکا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور شامل رہا۔

اسپین

اسپین کے شمالی حصے میں چند ریاستیں رفتہ رفتہ عالم وجود میں آگئیں، مثلاً لیون کیسٹائل، آراگون، نیویر، وغیرہ۔ تقریباً سترہ صدیوں میں لیون و کیسٹائل متحد ہو گئے، اور ایک صدی بعد کیٹلوں کو آراگان ہضم کر گیا۔ سترہ صدی میں جب خلافت امویہ کا خاتمہ ہوا، اسوقت چھوٹی چھوٹی ریاستوں سے قطع نظر کر کے پانچ بڑی اسلامی حکومتیں قائم ہو گئیں، یعنی۔ طلیطلہ، اشبیلیہ، قرطبہ، سرتوسہ، و بطلیوس ان میں اور شمال کی مسیحی ریاستوں میں ہمیشہ معرکہ آرائی رہا کرتی تھی، جس میں روز بروز مسیحیوں کو کامیابی ہوتی جاتی تھی، تا آنکہ تیرہویں صدی کے ختم ہوتے ہوئے اسپین کے جنوب مشرقی حصے یعنی غرناطہ کے سقوط غرناطہ

۱۴۹۲

سوا اور کل حکومتیں مسیحیوں کے قبضے میں آگئیں۔ غرناطہ مسلمانوں کے پاس ۹۲ سال تک رہا، اسکے بعد فرڈیننڈ و ازابیلا نے اسے بھی منہر کر لیا۔

کیسٹائل و آراگان کا اتحاد۔

اس اثنا میں کیسٹائل و آراگان کی حکومتیں سب سے زیادہ قوی و زبردست ہو گئیں اور انھوں نے باقی تمام ریاستوں کو اپنے میں ضم کر لیا، تیرہویں صدی کے آخر میں سسلی و سارڈینیا بھی آراگان میں شامل ہو گئے، سترہ صدی میں آراگان کے والی فرڈیننڈ نے کیسٹائل کی ملکہ ازابیلا سے شادی کر لی جس سے اسپین کی ان دونوں سربراہانہ حکومتوں کا اتحاد کامل ہو گیا۔ اور اس طرح

جلد تر اسپین کے پورے ملک کے اتحاد کے مکمل ہو جانے سے اسکا شمار یورپ کے دولِ عظمیٰ میں ہونے لگا۔

۹۵۰ء میں جب شاہِ الفانسونے پرتگال کا علاقہ اپنے داماد ہنری دالی برگنڈی کو دیا ہے

تو اسوقت وہ صرف ایک چھوٹا سا علاقہ تھا جو دریائے ڈورو اور منہو کے درمیانی قطعاتِ زمین پر مشتمل تھا۔ ۱۳۹۹ء میں جب کاؤنٹ نے مسلمانوں پر ایک فتحِ عظیم حاصل کی تو وہ بادشاہ بنادیا گیا اور اسوقت سے اس سے اور مسلمانوں سے مزید مقبوضات کے لئے برابر معرکہ آرائی کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ تقریباً سو برس میں یہ سلطنت اپنے موجودہ حدود تک وسیع ہو گئی۔

ہالینڈ
بلجیم
دریائے رائن کے دہانے کے قریب جو ممالک تھے، یعنی ہالینڈ و بلجیم، انہیں کامل طور پر آزادی و قومی خود مختاری حاصل کرنے میں بہت عرصہ لگا۔

ابتداءً یہ قطعہ کارل اعظم کی مملکت کا جزو تھا، اور ۸۰۰ء کی تقسیم (ورڈن) کے رو سے لوٹھر کے حصے میں پڑا تھا۔ لوٹھیرنیا کے نام سے جو طولانی چٹ، رائن کے مغرب میں باسل سے بحرِ شمال تک چلی گئی تھی اسکو بالائی و زیریں دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا جس میں سے آخری حصے کے تحت میں دریائے موسل کے شمال کا پورا قطعہ یعنی تقریباً موجودہ بلجیم و ہالینڈ شامل تھا کہ نظامِ جاگیر داری کے میلان کے موافق لوٹھیرنیا کا تجزیہ مختلف جاگیروں میں ہو گیا، جن میں سے اکثر نے اپنے تئیں بیرونی مداخلت سے تقریباً آزاد کر لیا۔

ان جاگیرانہ امارتوں میں نامر، ہینالٹ، لگسمبری، ہالینڈ، گڈرلینڈ وغیرہ کے علاقے، اور استغنی مستقروں میں لیسر، کیسمبری، کواٹرکٹ مذہبی ریاستیں اور برمینٹ و لمبرگ کی امارت ڈیوک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے مغرب میں فلینڈرز کا صوبہ تھا، جس نے فرانس کی ماتحتی سے آزاد ہو کر اپنے تئیں گویا خود مختار کر لیا تھا۔ اس تمام علاقے میں شہروں کا نشوونما و ارتقاء خاص طور پر نمایاں تھا، لکے باشندے خوشحال ہو گئے اور قومی انقلابات میں انہوں نے بہت جلد حصہ لیا۔ وہ بالطبع فرانس و جرمنی دونوں کے اثر سے بالکل آزاد رہنا چاہتے تھے، اور ان کے ملک کا موقع ایسا تھا، کہ دباؤ ان پر دونوں سلطنتوں کا پڑتا تھا، یہی وجہ تھی کہ جنگِ مدرہ میں انہوں نے انگلستان کا ساتھ دیا۔ تہذیب و تمدن میں انہوں نے بہت جلد ترقی کی، اور اسی زمانے میں انہوں نے اس قوت کی بنیاد ڈال دی جسے سولھویں صدی میں اور ترقی دیکر وہ اسپین کے ساتھ عظیم الشان معرکے میں کام میں لائے۔

چودھویں صدی کے اواخر اور پندرھویں کے اوائل میں فرانسیسی امراء برگنڈی نے کہیں شادی اور کہیں جنگ کے ذریعے سے ان تمام چھوٹی چھوٹی آزاد ریاستوں کو منسخر کر لیا، جو باہم حاکم جنگیوں سے خود اپنے تئیں پہلے ہی کمزور بنا چکی تھیں۔ «پارلس» «دلیر» کی دختر میری آف برگنڈی کی شادی میکسیملین آف آسٹریا کے ساتھ ہو جانے سے ۱۴۶۹ء میں ندرلینڈز پر بھی خاندان ہابسبرگ کا تسلط ہو گیا۔ ڈنمارک، ناروے و سویڈن۔ [شمالیوں کی فتوحات اور انکی بستیوں کا]

ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ نویں اور دسویں صدی میں ڈنمارک ایک سلطنت میں متحد ہو گیا، اور ایک زمانے کے معقول عروج کے بعد زوال کا زمانہ پیش آیا۔ سویدن بھی انہیں صدیوں میں ایک مستقل سلطنت بن گیا اور نشنہ تک مسیحیت کے قدم یہاں مستقل طور پر جم گئے۔ ناروے کو ایک متحد سلطنت بننے کا مرتبہ تینہ تک حاصل ہوا۔ کئی صدیوں تک ان ممالک کی تاریخ خونریزیوں اور خانہ جنگیوں کی ایک مسلسل داستان ہے، تاہم ۱۳۹۷ء کے معاہدہ کمر کے ذریعے سے ان میں اتحاد قائم ہوا۔ جسکے بموجب گو بظاہر یہ تینوں ممالک ہم مرتبہ قرار پائے، تاہم عملاً افضلیت ڈنمارک کو حاصل رہی اور وہ بقیہ دونوں سلطنتوں پر حاوی رہا۔ سویدن نے بار بار انقلاب پیدا کر کے حصول آزادی کی کوشش کی، مگر اسے کامیابی نہیں ہوئی یہاں تک کہ ۱۵۲۳ء میں گسٹاوس واسا کے وقت میں آزاد ہو گیا۔ ناروے، البتہ ۱۸۱۴ء تک ڈنمارک سے ملحق رہا۔

ہنگری - ۱۵۲۶ء میں دیائے لک پر شہنشاہ آٹو اول کو ہنگری

اہل ہنگری پر جو فتح حاصل ہوئی، اسنے ان کے مغربی حلوں کا خاتمہ کرویا۔ دسویں صدی میں جرمنی و قسطنطنیہ کے راستے سے مسیحیت کا قدم اس قوم کے درمیان آیا۔ ۱۵۲۶ء سے ملک پر مغلوں کی یورش ہوتی رہی، جس سے اسے سخت نقصان پہنچا۔ لیکن تاراج شدہ اقطاع کو جرمن قوم نے پھر آباد کر لیا۔ ۱۸۰۶ء تک خاندان اسٹیفن (یعنی سلسلہ ارباڈ) فرمانروا رہا، اسکے بعد اس نسل کے منقطع ہو جانے پر تاج چارلس آف آئنبو کے فرانسیسی خاندان کے

ایک شخص کو حاصل ہو گیا، جو اس وقت تک سسلی و نیپلز کا بادشاہ بن چکا تھا۔ ۱۳۰۰ء میں اسکی نسل کے انقطاع پر تقریباً ایک صدی تک سخت و تاج معرض جنگ میں رہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ملک ان خانہ جنگیوں سے بالکل کمزور ہو کر ترکوں کے حملے میں زیر ہو گیا۔ ۱۵۲۶ء میں سلیمان ثانی نے موکوہنہاگس میں ہنگری کی فوج کو تباہ کر دیا، اور اس ملک کے ایک بڑے حصے پر قابض ہو گیا اور تقریباً ڈیڑھ سو برس تک ترک اسپر حکمران رہے، جو حصہ ملک ترکوں کے قبضے سے بچ رہا تھا، وہ خاندان ہسپبرگ کے قبضے میں آکر آسٹریا سے ملحق ہو گیا، مگر ایک حد تک اسے برابر خود مختاری حاصل رہی۔

پولینڈ۔ آٹو اول نے اشاعتِ مسیحیت کی جو کوششیں کیں، کچھ ان کے اقتضا سے، اور کچھ مشرق میں جرمنی کے اثر کے وسعت دینے کے خیال سے میجرک کے استغفار عظم کی ماتحتی میں متعدد استغفار مربرگ، زائینر، مایسن، ہیولبرگ، برینڈنبرگ وغیرہ میں قائم کی گئیں اور یہاں کے اساقفہ قومِ سلاو کے لئے مبلغین کا کام دینے لگے۔ اب قوم پول کے درمیان جن اثرات سے مسیحیت برابر ترقی کر رہی تھی لیکن جب سنہ میں براہِ راست پوپ کے ماتحت گنسن میں ایک استغفار عظم کا تقرر ہو گیا، تو اس سے اس قوم میں جرمنیت کا زور کم ہو گیا اسی سے پولوں میں ایک علیحدہ و مستقل نظام مذہبی کے وجود میں آنے کے ساتھ ہی انکی قومیت بھی برقرار رہ گئی۔ گیارھویں صدی میں پولینڈ کا اطلاق

دریائے وار تھے کے دونوں اطراف کے اقطاع پر ہوتا تھا۔ آئندہ صدی میں پومییرینیا مستخر ہوا اور اس طرح پولینڈ کے حدود ساحل بحر تک وسیع ہو گئے، پھر پولینڈ کی ایک شہزادی کے ساتھ شہزادہ جاکیلو آف لیٹھونیا کی شادی ہو جانے سے پولینڈ کے حدود میں دریائے نیپر و نیسٹر کے درمیانی اقطاع کا بھی اضافہ ہو گیا۔ اس کے بعد جب جرمن سلسلے پر بعض کامیابیاں حاصل ہوئیں تو شمال میں اسکے حدود اور وسیع ہو گئے اور بحر بالٹک سے لیکر بحر اسود تک پولینڈ کی حکومت میں آ گیا۔ قرون وسطی کے خاتمے پر پولینڈ کا ملک ایک زبردست سلطنت معلوم ہوتا تھا، جس کے مستقبل سے بہت کچھ توقعات ہو سکتی تھیں۔ لیکن سارا اقتدار امر کے ہاتھ میں تھا، عام رعایا سخت سے سخت مظالم کا شکار ہو رہی تھی، اور بعض اور ایسی قوتیں کام کر رہی تھیں جن سے سلطنت کی عظمت کا مٹ جانا لازمی تھا۔

اہل شمال روس میں | نود گراڈ و کیف میں شمالیوں نے جو اپنی آبادی قائم کی اور اپنے خاندان کی حکومت وہاں جائی اس کا

ذکر اوپر گزر چکا ہے۔ انکی یہ بستیاں تقریباً سترہ تک متحد ہیں اور اسکے بعد قسطنطنیہ کے اثر سے مسیحی ہو گئیں۔ مغلوں نے اپنا تسلط بحر اسود کے شمال میں جایا، اور روس کی تمام امارتوں کو خراج دینے پر مجبور کر دیا۔ پندرہویں صدی کے آخر تک روس کا ایک بڑا حصہ ان کا مطیع و منقاد رہا، تا آنکہ آئیون سوم نے اس جوے کو کندھے سے پھینک دیا۔ اس نے باقی آزاد امارتوں کو بھی زیر کر لیا اور غالباً یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اپنے کو شہنشاہ قسطنطنیہ

آئندہ جانشین سمجھتا ہے اس نے اپنا لقب ”زار“ اختیار کیا آئندہ صدیوں میں روس کو جو عظمت حاصل ہوئی، اسکا سنگ بنیاد اسی نے رکھا تھا۔

یونانی شہنشاہی یونانی شہنشاہی مسلمانوں سے مسلسل برسرِ پیکار تھی، جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے، سلجوق ترکوں نے ان کے تمام ایشیائی مقبوضات کو فتح کر لیا تھا، اور ان کو ایشیائے کوچک سے نکالنے کے متعلق حارباتِ صلیبی کی تمام جدوجہد کے باوجود بھی اس کے ایک حصے پر وہ مضبوطی کے ساتھ جمے رہے۔ چودھویں صدی کے وسط میں عثمانی ترکوں نے وسط ایشیاء سے آکر اپنی شاندار فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور برابر یونانی شہنشاہی کو ہلنے پھلانگنے لگے جزیرہ نمائے بلقان کو مسخر کر لیا اور اپنا دائرہ اثر ڈینیوب کے شمال تک بڑھا لیا۔ ۱۴۵۳ء میں سقوطِ قسطنطنیہ نے بازنطینی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ عین اس زمانے میں جبکہ اسپین سے اسلام اخراج ہو رہا تھا، بلقان میں اسکا قدم مضبوطی کے ساتھ جم رہا تھا، اس غل و موقع سے وہ اب بھی اس قابل تھا کہ یورپ کی بعض مسیحی سلطنتوں کے لئے خطرے کا باعث بنا رہے۔

باب (۱۷)

نشاة جدیدہ کے مذہبی و علمی خصائص

ازمنہ وسطیٰ کے زیر بحث زمانہ جسے غلطی سے قرونِ مظلمہ کے نام مخصوص خیال سے موسوم کیا جاتا ہے، تہذیب و تمدن سے بالکل معرا نہیں تھا بلکہ اُس کا ایک خاص تمدن

تھا، سیاسی حیثیت سے عالمگیر شہنشاہی کا خیال تمام خیالات پر حاوی تھا۔ جب تیرھویں صدی میں رومی شہنشاہی کا خاتمہ ہو گیا اس وقت مختلف قومیں اور شہنشاہی سلطنتیں اپنی اپنی جگہ پر نشو و نما حاصل کرنے لگیں۔ مذہبی حیثیت سے عالمگیر کلیسا کا خیال ہر طرف مسلط تھا اور پوپ اس کا سرپرست سمجھا جاتا، اس دور کے علمی و ذہنی حالت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ کلیسا نے رومی تمدن کے جو آثار محفوظ رکھے تھے انہیں جرمنوں کی پُر زور و نیم وحشی قوم یوماً فیوماً اخذ و اختیار کرتی جاتی تھی۔ کلیسا چونکہ مذہبی و علمی دونوں حیثیتوں کا جامع تھا اس لئے ازمنہ وسطیٰ کے تمام تنظیمات میں اس کی طاقت سب سے بڑھی ہوئی تھی۔

ازمنہ وسطیٰ میں ایسے بہت سے شواہد موجود ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ازمنہ وسطیٰ میں انسانی دماغ بالکل مسئل نہیں تھا۔ کارل اعظم نے بہت سے مدرسے جاری کئے، بارہویں صدی کے قریب زمانے میں متعدد دارالعلوم قائم ہوئے، لاطینی علم ادب، تذکرے، سیر، تواریخ، مناظرے اور مذہبی تحریریں برابر شائع ہورہے تھے۔ ہوتی رہیں فلسفے کے دو متضاد طریقے لائسنسین

وجود دین، ظہور میں آئے جن میں سے ہر ایک فرقے کی ایسی تحریریں موجود ہیں جن سے ان کی وقتِ نظر و حدتِ ذہن کا پتہ چلتا ہے۔ فقہی مسائل کے متعلق بہت سی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ پرنسز (کلیر وو)، اکھارٹ، ٹامس (کپسن) سے مشاہیر نے مذہبی کتابیں لکھیں، جن میں کپسن کی کتاب ”اتباعِ مسیح“ خاص طور پر مشہور اور صوفی مشرب لوگوں میں اب تک مقبول ہے۔ امرا کی طرزِ معاشرت کی ایک ہی مرتب و منضبط صورت قائم تھی لا نظام شویلری“ (پہلگری) اس کا بہترین نمونہ ہے، جس کا منتہائے خیال یہ تھا کہ ایک عیسائی کو فنِ پہلگری میں کیسا کامل ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی مذہب، حُسن و عشق، جنگ و جدل، عجائب و غرائب سے بھی امرا کو خاصی دلچسپی تھی۔ مطربوں کو بھی ہر جگہ قبولِ عام حاصل تھا۔ اور شمالی فرانس، جرمنی و جنوب میں وہ مختلف ناموں سے موسوم تھے، عاشقانہ شاعری اور بالخصوص قومی و مذہبی رزمیہ نظمیں کثرت سے لکھی جا رہی تھیں جن میں سے چند کے نام

درج ذیل ہیں -

Song of Roland

(۱) نغمہ رولینڈ -

Nibelungen Lied

(۲) نیبلنجن مجبوس -

Tales of King Arthur

And the Round Table

(۳) افسانہ شاہ آر تھر و میز مدور {

Canterbury Tales

(۴) افسانہ کینٹربری مصنف چاسر {

Tales about Karl

the Great

(۵) افسانہ متعلقہ کارل اعظم {

Alexander the Great

(۶) سکندر اعظم

Holy Grail

(۷) جام مقدس

Divine Comedy of Dante

(۸) مذہبی فسانہ مسرت مصنف ڈنٹی

تعمیرات کے دو خاص طرز رائج تھے۔ ۱۱۵۰ء تک
 رومی طرز کو فروغ حاصل رہا۔ اس کے بعد ۱۲۰۰ء سے ۱۵۰۰ء تک
 گا تھی طرز کا دور دورہ رہا۔ انہیں دونوں طرزوں کے موافق بڑے بڑے
 عالیشان کلیسا، قصر و ایوان اور محل تیار ہوئے۔ زیب و زینت کی
 صنعتوں میں لکڑی پر نقاشی، شیشہ گری، سنگ تراشی، تصویر کشی
 کو رونق خاص حاصل تھی، عمارت مذہبی کے نقش و نگار میں گیوٹو
 سب سے گوئے سبقت لے گیا ہے۔ شہروں میں نئی زندگی، تجارت
 میں ترقی اور عوام میں دولت و ثروت اور حریت سیاسی کے آثار پیدا
 ہو چکے تھے۔ تعمیرات کا شوق، ادبیات کا ذوق، فنون لطیفہ و

صنائع مفیدہ کا سیلان رو بہ ترقی تھا، ادبیات میں افسانوں کا لکھنا، حضرت عیسیٰ و اکابر مذہب کی زندگیوں کے حالات، تماشے کے ذریعے سے دکھانا اور اعلیٰ درجے کے نغمے مرتب کرنا، خصوصیت سے داخل تھا۔ اُن میں سے اکثر چیزیں ایسی ہیں جن کی مدح و ستائش میں ہم لوگ اب تک رطب اللسان ہیں۔ اگر ان باتوں سے بھی ازمئہ وسطیٰ کی دماغی زندگی کا ثبوت نہیں ملتا تو پھر اس کے ثبوت میں اور کونسی شہادت پیش کی جاسکتی ہے۔

نشأۃ جدیدہ | وسیع معنی میں نشأۃ جدیدہ اس تمدن کا نام ہے جس نے لوگوں کے دلوں سے سلطنت، معاشرت، فطرت، علوم و فنون اور فلسفے کے متعلق ان خیالات کو محو کر دیا جو ازمئہ وسطیٰ میں قائم تھے۔ ہزار برس کی کس مہتری و گمنامی کے بعد یونان و روم کے قدیم علوم پھر روشناس عالم ہو رہے تھے۔ اور ان علوم نے دلوں پر اس درجے تسلط کر لیا تھا کہ ایک انقلاب سا پیدا ہو گیا تھا۔ ازمئہ وسطیٰ کے تنگ و محدود خیالات رفتار زمانے کا ساتھ نہیں دے سکتے تھے اور پایہ اعتبار سے ساقط ہو چکے تھے۔ پس جب چودھویں اور پندرھویں صدی میں قدیم زمانے کے علوم و فنون کے خزانوں کا انکشاف ہونے لگا تو معاً یہ دلولہ پیدا ہو گیا کہ ویسی ہی آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہئے جس نے ازمئہ قدیمہ کو اس درجے محوش و محترم و وقرب بنا دیا تھا۔ لیکن چونکہ یہ ممکن نہ تھا کہ دفعۃً واحدہً تمام گزشتہ حالات و خیالات کو ترک کر دیا جائے۔ اس لئے بالطبع یہ ہوا کہ قدم خیالات نے ازمئہ وسطیٰ کے حالات و خیالات سے

ملکہ ایک خاص ہیئت اختیار کر لی جسے نشاۃِ جدیدہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

نشاۃِ جدیدہ کی ابتدا اطالیہ میں ہوئی اور وہیں سے یورپ کے تمام ملکوں میں اس تحریک کی اشاعت ہوئی، اس قسم کی تحریک کے لئے اطالیہ کے حالات تمام

جگہوں کی بہ نسبت بدرجہا زیادہ موزوں تھی۔ اطالیہ میں رومی تہذیب و تمدن کا اثر سب جگہوں سے زیادہ موجود تھا، خود رومانی اپنی تمام یادگار اور اپنی کثیر روایات کے ساتھ اطالیہ ہی میں واقع تھا، لاطینی زبان اگرچہ روزمرہ کے استعمال اور ضروریاتِ وقت کے لحاظ سے بہت کچھ بدل گئی تھی اور لاطینی کے بجائے اطالوی بنتی جاتی تھی پھر بھی اس میں یہ قوت باقی تھی کہ وہ روم کے مجتمع علوم و فنون کو قائم رکھ سکے اور اسے اطالوی قوم کی طرف منتقل کر سکے۔ اطالیہ میں شہنشاہی کا اثر تمام جگہوں سے زیادہ کمزور تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہاں جاگیر پر طریقے نے کبھی مضبوطی کے ساتھ جڑ نہ پکڑی۔ شہری آزادی حاصل کرنے میں اطالیہ کے شہر سب میں آگے بڑھے ہوئے تھے، علاوہ اور اسباب کے ان شہروں کے محل وقوع بھی ایسے تھے کہ وہ ذہنی تحریک کے پیدا ہونے کے لئے ساموزوں تھے اور ایک مدت تک تہذیب و تمدن میں انہیں شہروں نے تمام دنیا کی رہبری کی۔

تہذیب نشاۃ جدیدہ | پس تہذیب و تمدن کی یہ تحریک جو نشاۃ جدیدہ
 کے نام سے مشہور ہے، اور جس کی ابتدا اطالیہ
 میں ہوئی تھی ایک بہت ہی پیچیدہ شے ہے۔
 اس امر کا ملحوظ رکھنا بسا ضروری ہے کہ اس نشاۃ جدیدہ
 نے انسان کے جملہ خیالات و تعلقات
 زندگی پر اثر ڈالا تھا اس نے خاندان اور نظام

معاشرت کے اندر انسان کے درجہ و منزلت کو بدل دیا تھا،
 سلطنت کے متعلق خیالات میں انقلاب پیدا کر دیا تھا، ذہنی حد
 نظر کو وسعت دیکر دلوں میں علم کا ایک شوق موجزن کر دیا۔
 اخلاقی آزادی کا ذوق بڑھا دیا اور قوائے ظاہری و باطنی اور
 دنیا کی پاکیزہ چیزوں سے تمتع حاصل کرنے کے خیال کو بہت
 ترقی دیدی بلکہ کہنا چاہئے کہ خود یہ خیال پیدا کر دیا۔ نشاۃ جدیدہ
 کے چند اہم خیالات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

نشاۃ جدیدہ | ازمنہ وسطیٰ کے نظریۂ سیاسی کا ماحصل یہ تھا کہ
 نے نظریۂ | لوگ یہ یقین رکھتے تھے کہ خدا نے حکم دیدیا ہے کہ
 سیاسی کو بدل | تمام دنیا پر شہنشاہ حکمراں ہو اور بادشاہ، امرا اور
 دوسرے عالی مرتبہ اشخاص اس کے تابع فرمان
 رہیں۔ حکومت کی اس شہنشاہی ہیئت کے

متعلق جب یہ سمجھ لیا گیا کہ وہ خدا کی مقرر کردہ ہے تو پھر اس
 میں چون و چرا کی گنجائش باقی نہیں رہی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 ازمنہ وسطیٰ میں کوئی شخص کبھی بھول کر بھی یہ نہیں پوچھتا تھا کہ

حکومت کی یہ صورت واقعی مفید بھی ہے یا نہیں اور کیا کوئی دوسری صورت اس سے بہتر ہو سکتی ہے یا نہیں ؟ نشاۃِ جدیدہ نے اس سیاسی خیال میں ایک اصولی تغیر پیدا کر دیا۔ اب یہ خیال رائج ہو چلا کہ ”حکومت“ انتظامِ مملکت کے لئے قائم ہوتی ہے اور اس لئے حکومت کی بہترین صورت وہی ہے جس میں انتظام سب سے بہتر ہو سکے۔

یہیں سے یہ بحث پیدا ہوئی کہ حکومت کے اغراض کیا ہیں اور ان اغراض کے حاصل کرنے کا موزوں ترین ذریعہ کیا ہے۔

جس علم کو سیاسیات کہتے ہیں اس کی ابتدا نشاۃِ جدیدہ کی اسی بحث سے ہوئی۔ لوگ یہ یقین کرنے لگے کہ حکومت کی کوئی خاص شکل خدا کی مقرر کردہ نہیں ہے بلکہ انسان کی بنائی ہوئی ہے اور اس لئے انسان کو یہ حق ہے کہ جس قسم کی حکومت کے تحت میں وہ رہنا چاہے ویسی ہی حکومت قائم کر لے۔

انہیں نئے خیالات کے زیر اثر میکیولی نے ”دی پرنس“

(حکمران The Prince) کے نام سے ایک دلچسپ کتاب لکھی

اور اس میں حکومت کی عملی کارروائیوں سے بحث کی۔ انگلستان

میں سرٹامس مور نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ”انٹیمپا“ (سلطنت لا مقام)

لکھی جس میں اس نے یہ دکھایا کہ ایک اتم و اکمل سلطنت کیسی

ہونا چاہئے۔

نشاۃِ جدیدہ | دوسری نظر سے دیکھا جائے تو یہ کہنا چاہئے کہ

نے قدامت | نشاۃِ جدیدہ نے قدامت پسندی کی حمایت میں

سے پھر واپسی | ازسہِ وسطیٰ کا طبقہ الٹ دیا۔ ازسہِ وسطیٰ زہد و رہبانیت کا

پیدا کر دی۔ | زمانہ تھا، لوگ اس عالم کو عیش و عشرت کا مقام نہیں سمجھتے تھے بلکہ یہ خیال کرتے تھے کہ یہ

عالم صرف اس لئے ہے کہ یہاں رہکر زادِ آخرت جمع کر لیا جائے۔ راہب ہو جانا اوج کمال پر پہنچ جانا تھا۔ حُسن و لطافت کے میدان میں صرف اخلاقی و مذہبی خوبی کی قدر تھی۔ مصوّر صرف عباد و زیاد کی تصویریں بناتے تھے۔ ازمنہ وسطیٰ کے لوگوں کو یونانیوں کی حریت، حُسن پرستی اور عیش و طرب کی کچھ خبر نہ تھی۔ لیکن جب علوم قدیمہ کے معلومات نے دسمت حاصل کی تو آنکھیں کھلیں لوگ دیوانہ وار اس کوشش میں لگ گئے کہ اس زمانے کو واپس لانا چاہئے۔ لاطینی و یونانی زبان کے حصول کا ذوق و شوق انتہا کو پہنچ گیا، اور ہر طرف پرانے مُصنّفین کے ایسے قلبی مسودات کی تلاش ہونے لگی جن کا اب تک پتہ نہ چلا ہو۔ کسی شخص کے پاس الیڈ کے ایک نسخے کا ہونا ایک بڑا امتیاز سمجھا جاتا تھا خواہ وہ اس کے پڑھنے تک پر قادر نہ ہو۔ اس زمانے کے اہل علم (جنھیں علمائے قدامت کہتے تھے) صرف لاطینی ہی کو اس قابل سمجھتے تھے جو علمی اغراض کو پورا کر سکتی تھی۔ یہ حالت اس حد کو پہنچ گئی تھی کہ پٹرارک جس کی شہرت اس کی اطالوی زبان کی غزلوں کی وجہ سے قائم ہے، خود ان غزلوں کو اپنے لئے باعثِ عار سمجھتا تھا۔ اور توقع یہ رکھتا تھا کہ وہ اپنی لاطینی تحریروں کی وجہ سے اہدی شہرت حاصل کر سکیگا۔ مگر اس وقت اُن تحریروں کو کوئی جانتا بھی نہیں۔

نشاۃ جدیدہ | یونانیوں اور رومیوں کے بنائے ہوئے مجسموں کے
دریافت ہونے سے قدما کی دستکاریوں کی حُسن و خوبی
کی طرف خیال مائل ہوا اور اسی زمانے سے
ننون لطیفہ کے مطمح نظر میں ایک انقلاب پیدا
اصلاح کی - ہو گیا۔ زہاد اور عبادِ روزے رکھتے رکھتے اور

عالم آخرت کے تصور میں رہتے رہتے گھل گھل کر پوست و استخوان
رہ جاتے تھے، ان کی تصویروں کو دیکھنے سے طبیعت میں انقباض سا
ہو جاتا تھا۔ مگر اب مصوّر انہیں چھوڑ کر یونانی خیال کے موافق
حُسن و لطافت کی تصویریں کھینچنے لگے تھے۔ شکیل مردوں اور
حسین عورتوں کی تصویریں اس طرح دکھائی جاتی تھیں کہ وہ اس
دنیا کے عیش و طرب میں مشغول ہیں۔ خیالات اس قدر پلٹا کھا
گئے تھے کہ ازمنہ وسطیٰ کی ہر چیز سے نفرت ہو گئی تھی اور قدیم
زمانے کی ہر شے قابلِ قدر و قابلِ تقلید سمجھی جانے لگی تھی۔

نشاۃ جدیدہ | ازمنہ وسطیٰ کے لوگوں کو عالم فطرت کے حُسن و خوبی
عالم فطرت کے کا کچھ احساس نہیں تھا، وہ اس عالم کا ثنات
تصور کو بدل ہی کو بُرا سمجھتے تھے یہ عقیدہ ضرور تھا کہ خدا نے
دنیا کو پیدا کیا ہے اور اسے بہت اچھا بنایا ہے
دیا۔ مگر انسان کی لغزش کی وجہ سے تمام عالم کا ثنات

خراب ہو گیا ہے۔ اور اب اس دنیا کا حکمراں شیطان ہے۔ اس
خیال کا نتیجہ یہ تھا کہ کوئی شخص نہ تو عالم فطرت کا مطالعہ کرتا
اور نہ اس کی قدر جانتا تھا، جس شے کو ہم علمِ طبیعیات کہتے ہیں

ان کا مطالعہ تو گویا سحر کا سیکھنا تھا اور اس علم کو جس وجہ مذہب سمجھا جاتا تھا اس کے لئے صرف یہ جان لینا کافی ہے کہ ان علوم کے مطالعہ کرنے والوں کی نسبت یہ یقین کر لیا جاتا تھا کہ وہ بھوت پلید سے تعلق رکھتے ہیں۔ پوپ سلوٹر دم ایک نہایت ذی علم شخص تھا اس کی نسبت یہ قصہ گڑھ لیا گیا تھا کہ پوپ بننے کے لئے اس نے اپنے کو شیطان کے ہاتھ بیچ ڈالا ہے۔ راجر بیکن اپنے تبحر علمی اور تحقیقات کی وجہ سے جس طرح زندگی بھر پریشان رہا اس سے عذاب واضح ہو جاتا ہے کہ علومِ ہلیدی کی بابت ازمنہ وسطیٰ کا خیال کیا تھا۔ پطراک (۱۳۴۱ - ۱۳۴۲) کے حالات اس معاملے میں نہایت دلچسپ ہیں۔ اسے دنیا کی خوشنما چیزوں سے بالطبع مسرت ہوتی تھی۔ پہاڑی، وادی، سبزہ زار، گل دیرجھاں، وہ سب سے حظ حاصل کرتا تھا۔ شاید کئی صدیوں کے اندر وہ پہلا شخص تھا کہ جو محض سفر کے شوق اور بلندی پر سے نیچے کے منظر کے لطف حاصل کرنے کے لئے کسی پہاڑ پر چڑھا ہو۔ ۱۳۳۳ء میں وہ اسی شوق میں فرانس کے کوہ وینٹاکس کی بلندی تک چلا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ ازمنہ وسطیٰ کی غلامی سے انسان کی رہائی کا آغاز بہت اچھی طرح ہو گیا تھا اور عالم فطرت کی الفت اور اس کی دلپذیریوں کی رغبت جب ایک بار پیدا ہو گئی تو پھر برابر ترقی ہی کرتی گئی۔

نشاۃ جدیدہ | نشاۃ جدید کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس نے
نے انفرادیت | انفرادیت کے خیال کو بہت ترقی دی، اعظم رجال

خیال کی پرورش کی قدر و منزلت جیسی اس زمانے میں ہوئی ایسی شاید کسی اور زمانے میں نہ ہوئی ہوگی۔ لوگ شہرت حاصل کرنے کی

پیشہ جان دیدیتے تھے۔ ہر شخص کی تمنا یہ تھی کہ جس قدر معلومات حاصل ہو سکتے ہوں حاصل کر لے، جو کام بھی ممکن ہو اسے کر ڈالے، ہر ایک میدانِ سعی میں وہی گونے بہت لے جائے اور جہاں تک ہو سکے اپنی جدت طرازی سے اپنے کو ایسا بنائے کہ سب کی نگاہیں اسی پر پڑیں۔ پروفلسکو، انجیل ایگیلو، اور ڈاڈنسی علم و عمل کے مختلف شعبوں میں شہرہ آفاق ہیں، مگر یہ اقلیاز صرف انہیں چند افراد تک محدود نہیں ہے، بلکہ اس زمانے کے خیال کے مطابق جامع الحیثیات یا مکمل افراد کے یہ صرف چند نمونے ہیں۔

نشأۃ جدیدہ ازمنہ وسطیٰ میں جاگیرداروں کا قصر معاشرتی زندگی کا مرکز تھا، مگر شہروں کے نشو و نما اور نظام جاگیرات کے زوال سے ایک نئی شہری زندگی ہویدا ہو گئی۔ شہر و کی زندگی کے ساتھ ساتھ معاشرتی ربط و ضبط کی نئی نئی صورتیں پیدا ہوئیں۔ دعوتیں، جلسے، رقص و سرود کی محفلیں اور بہت سی تقریبات ایسی قائم ہوئیں جو اب تک جاری ہیں، نشأۃ جدیدہ میں نظام معاشرت خود ایک فنِ لطیف بن گیا۔

نشأۃ جدیدہ نے اس قسم کے تغیرات کے ساتھ اگر اخلاقی و مذہبی اعمال و اعتقالات میں بھی تغیر رونما ہو جائے تو استعجاب کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ درحقیقت اس نشأۃ جدیدہ کے ساتھ ہی ساتھ کلیسا، اس کے دعاوی اور تعلیمات کے متعلق بڑی کر دیا۔

اخلاق و مذہب میں بھی تغیر پیدا کر دیا۔

بے پردائی پیدا ہو گئی۔ اکثر لوگوں کو کلیسا اور پارٹیوں کا مضحکہ اڑانے میں بہت ہی لطف آتا تھا، لوگ مذہب کے قیود کو ہر طرف کر کے اور بظاہر حق و باطل کے تمام خیالات سے آزاد ہو کر نہایت شرمناک معائب اور بد کاریوں میں مبتلا ہو گئے اور اسی میں سرمست رہنے لگے۔ اطالیہ کے دورِ قدامت پسندی کا یہ نہایت ہی عجیب منظر تھا۔ کچھ دنوں تک یہ امید تھی کہ علمائے قدامت کلیسا میں اصلاح پیدا کر دیں گے، اریسمس جو اس زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا اسے نئی تعلیم اور نئے علمائے بڑے ہی توقعات تھے مگر بہت جلد ظاہر ہو گیا کہ ایسے کاموں کے لئے جس اخلاقی صداقت کی ضرورت ہے وہ ان علماء میں بالکل مفقود ہے۔

نشأۃ جدیدہ کی تحریک تمام یورپ میں عام ہو گئی۔

نشأۃ جدیدہ کی ابتدا اگرچہ اطالیہ میں ہوئی تھی مگر وہ بہت جلد تمام یورپ میں پھیل گئی اور ہر جگہ اس سے دہی خرابیاں اور دہی خوبیاں ظاہر ہوئیں جو اس کے مولدِ اول میں ظاہر ہوئی تھیں۔ پندرہویں اور سولہویں صدی میں جرمنی، فرانس اور انگلستان پر اس کا اثر غالب رہا۔ جرمنی

میں علمائے قدامت میں ایک گروہ تو عیساری دھوسنا کی میں پھنسا ہوا تھا مگر ایک دوسرا گروہ بنیدگی سے کلام کرنے اور تعلیمی و مذہبی اصلاح کے مسائل کے سلجھانے میں لگا ہوا تھا، فرانسس ادل کا دربار نشأۃ جدیدہ کے اثر میں گھرا ہوا تھا، اور فرانس کے شہروں میں صدقِ دل سے کام کرنے والے اور لائق عالموں کے ایسے گروہ جمع ہو گئے تھے جن میں نئی تعلیم نے ایک علمی شوق و دلولہ پیدا کر دیا تھا۔ انگلستان کا ریچرڈ سوم جسے ہم اس کی بد اعمالیوں کی وجہ سے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں نشأۃ جدیدہ

کے حکمرانوں کا ایک سچا نمونہ اور میکیولی کی تعلیمات کا عامل تھا۔ کالٹ، گروسن، لینیکر، مور اور ایس کی تعلیمات نے آکسفورڈ کو انگلستان میں اس تحریک کا مرکز بنا دیا تھا۔ شیکسپیر کو تو سمجھنا چاہئے کہ وہ اس تحریک کا پتھر تھا۔

قوموں کی انفرادی حیثیت سے چونکہ نشاۃِ جدیدہ کا خاص الخاص وصف یہ تھا کہ ہر ایک قدیم شے سے کنارہ کشی اختیار کی جائے۔ اس وجہ سے پوپ کے عالمگیر دعوای کی مخالفت چاہئے۔ لیکن خود منصب پوپ کی اس وقت جو حالت تھی

اس کے سمجھنے کیلئے ضرور ہے کہ ہونٹافن کی کشمکش کے بعد سے اس کی تاریخ کو پھر بیان کیا جائے۔ شہنشاہی کے ساتھ اس کشمکش میں اگرچہ پوپ کو کامیابی حاصل ہو گئی تھی مگر اسے بہت جلد یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی حالت سابق سے بدتر ہو گئی ہے، درحقیقت پوپ کی خود مختاری کو اب شہنشاہی سے کوئی خطرہ نہیں رہا تھا، مگر اس کی جگہ پر اب دوسرے قومی تر دشمن پیدا ہو گئے تھے۔ شہنشاہی سے قطع نظر کر کے پوپ کے دوسرے ممالک میں بھی اب قومیت کا احساس بڑھتا جاتا تھا، وہ اپنی خود مختاری کے لئے بچپن تھے اور پوپ کے اقتدار کو اپنے معاملات میں ایک نا واجب مداخلت تصور کرتے اور ہر وقت اس کی مخالفت پر آمادہ رہتے تھے۔ اس قومی تفریق کا اثر کارڈنلوں کے گردہ پر بھی پڑ رہا تھا اور اب پوپ کے انتخاب میں کمیہتی ویک رائی دشوار ہو گئی تھی۔ اس وقت یورپ میں فرانس کی طاقت سب سے بڑھی ہوئی تھی اور شاو فرانس کو یہ فکر لاحق تھی کہ پوپ سے اپنے حسبِ مطلب

کام لے لے پوپ کے لئے صورت حالات کو ناقابل برداشت بنانے کے لئے
شہر روما پوپ کے خلاف ایک اور وجہ یہ پیدا ہو گئی کہ اہل روم کے دلوں میں
 خود مختاری کا خیال موجزن ہو گیا اور انہوں نے بار بار پوپ
 کے روم میں قیام کرنے کی مخالفت کی۔ انٹرنیشنل چارم

(۱۲۴۳-۱۲۵۴) نے اپنا زمانہ بہت کم روم میں گزارا۔
 الگنڈر چارم (۱۲۵۲-۱۲۶۱) وہاں کبھی گیا ہی نہیں۔ کلیمنٹ چارم (۱۲۶۵-
 ۱۲۶۸) بروگیا میں رہا کرتا تھا۔ اطالیہ کا باقی تمام حصہ بھی تنہا پوپ کے قبضے
 میں نہیں تھا۔ فلورنس، دینس اور جنووا کے سے بڑے بڑے شہر بہت بڑے
 حصہ ملک پر آزادانہ قابض تھے، جنوبی اطالیہ فرانسیسیوں کے پاس تھا اور
 شمال کے کچھ حصے پر جرمن حاوی تھے۔ فرانسیسیوں کے خلاف اہل سسلی کے
 بغاوت کر دینے سے آراگان کے پیٹر سوم نے اس جزیرے پر قبضہ کر لیا تھا
 اور اس طرح پوپ کے سیاسی مخالفوں میں ایک طاقت کا اور اضافہ
 ہو گیا تھا۔

۱۲۹۴ء میں اناگنی کا بند کس کیمپینس بہ لقب بانیفیس ہشتم
 پوپ منتخب ہوا اس نے اپنے دعاوی تو سب سے بڑھا دیئے مگر اس کا
 اقتدار سب سے کمزور تھا، اس نے ایک مشہور فرمان یہ جاری کیا کہ طبقہ
 مذہبی سے خارج کوئی شخص (یعنی سلطنت) کلیسا کی زمینوں سے کسی قسم کا محصول
 نہ لے اور پادریوں کو حکم دیدیا کہ وہ اس قسم کا محصول نہ ادا کریں اور بصورت
 خلاف مذہبی خارج عن الملتہ کرنے کی دھمکی دی۔ چونکہ کلیسا کے قبضے میں
 بہت وسیع اور زرخیز زمینیں تھیں اگر اس حکم پر عمل کیا جاتا تو سلطنتوں کی
 آمدنی بہت گھٹ جاتی، اس لئے فلپ چارم (شاہ فرانس) نے اس کا

یہ جواب دیا کہ فرانس سے اطالیہ میں روپیہ لے جانے کی قطعی مخالفت کر دی اور اس طرح پوپ کی آمدنی بند کر دی۔ بائیفیس نے اب دیکر قلب سے مصالحت کرنی چاہی اور کہا کہ فرانس میں اس حکم کے نافذ کرنے کا منشا نہیں تھا بلکہ فرانسیسی پادریوں کا تین برس کا عشر بھی قلب کو دیدہ یا لیکن پھر بہت جلد مناقشہ پیدا ہو گیا۔ قلب اس بات پر جا ہوا تھا کہ کسی نہ کسی طرح پوپ کو ذلیل اور اپنی قوت اور غلبے کو ثابت کرے۔ بائیفیس نے خاندان کالونا کے دو شخصوں کو روما سے نکال دیا تھا، قلب نے نہ صرف انہیں اپنے دربار میں داخل کر لیا، بلکہ پوپ کے وکیل کو بھی گرفتار کر کے قید کر لیا۔ بائیفیس نے غصے میں آکر یکے بعد دیگرے فرمان بھیجنا شروع کئے اور ایک خاص فرمان (Uam Sanctum) اس مضمون کا شائع کیا گیا کہ پوپ کو دینی و دنیاوی دونوں اختیارات حاصل ہیں، اور جو شخص اس کی مخالفت کریگا وہ خدا کے حکم کی مخالفت کرنے والا سمجھا جائیگا۔ دنیاوی معاملات میں پوپ کی فرماں برداری کو نجات کے لئے لازمی قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ بائیفیس نے قلب کو یہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ باز نہ آئیگا تو اسے معزول کر دیا جائیگا۔ اور اس پر لعنت بھیجی جائیگی۔ قلب نے اپنی مجلس شوریٰ کے دوسرے اجلاس میں بائیفیس پر بہت سے الزامات لگائے اور اس معاملے کے طے کرنے کے لئے ایک عام مجلس طلب کی۔ بائیفیس نے قلب کو ملعون قرار دیکر اس کی معزولی کا فرمان صادر کر دیا۔ مگر نتیجہ صرف یہ ہوا کہ ایک ہی جینے کے بعد بادشاہ کے سفیر ولیم (نوگہٹ) اور خاندان کالونا کے لوگوں نے پوپ کو انگنی میں محصور کر لیا اور اس سے اہانت و بدسلوکی سے پیش آئے۔

مگر چند روز بعد وہ رہا کر دیا گیا۔ دوسرے ہی مہینے اس کا انتقال ہو گیا اور غالباً انہیں اہانتوں کے پنج و غصے نے اس کی جان لی۔

سلسلہ کاشین | **بانیفیس** ہی وہ شخص تھا جس نے سلسلہ کاشین منایا تھا، اور اسی واقعہ نے اس زمانے کے لوگوں کے

جذبات و خیالات کو بہت اُبھار دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس تعریب کے موقع پر **بانیفیس** نے اپنے دلی خیالات کا اظہار کر دیا۔ وہ اس شان سے شہنشاہی تخت پرزینت افروز ہوا کہ اس کے سر پر تاج، کمر میں تلوار کا ہاتھ میں عصا تھا، اور اس نے چلا کر یہ کہا کہ ”میں ہی قیصر ہوں، میں ہی شہنشاہ ہوں۔“

یورپ میں | **بانیفیس** کے جانشین **بندکٹ** (۱۳۰۳ء - ۱۳۰۴ء) پر **فرانس کا غلبہ** | **فلپ** چہارم نے اتنا دباؤ ڈالا کہ آخر اس نے مجبور ہو کر جہاں تک **فرانس** کا تعلق تھا **بانیفیس** کے

دعاویٰ واپس لے لیا۔ **بندکٹ** کے انتقال کے ایک برس بعد تک کارڈنل کسی امیدوار کی نسبت اتفاق رائے نہ کر سکے، آخر الامر شاہ **فرانس** کی ریشہ دوانیوں سے **فریسی** فریق نے اسقف **ارڈو** کو پوپ منتخب کر دیا، اس سے اور **فلپ** سے پہلے ہی خفیہ ساز باز ہو چکی تھی۔ اس نے **کلیمنٹ پنجم** (۱۳۰۴ء - ۱۳۱۳ء) کا لقب اختیار کیا اور **سلسلہ** میں **فلپ** کے حسب مرضی اپنا کل دربار اوگنان کو منتقل کر دیا۔ روم میں رہنا بھی اب خالی از خطر نہیں تھا، امرا کے خاندان برابر شرکوں پر فسادات برپا کرتے رہتے تھے اور چونکہ جرمن شہنشاہوں کی طاقت کمزور ہو چکی تھی اس لئے کوئی امن و انظام کا قائم رکھنے والا بھی نہیں تھا۔ لیکن پوپ کے

ویدار کا اوگنان کو منتقل ہو جانا بہت بُرا ہوا وہاں جا کر پوپ بالکل ہی
شاہِ فرانس کے اثر میں آ گئے۔ فلپ نے کلمنٹ پر دباؤ ڈالنے کے لئے
بہت سی عیارات و موثر تدبیریں اختیار کیں یہاں تک کہ اس منصب
پوپ کو اپنی مرضی کے خلاف مجبور ہو کر لائٹ ٹیلر، کے طبقے کے تباہ
کر دینے میں بادشاہ کی امداد کرنی پڑی۔

جان بسٹوم | بندکٹ کے جانشین جان بست و دوم کو اپنا بہت زیادہ
شہنشاہ لڈوگ | وقت منصب شہنشاہی اور معاملات اطالیہ کے متعلق
لڈوگ (شاہ بویریا ۱۳۱۴ - ۱۳۴۷) کے ساتھ کشمکش

میں صرف کرنا پڑا۔ اس پر خاش کی ممتاز خصوصیت یہ ہے کہ اس میں
ایک نیا نظریہ سلطنت ظہور پذیر ہوا، جسے پیروان فرانس کے ایک فرقے
نے شائع کیا تھا۔ انہوں نے یہ خیال پیش کیا کہ قوم ہی صاحب
اقتدار اعلیٰ ہے۔ لفظ "کلیسا" کا مفہوم یہ لیا گیا کہ اس میں
حضرت عیسیٰ پر یقین رکھنے والے تمام لوگ شامل ہیں اور رومن کیتھولک
عقیدے کے موافق صرف "پادریوں" ہی پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔
عام لوگ بھی طبقہ مذہبی میں داخل ہیں اور حکومت مذہبی میں انہیں بھی
شریک کرنا چاہئے۔ اعلیٰ ترین اقتدار ایک "مجلس عام" کو تفویض ہونا
چاہئے۔ منصب پاپا کے بانی رسولان عیسائی نہیں ہیں بلکہ یہ منصب کائنات
کے وقت سے پیدا ہوا ہے۔ پس پوپ کو بادشاہوں پر کوئی اقتدار نہیں ہے

۱۷۔ یہ ایک فوجی جماعت تھی جو بلوہ خود قائم تھی اور اس نے اپنا یہ کام قرار دیا تھا کہ ارض مقدس
کو جانے والے زائرین کی حفاظت کرے۔

اور سلطنتیں اس کے اثر سے بالکل آزاد ہیں۔ پیروان فرانس جب بااعلان اس قسم کا عقیدہ مخالف شائع کر رہے تھے تو لڈوگ ان کی حفاظت کرتا تھا اور وہ لڈوگ کو اس کی جدوجہد میں مدد دیتے تھے لیکن اس کے ساتھ ہی اور کھنے والے بھی تھے جو پوپ کی فوقیت کے قطعی اصول کی حمایت کر رہے اور اسے ترقی دے رہے تھے۔

پاپاؤں کا قیام جتنے زمانے تک اوگنان میں رہا اس زمانے تک ان کے دربار کے تمام اخراجات منضبط ہو گئے تھے اور وہ کثیر مقدار میں روپے جمع کرنے کے لئے ہر طرح پر کوشش کر رہے تھے۔ ان کے قیام اوگنان کے اس زمانے کو کیلسا کی تاریخ لکھنے والے بالعموم الجابل کی جلاوطنی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

تفرقہ عظمیٰ ۱۳۳۱ء میں منصب پوپ کے بابت تفرقے کی ابتدا ہوئی ہے۔ گریگوری یا زوہم ۱۳۰۰ء میں قطعی طور پر اپنا ہبام روم میں واپس لے گیا مگر دوسرے ہی سال اس کا انتقال ہو گیا۔ اربن ششم نے (۱۳۷۸ - ۱۳۸۹) جس کا انتخاب روم میں ہوا تھا اپنے سخت برتاؤ سے ان کارڈنلوں کو برگشتہ کر دیا جو شاہ فرانس کے اثر میں تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اس سے منحرف ہو کر اس کے انتخاب کو حاجائز قرار دیدیا۔ اور کلیمنٹ ہفتم (۱۳۷۸ - ۱۳۹۴) کا انتخاب کر لیا۔ کلیمنٹ ہفتم جلد اوگنان میں چلا گیا اور وہاں اس نے پوپ کا سلسلہ قائم رکھا۔ ادھر روم میں اربن ششم اپنی جگہ پر جا رہا۔ پس اب دو شخص منصب پوپ کے دعویدار ہو گئے۔ جرمنی، انگلستان، ڈنمارک، سویڈن اور پولینڈ نے اربن کی جانبداری کا اعلان کر دیا۔ اور فرانس، اسکاٹ لینڈ،

لویرن، کیٹائل، اور آراگان، کلینٹ ہفتم کے ساتھ رہے۔ تقریباً بیس برس تک پوپ کے دو سلسلے قائم رہے اور اہل مذہب حیران تھے کہ کس کی تبعیت کریں۔ اس تفرقے سے خود منصب پوپ کے متعلق نہایت سخت اعتراضات کے وجوہ پیدا ہو گئے اور وکلف وہنس کے سے لوگوں کو موقع مل گیا کہ وہ کلیسا کے مسلمات کے خلاف خیالات شائع کریں۔

اقتدار مجلس کی رائے۔ چونکہ دونوں پاپاؤں میں سے کوئی بھی اپنے حق سے دست بردار نہیں ہونا چاہتا تھا، اور بغیر اس کے اس تفرقے کا ختم ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا اس لئے یہ خیال پیدا ہو چلا کہ اس مشکل کے حل کرنے کے لئے ایک ایسی مجلس طلب کی جائے جس میں بلا قید ہر شخص شریک ہو سکے۔ اس خیال کی تائید میں یہ کہا جاتا تھا کہ مذہب کے اوائل زمانے میں مجلس ہی کا اقتدار سب سے بالاتر ہوا کرتا تھا جسے اب پاپاؤں نے غصب کر لیا ہے، اس لئے ”مجلس عامتہ“ منعقد ہوئی چاہئے اور اسے یہ فیصلہ کرنا چاہئے کہ صحیح پوپ کون ہے (کیونکہ مجلس ہی اس قسم کے فیصلے کی مجاز ہے)۔ بہت بحث و مباحثے کے بعد کارڈنلوں نے مقام پیمسا میں ایک مجلس ۱۴۰۹ء میں طلب کی۔ اس مجلس نے دونوں پاپاؤں کو معزول کر کے الگزٹر پنجم کو پوپ منتخب کر دیا مگر معزول شدہ پاپاؤں نے مجلس کے اختیار کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور اب دو کے بجائے تین پوپ ہو گئے اور حالت بد سے بدتر ہو گئی۔ الگزٹر پنجم نے اگرچہ یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک پوپ کے منصب اور اس کے متعلقہ اخراجات درست نہ ہو جائیں گے اس وقت تک وہ اس مجلس کو برطرف نہیں کریگا مگر اس نے بہت جلد اس بنا پر اسے ملٹوی کر دیا کہ صلاح

کے کام کے شروع کرنے کے لئے کافی تیاری نہیں ہوئی ہے۔
کانسٹینس | اس اصول کے پیدا ہونے کی وجہ سے کہ مجلس کو پوپ پر
 اختیار حاصل ہے اس زمانے کو "دور مجلس" کہتے ہیں۔
 اس مجلس کی بنیاد دو اور مجلسیں منعقد ہوئیں ایک کانسٹینس

میں اور دوسرے بیسل میں۔ کانسٹینس کی مجلس (منعقدہ ۱۴۳۱ء) میں
 تفرقے کا معاملہ پھر زیر بحث لایا گیا۔ ہر ایک کارڈنل نے پھر حلف اٹھا
 کہ اگر اس کا انتخاب ہوا تو وہ کلیسا میں اصلاح ہو جانے تک "دور مجلس" کو
 برطرف نہ کریگا۔ تینوں پاپاؤں کو معزول کرنے کے بعد ۱۴۴۹ء میں مارٹن پنجم
 کا انتخاب ہوا۔ اس کے بعد مجلس اصلاحات کی کارروائی جاری کرنے کے
 لئے تیار ہوئی مگر جو لوگ سب سے زیادہ بد دل اور سب سے زیادہ اصلاح کے
 طالب تھے وہی اس امر پر اتفاق نہ کر سکے کہ کیا تغیرات ہونا چاہئے۔ اس
 اختلاف سے موقع پا کر پوپ نے بہت جلد مجلس کو برطرف کر دیا۔

مجلس بیسل | بیسل کی مجلس (۱۴۳۱ء-۱۴۴۹ء) کا نفع صرف یہ ہوا کہ
 اصلاح طلب فریق کی کمزوریاں ظاہر ہو گئیں کیونکہ یہ
 مجلس ایک کام بھی مکمل نہ کر سکی۔ اس لئے ایوجن چہارم (۱۴۳۱ء-۱۴۴۹ء)
 کے وقت سے بابویت کے ایک نئے دور کا آغاز سمجھنا چاہئے "مجلس خیال"
 کا زور جاتا رہا پوپ اطالیہ کی سیاسی جدوجہد میں پھنس گئے اور نشاۃِ جدیدہ
 کے خیالات نے بھی ان کے دلوں میں گھر کر لیا۔ اس زمانے میں ان کی
 حیثیت دنیاوی حکمرانوں کی سی معلوم ہو گئی تھی وہ بڑی شان و شوکت سے
 رہتے، مستقل فوجیں رکھتے، اپنے دشمنوں کے خلاف جنگ کرتے، اور پوپ،
 نیز اطالیہ کے سیاسی و سفارتی معاملات میں بہت زور کے ساتھ شریک

ہوتے تھے۔

حضرت عیسیٰ کے جانشین کا اس طرح دنیاوی معاملات میں منہمک ہو جانا بہت سے پائلوں کو سخت گراں گزرتا تھا اور وہ یہ شکایت کرتے تھے کہ پاپاؤں کے دنیاوی معاملات میں بھٹس جانے سے ان کے مذہبی فرائض میں کوتاہی ہونے لگی ہے، دنیاوی حکمرانی کی حیثیت سے پاپاؤں سے جو مخالفت پیدا ہوئی اس نے ان کے مذہبی اقتدار کی طرف سے یہی مخالفت و سربازی کا خیال پیدا کر دیا جس کے ساتھ ہی خود منصب پوپ کی اصلاح کا مطالبہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

نیکولس پنجم زمانہ نشاۃِ جدیدہ کے حکمران کی حیثیت سے پوپ صنعت و حرفت اور علوم و فنون کے بہت بڑے سرپرست بن گئے تھے نیکولس پنجم (۱۳۴۷-۱۳۵۵) جو نشاۃِ جدیدہ کا پہلا پوپ سمجھا جاتا ہے، عمارتوں کے بنوانے اور علوم کی سرپرستی کرنے میں بہت ہی سرگرم تھا، قلمی مسودات کا جو وسیع ذخیرہ اس نے جمع کیا تھا اسی سے ایوان پوپ کے کتب خانے کی ابتدا ہوئی۔ سرکشوں کی آخری شورش کو ۱۳۵۲ء میں نہایت سختی کے ساتھ دبا کر اس نے شہر (روما) پر پھر اپنا تسلط جما لیا۔ فخر خاندان بورجیا الکزنڈر ششم (۱۴۹۲-۱۵۰۳)، اور جولیس دوم (۱۵۰۳-۱۵۱۳) چونکہ برابر جنگ و جدل میں مصروف رہے اس وجہ سے وہ جنگی پوپ کہلانے لگے تھے۔ لیو دوم (۱۵۱۳-۱۵۲۲) نے روما کو صناعی اور علم کا مرکز بنادیا اور اس کا دور حکومت نشاۃِ جدیدہ کے معراج کمال کے معاصر ہونے کی وجہ سے بہت ہی تالیناک ہو گیا تھا۔ صرف ایک ریفل کی جس حد تک اس نے سرپرستی کی وہی اس کی شہرت و ناموری کے لئے کافی ہے۔ پوپ کے

دیار یورپ کے | اور بار میں ایک بہت بڑی تعداد مستندوں، محرموں اور خادموں
اخراجات - | اور ملازموں کی رہتی تھی، مستقل فوج قائم تھی، عالی شان عمارتیں
بن رہی تھیں نقل و حرکت ونگار، مجسمے اور دوسرے پسند خاطر نفیس

کاموں کا سلسلہ جاری تھا، قلمی مسودے اور کتابیں خریدی جا رہی تھیں۔
اہل علم کا ایک گروہ کثیر دامن دولت سے وابستہ تھا، حکومت کے اخراجات
بھی بڑھے ہوئے تھے کیونکہ تمام حکومتوں سے یورپ کے تعلقات قائم تھے،
ان سب ضروریات کے لئے ہر سال بے امانہ رقم کی حاجت ہوتی تھی۔ پایاؤں
نے مختلف طریقوں اور مختلف ناموں سے ساری دنیا پر محصول لگا رکھا تھا اور
روما کی طرف سونے چاندی کا سیلاب بہا چلا جا رہا تھا۔ یہ بھی ایک بنائے
شکایت ہوئی تھی، جرمنی، فرانس اور انگلستان کے لوگ یہ سوال کرنے لگے
تھے کہ یورپ کے اس سامان تعیش کے فراہم کرنے، اس کی فوج کو میدان جنگ میں
قائم رکھنے اور اس کے صنعتی کاموں کے اخراجات کے ادا کرنے کے لئے ہم لوگوں پر
کیوں محصول لگایا جائے۔

بد دلی انحراف | اس لئے پندرہویں صدی کے آخر میں باپویت کی طرف سے ایک
کی خبر دینے | وسیع اور گہری بد دلی پیدا ہو گئی۔ چودھویں اور پندرہویں صدی
میں مختلف اطراف و جوانب سے اصلاح کی آوازیں آنے لگی
لگی۔

تھیں۔ ایک مبصر کو بہت سی علامتیں ایسی نظر آ سکتی تھیں
جن سے وہ تیس قائم کر لیتا کہ ایک بہت ہی بڑا قومی و مذہبی خرد چھوٹنے والا ہے
جو ایک نئے دور کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔

تیس

صحت نامہ تاریخ یورپ

حصہ اول

صحیح	غلط	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر	صحیح	غلط	صفحہ نمبر	صفحہ نمبر
سیکسن کی کامیابی	سیکسن کامیابی	۷۹	۸۰	بہی	بہی	۱۲	۳۱
پہنچے	پہنچے	۱۰	۱۱	ان کے	اس کے	۱۰	۷
اینسلم	انسلم	۱۶	۱۱۳	یورپ کے نقشے کا	یورپ کا نقشہ	۱۶	۷
بہی	بھی	۳	۱۱۵	کلیسٹرومی کلیسٹروٹانی	کلیسٹرومی کلیسٹروٹانی	۲۰	۵
ولیم کے ہاتھ رہا	ولیم کے	۲۱	۷	نظر کر کے	نظر کرنے	۱	۹
مظالم کرتے	مظالم کرے	۱۴	۱۱۷	رویت	رویت	۱۸	۱۱
رابرٹ کے	کے رابرٹ	۱۰	۱۲۱	مسیح	مسیح	۱۸	۱۳
آٹو	آٹوٹنے	۲۰	۱۲۳	میں	میں	۱۲	۱۶
ارباب کلیہ خانقاہ	ارباب کلیسا خانقاہ	۲۱	۱۲۴	سلافی	سیلانی	۱۱	۳۶
کہ	کہ	۲۱	۱۲۷	متاہل	متاہل	۱۲	۶۳
«مسیح»	«مسیح»	۱۱	۱۲۴	مغرب	مشرق	۱۹	۷۰
عیسیٰ	عیسیٰ	۱۱	۱۲۷	پر گئے	پر گئے	۱۵	۷۵
اسقفون	اسقفون	۱۴	۱۲۷	سینٹ میری	سینٹ مری	۱۹	۷۷
عہد حکومت	عہدہ حکومت	۱۱	۱۲۸	نہیں ہوئی	نہیں	۱۶	۹۹
خارج البلد	دخارج البلد	۶	۱۵۲	اس میں	اس کی	۱۷	۷

— اس صفحہ میں جاہا مسیح کے نام کے ساتھ نمبر و فعل واحد استعمال ہوا ہے، اسے جمع میں بدل دینا چاہیئے، اور نام پر (ع) کا نشان بنا دینا چاہیئے،

صفحہ	غلط	صحیح	صفحہ	غلط	صحیح
۱۵۲	۹	مدائرت	۳۱	۳۳۲	اب نہ ہوا
۱۵۴	۴	راجردوم میں	۱۴	۳۳۳	تمام اٹلی کا جنوبی حصہ
۱۵۷	۱۳	عہدہ	۱	۳۴۱	قلب
۱۶۰	۱۸	نقطہ	۱۸	۳۴۷	چیلہ
۳۳۳	۹	ایسی	۳۱	۳۴۸	دنیا کے امن
۳۳۴	۳	مشغلہ	۱	۳۵۰	حواریں
۱۷۷	۱۳	شہنشاہی کے	۱۰	۳۵۱	خیالات کا
۱۸۰	۶	الطیوخ	۲۰	۳۵۷	قوق
۱۸۱	۱۰	اگر	۳۱	۳۵۷	سرحدا ریان
۱۸۳	۱۹	مراکھون	۱۱	۳۵۸	مبتعین
۱۸۷	۱	جونی فیس	۲۱	۳۶۵	بہتر نہیں کہتے تھے
۱۸۷	۳	لاٹ پادی	۴	۳۶۶	مبتدل
۱۹۱	۱۸	اجام	۱۸	۳۶۲	یودینا
۱۹۳	۶	اصلا شام کے زمانہ سے	۲۱	۳۶۲	بالآخر
۲۰۳	۸	انتخاب	۱۲-۱۱	۳۶۳	شمالی آفریقہ کا کچھ حصہ
۲۰۶	۸	دیکھیے	۱۴	۳۶۷	پیدا ہو گئے
۲۰۹	۸	دعویٰ	۱۶	۳۶۷	مدینہ کی
۲۱۱	۱۵	چھ	۱۲	۳۶۸	تمام
۲۱۱	۳	لو تھر کیسی؟	۱۶	۳۶۷	خیر
۳۱۸	۸	آرائہ	۱۴	۳۶۸	خالص

صحت	غلط	صحیح	صحت	غلط	صحیح
بادشاہ ہی	بادشاہی	۱۹ ۳۳۶	انگور کے	انگور کی	۸ ۲۷۹
معروف بہ	معروف	۳ ۳۳۸	حکمت میں	حکمت	۱۷ =
طرف سے	طرف	۲ ۳۳۹	بوہمنڈ	بوہمنڈ	۱۳ ۳۸۲
لاہرٹ جنگیں	جنگیں	۱۱ ۳۴۱	بوہمنڈ	بوہمنڈ	۱۷ ۳۸۵
کیوریایمبس	کیوریایمبس	۱۱ ۳۴۲	بوہمنڈ	بوہمنڈ	۳ ۳۸۶
ان دنوں	ان دنوں	۷ ۳۵۵	طلاقت	طاقت	۱۲ ۳۸۹
ہونا تھا	ہونا تھا	۱۴ ۳۵۶	ڈائیٹا	ڈائیٹا	۱۶ ۳۹۴
نشأۃ جدیدہ	نشأۃ جدیدہ	۱۵ ۳۵۷	ناشون	ناجن	۴ ۳۹۶
ٹوک	ٹوک	۴ ۳۶۵	بھی	کبھی	۱۸ =
اس کا زور	اسکا زور	۹ ۳۶۸	ہیں	تھیں	۲۱ ۳۷۱
کسمبرگ	کسمبرگ	۱۰ ۳۶۹	+	ایک	۱۷ ۳۷۵
پیا	پیا	۱۴ =	اثرانی یا اعیانی	اطراق یا اعیانی	۱۷ ۳۷۹
انتخاب کنندے	انتخاب کنندہ	۱۵ ۳۷۷	ہوت	ہوت	۸ ۳۸۱
اسنے	اسے	۴ ۳۸۱	ہونا تھا	ہونا تھا	۹ =
کندوں	کندوؤں	۵ =	تحدید	تحدید	۱۴ ۳۸۳
لیو پو	لیو پو	۱۸ ۳۸۲	منتجع	منتجع	۵ ۳۸۴
یہا نک	یہا نک	۷ ۳۸۵	+	اپنے	۱۹ ۳۸۶
اراگان	اراگان	۱۱ ۳۸۷	دول	دول	۹ ۳۸۸
شمالیوں کے	شمالیوں کی	۲۱ ۳۸۸	دیانت داری سے	دیانت داری	۱۸ ۳۸۸
سلیقہ	سلیقہ	۵ ۳۸۹	ٹائٹس ٹیپلر	ٹائٹس ٹیپلر	۱۹ ۳۸۹

صحیح	غلط	صحیح	غلط
فرانس	فرانس	اسلام کا	اسلام
پیا	پبا	پر نرڈ	پر نرڈ
پاپویت (پاپائیت)	پاپویت	شولبری	شولبری
ہوتی تھی	ہوگئی تھی	تھے	تھی
تائناک	تائیناک	ازمنہ	ازمنہ
پاپائیت	پاپویت	لیے	لیا

مقت

